چنگیز خان

ایک کشت و خون سے لبریز داستان

rekhta

چنگیز خان

تاریخی واقعات سے لبریز ولولہ خیز ناول

مؤلف

رئیس احمد جعفری

ناشر

اِنتساب!

ابو طالب نقوی کے نام!

- اس لیے نہیں کہ وہ صحافتی حلقوں میں معروف ہیں
  اور حال پاکستان پریس کونسل کے ممتاز رکن ہیں۔
- اس لیے بھی نہیں کہ وہ کراچی کے جید کرکٹر ہیں
  اور جن کی شاندار شخصیت ہمارے دوستوں کو مثالی انداز
  کے ادیب میں نظر آتی ہے۔
- صرف اس لیے کہ وہ ایک اچھے ادیب
  اور شریف انسان ہیں۔

رئیس احمد جعفری

عالم اسلام پر چنگیز بجلی بن کر گرا تھا۔ اور اس نے امن و امان، عافیت اور سکون کی کھیتی کو جلا کر خاکستر کر دیا تھا!

مقتول مسلمانوں کی اگر فہرست تیار کی جائے تو معلوم ہوگا، اس سو برس کی مدت میں جتنے مسلمانوں کو چنگیز کی تیغ خون آشام نے موت کے گھاٹ اتارا، وہ سب سے زیادہ تھے!

چنگیز کی دہشت کا یہ عالم تھا کہ ساری دنیا اس کے خوف سے لرزہ براندام تھی، وہ بغیر لڑے جیت جاتا تھا۔ اس کے دربار میں وقت کے ملوک و سلاطین، باہمہ جاہ و جلال، چاکر کمترین کی طرح حاضر ہوتے تھے۔

لیکن
....

تاریخ کی ایک دل آویز شخصیت ..... جلال الدین خوارزم شاہ ....

ایسی ہے جس نے قدم قدم پر چنگیز کا مقابلہ کیا۔ اس کے تکبر اور نخوت کو پاؤں تلے روندا۔ اس کی جو ہر الاجتی اور سطوت شخصیت کو للکارا۔ اس کی بے پناہ اور ہلاکت خیز قوت و طاقت سے ٹکر لی جس نے بے سروسامانی کے باوجود دنیا کے اس سب سے بڑے ستم گر کا اس طرح مقابلہ کیا کہ بالآخر اسے ہار مان لی!

یہی داستان آپ آگے اوراق میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

(ناشر)

قلندر جرّہ باز آسمانہا
بہ بال او سبک گردد گرانہا
فضائے نیلگوں نخچیر گاہش
نمی گردد بگرد آشیانہا!

rekhta

ترے دریا میں طوفاں کیوں نہیں ہے

خودی تیری مسلماں کیوں نہیں ہے

عبث ہے شکوۂ تقدیرِ یزداں

تو خود تقدیرِ یزداں کیوں نہیں ہے؟

rekhta

قصرِ شاہی

rekhta

علاء الدین خوارزم شاہ بڑے دبدبہ اور شان و شکوہ کا فرماں روا تھا۔۔۔

.... عادل، شجاع، دور اندیش، مدبر، ہر صفت سے موصوف تھا۔ اولاد کے اعتبار سے بھی اس کی خوش بختی قابلِ رشک تھی۔ کئی لڑکے تھے، سب کے سب سورما اور جیالے لیکن ان سب میں جلال الدین، اپنے بانکپن، طرحداری، اور وقار کے اعتبار سے سارے خاندان میں ممتاز تھا۔ وہ ابھی نوعمر تھا، لیکن بڑے بوڑھوں کے کان کترتا تھا۔ فکر و خیال کے اعتبار سے بھی۔ وہ حضرت اپنے خاندان میں بلکہ مشرق وسطیٰ کے تمام شاہزادوں میں یکتا اور منفرد تھا۔ بظاہر اس کے لئے اس کا کوئی موقع نہیں تھا کہ وہ باپ کا جانشین بن سکے۔ موروثی بادشاہت عمر کو دیکھتی ہے، اہلیت اور صلاحیت کو نہیں دیکھتی۔ وہ اہلیت و صلاحیت کے اعتبار سے فرد فرید تھا، لیکن عمر میں باری لے جانا اس کے بس سے باہر تھا۔ کئی بھائی اس سے عمر میں بڑے تھے۔ اور بظاہر وہ اسی لئے اس دنیا میں آیا تھا کہ ایک شاہی خاندان میں پیدا ہو کر ساری زندگی عیش و راحت اور آرام و آسائش میں گزار دے۔ لیکن اپنی طبیعت اور مزاج کے اعتبار سے

وہ بڑا منچلا تھا۔ اور آثار بتا رہے تھے کہ ایک دن وہ اپنے ہم عمروں اور معاصروں سے کہیں زیادہ آگے بڑھ جائے گا۔ بہت ممکن ہے وہ مشرقِ وسطیٰ میں اپنے وقت کا سب سے بڑا فرماں روا ثابت ہو۔

ایک روز کا واقعہ ہے:

علاء الدین خوارزم شاہ ایک مہم کے سلسلے میں پایۂ تخت سے باہر گیا ہوا تھا۔ جب کبھی وہ باہر جاتا تھا تو اس کے لڑکوں کے لیے عید ہو جاتی تھی۔ چنانچہ سب نے سیر و شکار کا پروگرام بنایا۔ مصاحبوں اور مصاحبوں کو اکٹھا کیا۔ دوستوں اور ندیموں کو ساتھ لیا۔ اور کوئی کدھر، کوئی کسی طرف روانہ ہو گیا۔ باری باری سب نے جلال الدین سے اصرار کیا کہ وہ بھی ساتھ چلے لیکن کوئی اصرار بھی اس کے انکار کو اقرار سے نہ بدل سکا۔ آخر سب لوگ چلے گئے۔ اور وہ اپنے دوسرے علمی اور سیاسی مشاغل میں معروف و منہمک رہا۔

مغرب کی نماز کے بعد بالعموم اس کے خاص خاص ندیم اور مصاحب اس کے خلوت کدہ میں جمع ہوتے تھے۔ اس مجلس میں نہ عیش و طرب کے پروگرام بنتے تھے، نہ ہوا و ہوس کی کہانیاں بیان کی جاتی تھیں۔ نہ لطفِ زندگی اور لذتِ حیات کے منصوبے تیار کیے جاتے تھے۔ نہ دوستوں سے یہ وعدہ کیا جاتا تھا کہ جب ہمارا وقت آئے گا تو نا اہلی اور نالائقی کے باوجود تمہیں اونچے اونچے منصبوں پر فائز کیا جائیگا۔ نہ دشمنوں اور مخالفوں کو دھمکایا جاتا تھا کہ آج اگرچہ تم ہماری زد سے باہر ہو لیکن جب عنانِ اقتدار و اختیار ہمارے ہاتھ میں آئے گی، تو تمہیں اور تمہارے بچوں کو کولھو میں پلوا دیا جائے گا، جائیداد ضبط کر لی جائے گی، اور کسی قسم کے رحم و رعایت کا سلوک نہیں کیا جائے گا۔ ان باتوں کے برعکس اس مجلس میں علم و عمل، اور کارِ دین و ملت کا ذکر ہوتا تھا

ان کے احوال و سوانح زیر بحث لائے جاتے تھے، قرآن اور حدیث کی تفسیر و تشریح پر گفتگو ہوتی تھی۔ فقہ اور سیاست کے مسائل پر تبادلہ خیال کیا جاتا تھا.... سلاطین ماضیہ کے روشن اور تابناک کارنامے زیر بحث لائے جاتے تھے۔ اور ملت اسلامیہ کی فلاح و صلاح کے مختلف پہلوؤں پر مشورت ہوا کرتی تھی۔

جلال الدین خوارزم شاہ کا خلوت کدہ بیک وقت، سیاست کدہ بھی تھا، بزم شاہانہ بھی اور ایوانِ علم و ادب بھی!

آج بھی مغرب کے بعد یہ مجلس لگی ہوئی تھی

حاضرین میں سے ایک شخص نور الدین نے کہا۔

۔ تعجب ہے ان دلچسپیوں میں حصہ نہیں لیتے، جن میں آپ کے برادران والا مرتبت اور دوسرے افراد خاندان حصہ لیتے رہتے ہیں۔

جلال الدین نے جواب دیا۔

۔ ہاں بھئی! اپنی اپنی طبیعت ہے!

ایک دوسرے شخص معین الملت نے کہا

۔ آپ بھی عجیب قسم کے شاہزادے ہیں، آپ کو تو مولوی ہونا چاہیے تھا!

جلال الدین۔ مولوی وہی ہوتا ہے جس کی اس میں صلاحیت ہوتی ہے۔ خواہ وہ کسی ملا کے گھر پیدا ہو، یا بادشاہ کے محل میں!

معین الملت:۔ آپ کا رجحان طبع کیا ہے؟ ——

جلال الدین:۔ قوم اور ملت کی خدمت!

نور الدین:۔ اگر کبھی وہ وقت آیا کہ اختیار و اقتدار کی باگ آپ کے ہاتھ میں آئی تو

آپ کیا کریں گے۔

جلال الدین: (مسکرا کر) تم جیسے دوست کو قاضی القضاۃ بناؤں گا۔ نہ کسی دشمن کی گردن کاٹوں گا، ہر شخص کو وہ دوں گا جس کا وہ مستحق ہوگا، اور وہ چھین لوں گا جسکا اسے استحقاق نہیں!

عین الملک: تو پھر ہمیں اپنے مستقبل سے مایوس ہو جانا چاہیئے؟

جلال الدین: اگر تم نے مجھ سے دوستی کا رابطہ اس لئے قائم کیا ہے کہ ناجائز فائدے اٹھاؤ تو ضرور مایوس ہو جانا چاہیئے۔ میں ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ مجھ سے کوئی غلط امید قائم کرے۔ نہ میں کسی سے کوئی غلط قسم کی توقع کرتا ہوں!

فخر الدین: وفاداری ہماری سرشت بن چکی ہے۔ آپ ہمیں نوازیں۔ یا معتوب قرار دیں۔ ہم بہرحال آپ کے پسینے پر اپنا خون بہا دیں گے۔

جلال الدین: یہ الگ بات ہے اس زمانے میں وفاداری کا معیار بھی غیر اسلامی ہوگیا ہے!

عین الملک: یہ آپ نے عجیب بات فرمائی۔

جلال الدین: میں غلط نہیں کہتا ...... تم لوگ غیر مشروط وفاداری کے عادی ہو چکے ہو۔ یہ غلامانہ ذہنیت ہے۔ اسلام اسے پسند نہیں کرتا۔ اسے مردود قرار دیتا ہے!

عین الملک: تو آپ کا مطلب یہ ہے کہ وفاداری مشروط ہونی چاہیئے؟

جلال الدین: ہاں یہی مطلب ہے!

عین الملک: تو پھر یہ وفاداری نہ ہوئی سودا بازی ہوگئی ...... کم از کم میں تو یہی سمجھتا ہوں! اور شاید یہ غلط نہیں سمجھتا!

جلال الدین: تمہارا خیال صحیح ہے۔ ورنہ مری ذات سے نہیں مقصد سے ہونی چاہئے!

نورالدین: ذات اور مقصد تو دو باصل الگ الگ چیزیں ہیں۔

جلال الدین: ہاں ... اور انہیں الگ ہی رہنا چاہئے اور مجھ میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں کہ تم ہر حالت میں میرے پسینے پر اپنا خون بہاؤ؟

.... خون بڑی قیمتی چیز ہے اسے بیکار نہیں بہنا چاہئے!

عین الملک: ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ خون صرف اس لئے ہے کہ آقا پر بہے۔

جلال الدین: آقا؟ ...... اسلام میں غلام اور آقا کوئی چیز نہیں ہر شخص اپنی زندگی کا مالک ہے اور یہ زندگی خدا کی امانت ہے۔ یہ صرف خدا ہی کے راستے میں صرف ہو سکتا ہے۔ اسے صرف خدا ہی کے لئے قربان ہونا چاہئے ...... سچ پوچھو تو، آج جو ہم ادبار و انحطاط کے شکار ہو رہے ہیں، وہ اس لئے، اگر ہم نے آقا پرستی کو اپنا شعار نہ بنایا ہوتا بلکہ مقصد اور اصول کے لئے جینا اور مرنا سیکھا ہوتا تو آج ہماری قوم زوال آشنا ہوتی۔ اور جب تک ہم یہ نہ سیکھ لیں گے، ترقی کی منزل ہم سے دور ہوتی جائے گی۔ ادبار ہم پر غالب آتا چلا جائے گا!

نورالدین: بات تو یہی ہے جو آپ نے فرمائی۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ ہم دفعتہً اپنے معاشرہ کو بدل بھی تو نہیں سکتے اور اگر بدلنے کی کوشش کریں تو بجائے اس کے کامیاب ہوں، طرح طرح کی مشکلات اور موانع بہ پیکر رہ جائیں گے!

جلال الدین:۔ یہ کم ہمتی کی باتیں ہیں۔ انسان میں اگر عزم و ہمت ہو تو وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ کوئی مشکل بھی اس کا راستہ نہیں روک سکتی!

مبین الملت:۔ آخر اس وقت آپ کے دل میں یہ خیال آیا کیوں؟

جلال الدین:۔ اس لئے کہ اس حقیقت کو ناشگوت طور پہ سمجھ لینے کی جتنی اس وقت ضرورت ہے کبھی نہیں تھی۔ اگر اب بھی ہم نے اس حقیقت کو نہ سمجھا، تو وہ وقت جلد آنے والا ہے۔ جب کف افسوس ملنے کے سوا کچھ بھی حاصل نہ ہو سکے گا۔ ..

نورالدین:۔ آپ کی باتوں سے تو ایسا انداز ہوتا ہے جیسے کوئی خطرہ منڈلاتا ہوا آنکھوں نظر آ رہا ہے۔۔ کیا واقعی؟

جلال الدین:۔ ہاں بہت بڑا خطرہ۔ مہیب اور ہولناک خطرہ۔ ایسا خطرہ جو کسی ایک شخص کیلئے نہیں ایک خاندان کے لئے نہیں۔ ایک ملک کے لئے نہیں ساری ملت اسلامیہ کے لئے ہے۔ جس کا مداوا اگر اب نہ کیا گیا تو کبھی بھی نہیں ہو سکے گا۔ جس کے مقابلہ کی تیاریاں اگر آج نہ کی گئیں۔ تو پھر اس کے مقابلہ میں شکست ہزیمت۔ پسپائی، اور ذلت کے سوا کچھ بھی حاصل نہ ہو گا۔ یہ وہ خطرہ ہے جو اسلام کے لئے۔ ملت اسلامیہ کے لئے، اسلامی تہذیب و تمدن کے لئے۔ اسلامی معاشرت، اور ثقافت کے لئے۔ اسلامی علم و ادب کے لئے۔ اسلامی تعمیر اور ترقی کے لئے۔ ہلاکت ہے، بربادی ہے تباہی ہے!

نورالدین:۔ یعنی اس کا مطلب؟

جلال الدین :- باہم الفت، محبت، اتفاق باہمی۔

عین الملک :- لیکن موجودہ حالات میں بے اتفاقی کچھ ممکن ہے، اور اگر نا ممکن ہے تو اتفاق باہمی ...... یہ نہیں ہو سکتا!

جلال الدین :- ہم مختلف ٹکڑیوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ ہم مختلف علاقوں پر حکمرانی کر رہے ہیں، لیکن یہ نہیں سوچتے کہ جیسا ریت کی بکھری ہوئی تیلیاں صرف ہوا کے ایک ذرا سا ہوا کا جھونکا آئے اور انہیں اڑا لے جائے۔ خلافت عباسیہ کے جاہ و جلال پر ہمیں فخر ہے۔ لیکن کیا یہ حقیقت نہیں کہ وہ اندر سے کھوکھلی ہو چکی ہے؟ دولت خوارزم شاہی کے سینے پر، تم میں بہت سے لوگ اپنا خون بہانے کو تیار ہیں۔ لیکن کیا یہ دولت کسی بڑی طاقت کا مقابلہ کر سکتی ہے؟ سلطانوں کی اور بھی بہت سی ٹکڑیاں ہیں۔ انہیں اپنی انفرادیت پر اصرار بھی ہے، اور ناز بھی۔ لیکن جس دن وہ طوفان آیا جس کا میں نے انہیں اشارہ کیا ہے تو ان میں سے ایک حکومت بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔ اس کے برعکس اگر ہم متحد ہوں، متفق ہوں، ایک دوسرے کے دکھ درد کے شریک ہوں، چھوٹے مفاد کو بڑے مفاد پر قربان کرنے کا حوصلہ رکھتے ہوں تو ہم پھر وہ طاقت بن سکتے ہیں، جس کے رعب و داب سے یہ جہان عالم کانپا کرتا تھا۔ ہماری عظمت کوئی بہت پرانی کہانی نہیں، حال کا واقعہ ہے۔ تاریخ کے صفحات ہماری عظمت کی داستان بیان کرتے ہیں۔ دنیا کے چپے چپے پر ہماری سطوت اور دبدبہ کے آثار و نقوش موجود ہیں، ایشیا صرف اسی صورت میں باقی رہ سکتے ہیں کہ ہم ان کے

باقی رکھے پر اڑ جائیں گے!

نورالدین: ہم انہیں باقی رکھیں گے!

عین الملت: ہم ان کے حفظ و بقا کے لئے کٹ مریں گے!

نورالدین: آپ حکم دے کر دیکھ لیجئے!

عین الملت: حکم نہیں، صرف اشارہ کر کے دیکھ لیجئے۔ کسی ایثار اور کسی قربانی سے ہم دریغ نہیں کر سکتے۔ اسلام کی حرمت، قوم کی عظمت، ملت کی عزت کیلئے ہم خون کی ندیاں بہا دیں گے .... لیکن اب تک نہ معلوم ہو سکا وہ کون سا خطرہ ہے جو آپ کو نظر آ رہا ہے، لیکن ہمیں دکھائی نہیں دیتا!

جلال الدین: کیا تم لوگوں نے چنگیز کا نام نہیں سنا۔

نورالدین: چنگیز؟ .... وہ لٹیرا؟ .... وہ صحرائے گوبی کا رہنے والا، اجڈ گنوار اور کندۂ ناتراش انسان جو نہ لکھنا جانتا ہے نہ پڑھنا جو تہذیب سے ناواقف ہے نہ تمدن سے، جسے نہ کھانا آتا ہے، نہ پہننا!

عین الملت: ہم تو سمجھے تھے واقعی کوئی خطرہ ہوگا!

جلال الدین (طنز کے ساتھ): اور بات بہت معمولی نکلی؟

عین الملت: گستاخی معاف .... میں تو اسے خطرہ سمجھنے کے لئے مطلق تیار نہیں ہوں۔ وہ ہمارا کیا کر سکتا ہے۔ اگر اس نے ہمارے مقابلہ میں آنے کی جرأت کی، تو جو تھوڑا بہت نام اس نے اپنے جیسے گنواروں پر فتح حاصل کر کے پیدا کیا ہے۔ اسے بھی ڈبو دے گا!

جلال الدین:۔ نہیں تم نہیں سمجھے، وہ ایک بہت بڑی طاقت ہے، بہت بڑا فتنہ ہے، ایک ایسا طوفان ہے، جس کی فکر سمجھنا نا ممکن ہے۔

نورالدین:۔ ممکن ہے آپ کا خیال صحیح ہو۔

عین الملک:۔ لیکن مجھے شبہ ہے، اس کی صحت میں۔

جلال الدین:۔ میرے بھائی صرف تم ہی کو نہیں، بہتوں کو شبہ ہے، کوئی بھی ان باتوں پر یقین نہیں کر سکتا، لیکن ایک بات یاد رکھو، حقیقت بہرحال حقیقت ہے، خواہ اسے تسلیم کیا جائے یا اس کے ماننے سے انکار کر دیا جائے۔ میں مانتا ہوں چنگیز لٹیرا ہے، جاہل ہے، گنوار ہے، لیکن وہ ذہین بھی ہے مدبر بھی ہے۔ موقع شناس بھی ہے، ایک بہت بڑا جنگ آزما بھی ہے، وہ ایک صحرائی شخص ہے، لیکن اب وہ صحرا سے اکتا چکا ہے۔ اب اسے شہر کی رعنائیاں لبھا رہی ہیں، اب وہ صحراؤں پر حملے نہیں کرتا۔ اب اس کا لشکر شہروں کا محاصرہ کرتا ہے، انہیں فتح کرتا ہے۔ اور وہاں چنگیز ہیبت کے ایسے مظاہرے کرتا ہے کہ روح کانپ اٹھتی ہے!“

نورالدین:۔ ممکن ہے یہ سب سچ ہو، لیکن اب تک یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اس سے ہمیں کیا خطرہ ہو سکتا ہے۔ نہ ہم اس کے دشمن ہیں، نہ وہ ہمارا دشمن ہے نہ ہم اس کے مفتوحات کو اپنے تصرف میں لانا چاہتے ہیں۔ نہ وہ ہمارے مفتوحات پر للچائی ہوئی نظریں ڈالتا ہے، اس کا کوئی امکان نہیں، لہٰذا ہم اس کی عظمت نہیں تسلیم کرتے۔ ہمارا شاندار ماضی کئی سو برس تک چلا ہے، اور بد ترین دشمن بھی ہماری عظمت کے آگے سر جھکانے پر مجبور رہے!

کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟

جلال الدین:- ہاں تم غلط کہہ رہے ہو۔ بظاہر ہم میں اور چنگیز میں کوئی وجہ اختلاف نہیں ہے۔ لیکن اس سے بڑا ابھی کوئی اختلاف ہو سکتا ہے کہ ہم اسکی کشور کشائی میں حائل ہیں؟

عین الملک:- وہ کس طرح؟

جلال الدین:- جب تک وہ ہمیں فتح نہ کرلے، اس کی سربلندیاں مکمل نہیں ہو سکتیں!

نورالدین:- لیکن ابھی آپ فرما چکے ہیں کہ وہ موقع شناس اور مدبر بھی ہے!

جلال الدین:- ہاں میں نے یہ کہا تھا!

نورالدین:- اگر واقعی وہ موقع شناس اور مدبر ہے تو پھر ہرگز ایسی حماقت نہیں کرسکتا کہ ہم سے الجھے — کوئی عقلمند بھی بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ نہیں ڈالتا!

جلال الدین:- لیکن اس نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ ہمارا عزم دم توڑ چکا ہے، ہماری ہمت جواب دے چکی ہے، ہمارا ولولہ سرد ہو چکا ہے۔ ہمارا جوش ختم ہو چکا ہے؟ — اور اگر وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہے تو پھر میدان جنگ ہمارا اور اس کا فیصلہ کردے گا!

جلال الدین:- لیکن وہ فیصلہ کس کے حق میں ہوگا کیا یہ بھی تم بتا سکتے ہو؟

نورالدین:- ہمارے حق میں — وہ ہمارا مقابلہ نہیں کرسکتا!

جلال الدین:- یہی خوش فہمی۔ تباہی اور ہلاکت کی بنیاد ہے۔

عین الملک:- تو خواہ مخواہ ہم اپنے آپ کو کمزور اور اسے شہ زور کیوں سمجھ لیں، آخر

کوئی بات بھی تو ہو!

جلال الدین:۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ متحد ہے! ہم منتشر ہیں وہاں، کسی قسم کا تنازعہ نہیں ہے۔ اور ہمارے یہاں ہزار ہا قسم کے اختلافات ہیں!

عین الملک:۔ آپ کی مراد کن اختلافات سے ہے؟

جلال الدین:۔ ان تمام اختلافات سے جو اس وقت موجود ہیں۔۔ مذہبی سیاسی دینی ہر قسم کے اختلافات اور ان اختلافات نے ہمیں نکما بنا دیا ہے، ہماری قوت عمل سلب کر لی ہے، ہمیں خود غرض اور منافق بنا دیا ہے، جب تک ہم پھر سیسہ پلائی ہوئی دیوار نہ بن جائیں، کسی دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتے!

اتنے میں عشاء کی اذان ہوئی اور مجلس برخاست ہوگئی!

چنگیز ـــــ!

چھٹی صدی ہجری کا آغاز ساری دنیائے اسلام کے لئے عام طور پر اور وسط ایشیا
کی اسلامی حکومتوں کے لئے خاص طور پر قتل، غارت، تباہی و بربادی، ادبار
ہلاکت اور زوال و انحطاط کا دور تھا۔

اسی صدی کے آغاز میں تاتاریوں کا طوفان ایک سیل بلا کی صورت میں
اٹھا اور ترکستان سے لے کر سارے وسط ایشیا اور روس تک چھا گیا!

یہ موت اور ہلاکت کا طوفان تھا،
اس طوفان کی زد میں آ کر لاکھوں مسلمان بھیڑ بکری کی طرح ذبح کر دیئے گئے،
ہزار ہا مسلمانوں کو غلامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہونا پڑا،
صد ہا آباد و پر رونق شہر خاک کے ڈھیر بن گئے! ـــــ ان شہروں
کی بلند و بالا عمارتیں، شاندار محلات، قصور، خوشنما اور مستحکم ایوان نظر میں کھب جانے
والی مسجدیں، علم کدے اور بے خانقاہیں، مقبرے مسمار کر دیئے گئے!
لہلہاتے ہوئے کھیت، اور مرغزار روند ڈالے گئے!

جن مقامات کی تقدیس کا یہ عالم تھا کہ پرندے پر مارتے ہوئے ڈرتے تھے وہاں یہ وحشی اور سفاک انسان نما درندے، تاتاری گھس گئے، انھوں نے نہ مسجدوں کی حرمت کا خیال کیا، نہ خانقاہوں کے تقدس کو محسوس کیا، نہ مدرسوں اور مکتبوں کی عظمت تسلیم کی۔ جہاں پہنچے ہلاکت اور بربادی کا طوفان لے کر پہنچے جو کچھ نظر آیا اسے غارت کر دیا، زمین کے برابر کر دیا۔

وسط ایشیا کا وہ بڑا علاقہ جو تہذیب و تمدن کا گہوارہ تھا ویران و سنسان ہو گیا۔ جہاں تہذیب کی تکمیل ہوئی تھی، تمدن کی بنا پڑی تھی اور ثقافت کی پیداوار ہوئی، علم و فن کی تجدید ہوئی تھی، تعمیر اور تخلیق کے شاہکار ہمیشہ آنے والی آنکھوں کو خیرہ کرتے تھے۔ وہاں خاک اڑنے لگی۔ ایسا معلوم ہونے لگا جیسے یہ وہ خطۂ ارض ہے، جہاں اب تک انسان کے قدم نہیں پہنچے، جہاں اب تک تہذیب پروان نہیں چڑھی، جہاں اب تک بربریت اور درندگی کا دور دورہ ہے، جہاں اب تک انسانی ذہن ناتراشیدہ ہے۔ وہ کوئی چیز رکھتا ہے نہ قیمت۔ اسلام کے نام لیواؤں پر ایسی مصیبت کبھی نہ آئی تھی، چشم فلک نے مصیبت اور مصائب کے ایسے خونچکاں مناظر کبھی نہ دیکھے تھے۔ انسانی تصور نے ایسے رونگٹے کھڑے کر دینے والے مظالم کا اندازہ بھی نہ کیا تھا۔

یہ تاتاری انسانی جسم رکھتے تھے۔ لیکن ان کے پہلو میں جو دل دھڑکتا تھا وہ انسانوں کا نہیں درندوں کا تھا۔

یہ تاتاری منگولیا کے صحرائے گوبی کے باشندے تھے۔
یہ بے آب و گیاہ خطہ قدرت کی فیاضیوں سے یکسر محروم تھا۔

جن مقامات کی تقدیس کا یہ عالم تھا کہ پرندے پر مارتے ہوئے ڈرتے تھے
وہاں یہ وحشی اور سفاک انسان نما درندے "تاتاری" گھسے، انھوں نے نہ مسجدوں
کی حرمت کا خیال کیا، نہ خانقاہوں کے تقدس کو محسوس کیا، نہ مدرسوں اور
مقبروں کی عظمت تسلیم کی، جہاں پہونچے ہلاکت اور بربادی کا توشہ لے کر پہنچے
جو کچھ نظر آیا اسے غارت کر دیا، زمین کے برابر کر دیا۔

وسط ایشیاء کا وہ پورا علاقہ جو تہذیب و تمدن کا گہوارہ تھا، ویران
و سنسان ہو گیا۔ جہاں تہذیب کی کلیاں کھلی تھیں، تمدن کی بنا پڑی تھی اور
ثقافت کی ایجاد ہوئی، علم و فن کی تجدید ہوئی تھی، علم اور تحقیق کے مظاہر آنے ان
آنکھوں کو خیرہ کرتے تھے۔ وہاں خاک اڑنے لگی۔ ایسا معلوم ہونے لگا جیسے یہ وہ
خطۂ ارض ہے، جہاں اب تک انسان کے قدم نہیں پہونچے، جہاں اب تک فطرت
پروان نہیں چڑھی، جہاں اب تک بربریت اور درندگی کا دور دورہ ہے، جہاں
ابھی تک انسانی ذہن ناتراشیدہ ہے۔ وہ کوئی جوہر رکھتا ہے نہ قیمت۔ اسلام
کے نام لیواؤں پر ایسی مصیبت کبھی نہ آئی تھی، چشم فلک نے ہیبت اور دہشت
کے ایسے خونچکاں مناظر کبھی نہ دیکھے تھے۔ انسانی تصور نے ایسے رونگٹے کھڑے
کر دینے والے مظالم کا اندازہ بھی نہ کیا تھا۔

یہ تاتاری انسانی جسم رکھتے تھے۔ لیکن ان کے سینوں میں جو دل دھڑکتا
تھا وہ انسانوں کا نہیں درندوں کا تھا۔

یہ تاتاری منگولیا کے صحرائے گوبی کے باشندے تھے!
یہ بے آب و گیاہ خطہ قدرت کی فیاضیوں سے یکسر محروم تھا۔

یہاں کے قبائل ہر قسم کے ضبط و نظام سے محروم تھے۔ یہ خانہ بدوشانہ زندگی
بسر کرتے تھے!

خانہ جنگی ان کا بہترین مشغلہ تھا!

خانہ جنگی سے جو وقت بچتا تھا، وہ قزاقی پر صرف ہوتا تھا، اخلاق، نظام
اخلاق، سیرت و کردار، عالی ظرفی، خوش ذوقی، یہ وہ چیزیں تھیں جن کا ان قبائل نے
نام بھی نہیں سنا تھا۔ یہ کھلے بندوں زنا کرتے تھے، چوری کرتے تھے، ڈاکے ڈالتے
تھے، بے جھجک دوسرے انسانوں کو قتل کرتے تھے، آبادیاں لوٹ لیتے تھے، بستیاں
ویران کر دیتے تھے، جلا دیتے تھے، خاکستر کر دیتے تھے، نہ انہیں بچوں
پر رحم آتا تھا نہ بوڑھوں پر، نہ بیماروں پر نہ معذوروں پر، نہ عورتوں پر، ان کے
آئین اور ضابطے میں صرف ایک چیز کارفرما تھی ——— اور وہ تھی تلوار!

جو بہترین تلوار چلا سکتا تھا وہی، بستے گھروں اور ناتوانوں کی قسمت
اور زندگی کا مالک بن جاتا تھا۔ اسے حق تھا کہ لوگوں کو غلام بنائے، عورتوں کو
کنیز اور باندیاں بنا کر انہیں اپنے تصرف میں لائے، ناموس کی کوئی قیمت تھی
نہ آبرو کی کوئی وقعت، بچہ ہو یا بوڑھا جس نے پکڑ لیا اور قید کر لیا تھا وہ مستقبل کے
غلام تھے آگے چل کر ان سے چاکری کرائی جاتی تھی، ان سے خدمت لی جاتی تھی۔ انہیں ایک
اشارۂ چشم پر بڑے سے بڑے خطرے کا مقابلہ کرنا تھا، کسی کی مجال نہیں تھی کہ ان سے
سرتابی کر سکتا، اس لیے کہ سرتابی کی سزا موت تھی۔ اور کون ہے جو موت سے نہ
ڈرتا ہو ——— ہر شخص تو اتنا جیالا نہیں ہوتا کہ موت سے ٹکرا جائے
دم سادھے لرز پڑے!

منگولی قبائل ـــــ عجیب وغریب قسم کی زندگی بسر کرتے تھے!

نہ کسی اصول کے پابند تھے، نہ قانون کے، نہ عوام کے قائل تھے، نہ حلال کے، نہ مذہب کے، نہ معاشرے کے ـــــ سب سے بیگانہ، سب سے الگ سب سے جدا زندگی بسر کرتے تھے اور اسی زندگی میں مگن تھے، انہیں اس سے کوئی بحث نہیں تھی کہ دنیا کدھر جا رہی ہے یا اس نے زندگی کو پرکھنے کیلئے کون کون سے اصول اور ضابطے اور قاعدے مقرر کر رکھے ہیں!

انہی خانہ بدوشوں اور وحشیوں کے ایک معمولی سے گھرانے میں ایک لڑکا پیدا ہوا
چنگیز!

لوگ کہتے تھے یہ منحوس ہے!

اس لئے کہ کم عمری میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا!

لوگ کہتے تھے بدقسمت ہے!

اس لئے کہ باپ کے بعد کوئی نہ تھا جو اس کی سرپرستی کرتا۔ اس کی تربیت کی طرف متوجہ ہوتا۔ اس کا دل رکھتا۔ اس کی پرورش اور پرداخت کا بوجھ اپنے سر لیتا!

لوگ کہتے تھے۔ اس کا مستقبل تاریک ہے!

اس لئے کہ اسے پڑھانے والا، اس کی سرپرستی کرنے والا کوئی نہ تھا!

لیکن چنگیز خود اپنا معلم بنا، اس نے خود اپنی تربیت کی، اس نے خود اپنی رہنمائی کی۔

میں اپنی داد خود دے لوں کہ میں بھی کیا قیامت ہوں!

بہت جلد چنگیز اپنے آپ کو چنگیز بنا لیا!

پہلے وہ اپنے ہم سن اور ہم عمر دوستوں کا سردار بنا۔ کسی کی ناک توڑی کسی کا کان کاٹا۔ کسی کے طمانچہ لگایا۔ کسی کے گھونسہ مارا۔ کسی کو اپنے پتھر کا نشانہ بنایا۔ کسی کو کشتی لڑ کر زیر کر لیا۔ اور زبردستی سرداری کا تاج اپنے سر پہ رکھ لیا ـــــ پھر وہ جوان ہوا!

جوانی کے ساتھ حوصلہ بڑھا، امنگیں بڑھیں، تمنائیں پیدا ہوئیں
اور ساتھ ساتھ طاقت بڑھی، رعب بڑھا، حوصلہ بڑھا،

اب تک صرف چند لڑکوں کا سردار تھا!

اب اپنے کارناموں اور من چلے پن کی بدولت وہ اپنے قبیلے کا سردار بن گیا!
لیکن چنگیز اور صرف ایک قبیلے کی سرداری ـــــ ؟
کچھ اور چاہیئے وسعت مرے بیان کے لئے!

ایک قبیلے کی سرداری اس کے حوصلے کی توہین تھی۔ لڑائی جھگڑے سے وہ ڈرتا نہیں تھا۔ بلکہ ایسے نادر موقعوں کا مشتاق رہتا تھا۔ بہت جلد اپنا لوہا منوا کر اور اپنی بہادری کا سکہ بٹھا کر وہ صحرائے گوبی کے قبائل کا متفقہ سردار بن گیا ـــــ جیالا، بہادر اور منچلا سردار!

قبائل کی سرداری نے سمند ہوس پر تازیانہ کا کام کیا!

وہ صحرائے گوبی سے باہر نکل کر قریوں اور شہروں پر اپنی سطوت اور جلالت اور عظمت اور شوکت، شجاعت اور فراست کا سکہ بٹھانا چاہتا تھا اور صحرائے گوبی کی زندگی پر اپنی حوصلہ مندیوں، اور اولوالعزمیوں کو قربان نہ کر سکا!

وہ وحشیوں اور تہذیب ناآشنا لوگوں کی سرداری پر اپنی طبع بلند کو
راضی نہ کر سکا!

وہ جنگل اور صحرائی حکومت سے نہ خوش نہ مطمئن!

وہ شہروں کو فتح کرنا چاہتا تھا!

مہذب اور متمدن آبادیوں کا زیر نگیں کرنا اس کی زندگی کا
سب سے بڑا مقصد بن گیا تھا!

چنگیز خان نے تاتاری سرداروں کو مغلوب کر کے اپنی ایک
ریاست قائم کر لی تھی پھر اس نے بیکار اور بے روزگار نوجوانوں اور دلاوروں کی
ایک فوج گراں مرتب کی!

اور یہ فوج ایک عجیب اور ہولناک طوفان کی صورت میں باہر نکلا!

فتح و نصرت نے اس کے قدموں کو چوما!

کامیابی اور کامرانی اس کے جلو میں چلی!

فیروزمندی اور بختاوری اس کے سر پر سایہ فگن رہی۔

چند ہی سال کے اندر چنگیز کے مفتوحات اور مقبوضات کا دائرہ وسیع
سے وسیع تر ہو گیا

بہت جلد نوبت یہاں تک پہنچی کہ چین اور ترکستان کے زرخیز، شاداب
آباد، اور پر رونق گراں قیمت مصنوعات سے مالا مال، اور سیم و زر سے
بھرپور علاقوں پر چنگیز کا پرچم لہرانے لگا!

اب وہ ایک بہت بڑا سپہ سالار تھا جس کی ہیبت اور دہشت سے دنیا اور اہل

عالم کانپتے تھے!

اب وہ بہت بڑا تاجدار اور شہنشاہ تھا!

جس کے رعب و سطوت کا یہ عالم تھا کہ رعایا اس سے اتنی خائف اور
ترساں رہتی تھی جتنی بکری شیر سے۔ وہ اپنی فوج گراں لیکر جس طرف بڑھتا
تھا، موت، ہلاکت اور بربادی کی بارش کرتا ہوا گزرتا تھا!

چنگیز کی حکومت تلوار کی نوک اور خنجر کی دھار پر قائم تھی، اسے
آبادیوں کے اجاڑنے گردنوں کے کاٹنے شہروں کو ڈھانے عمارتوں کے
مسمار کرنے، کھیتوں کے روندنے اور لوگوں کے قتل عام میں وہ مزہ آتا
تھا جو کسی شکاری کو شکار میں آتا ہے۔

انسانی زندگی کی ذرا بھی اس کی نظر میں وقعت نہ تھی
وہ بےگناہ انسانوں کو اس طرح پامال کر ڈالتا تھا جس طرح ہاتھی
چیونٹی کو روند ڈالتا ہے!

بیشک چنگیز نے چین اور ترکستان کے زرخیز و شاداب علاقے فتح کر لئے
لیکن ابھی بہت کچھ باقی تھا، مشرق وسطیٰ کی اسلامی حکومتیں اس کی
اولوالعزمی کے لئے ایک چیلنج تھیں۔

ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہیں سنگ گراں اور

بغداد ـــ دنیائے اسلام کا سب سے بڑا مادی اور روحانی مرکز تھا دنیا
کے کسی بڑے سے بڑے سپہ سالار اور شہنشاہ کی یہ ہمت نہ تھی کہ ادھر کا رخ
کر سکتا ـــ خود چنگیز کو بھی نہیں،

اور جب تک بغداد پر تاتاری پرچم نہ لہراتا، اس کے حوصلے ناتمام تھے!
شہرت اور سطوت کے باوجود مشرق وسطیٰ اس کی دسترس سے باہر تھا
اس قلعہ کا پھاٹک بغداد تھا۔ جب تک یہ پھاٹک مسمار نہ ہو جاتا۔ ممکن نہ تھا
کہ قلعہ پر قبضہ ہوتا، اور بغیر اس کے کوئی تمنا بھی پوری نہ ہو سکتی تھی!

خطرناک ارادہ

ایک روز فتح چین و ترکستان کے سلسلے میں فوجی جشن کا اہتمام ہوا،
وسیع پیمانے پر رقص و موسیقی کا انتظام کیا گیا۔ لیکن نہ عشوہ و ادا سے
چنگیز کا جی بہلا۔ نہ ناز و انداز سے اس کی طبیعت بحال ہوئی
یہ رنگ دیکھ کر اس کے ایک معتمد ملازم، تن خان نے — جو جنگ
و پیکار کے ہر مرحلے میں اس کے ساتھ رہ کر داد شجاعت دیا کرتا تھا — کہا
"میرے آقا کیا بات ہے۔ آج میں آپ کو افسردہ دیکھ رہا ہوں! —
— آپ کی سطوت و شوکت کے سامنے دنیا کا کوئی ملک نہیں ٹھہر سکتا!
چنگیز:۔ (پہلو بدل کر) ہاں ۔۔۔!"
تن خان:۔ "آج ہم جشن منا رہے ہیں!"
چنگیز خان:۔ ہاں میں دیکھ رہا ہوں!"
تن خان:۔ "یہ جشن ہے، فتح و نصرت کا ——— وہ فتح جو
ہمیں چین پر حاصل ہوئی ہے،

چنگیز خاں:۔ ہاں ...... اور ہم نے ترکستان بھی فتح کر لیا۔

تمن خاں:۔ بے شک — اور یہ فتوحات کی پہلی کڑی ہے۔

چنگیز خاں:۔ ہاں ... میں سوچ رہا ہوں کیا دوسری کڑی بھی ہم حاصل کر سکیں گے!

تمن خاں:۔ کیوں نہیں؟ — ضرور!

چنگیز خاں:۔ لیکن یاد رکھو رستے میں کہ اب یہ دوسرا معرکہ سر کرنا آسان نہیں!

تمن خاں:۔ چنگیز خاں کے لئے کوئی معرکہ بھی دشوار نہیں ہو سکتا!

چنگیز خاں:۔ ہاں — اور چنگیز نے فیصلہ کر لیا ہے کہ

یا تن رسد بجاناں یا جاں ز تن بر آید!

یا تو یہ معرکہ سر کرے گا۔ ورنہ اسی کام میں اپنی جان گنوا دیگا۔ (جوش کے عالم میں) میں چنگیز ہوں میں نے آج تک شکست نہیں کھائی

تمن خاں:۔ سچا ارشاد میرا — کبھی نہیں،

چنگیز خاں:۔ اور میں یہ معرکہ بہت جلد سر کر لینا چاہتا ہوں۔

تمن خاں:۔ کون سا معرکہ درپیش ہے — اپنے اس غلام کو بھی تو بتایئے؟

چنگیز خاں:۔ وہ معرکہ ہے بغداد کا!

تمن خاں:۔ بغداد — ؟

چنگیز خاں:۔ ہاں — کیا یہ نام سنکر سہم گئے۔ ڈر گئے؟ حوصلہ پست ہو گیا تمہارا — ؟

تمن خاں:۔ نہیں میرے آقا میں ہر معرکہ میں ہر خطرہ میں آپ کے قدموں کے ساتھ ساتھ چلونگا کبھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ یہ غلام پیٹھ پھیر لے۔ زندگی اور

موت، خوشی اور غم، کامیابی اور ناکامی ہر وقت ہر ہر موقع پر ہر مرحلہ تمن خاں اپنے آقا کا ساتھ دے گا۔ اسکے ایک اشارہ پر اپنی جان قربان کر دے گا۔ اس کے پسینہ پر اپنا خون بہائے گا۔

چنگیز خاں:۔ بس تو پھر یہ راگ رنگ کی محفل برخاست کر دو!

تمن خاں:۔ میرے آقا۔ آپ کے ہر ارشاد کی تعمیل کی جائے گی۔ لیکن —

چنگیز خاں:۔ لیکن — کہو کیا کہتے ہو؟

تمن خاں:۔ لیکن یہ معرکہ اس طرح سر نہیں ہو سکتا — !

چنگیز خاں:۔ پھر کس طرح ہو گا؟ — کیا تم میرے راستہ کے پتھر بننا چاہتے ہو؟

تمن خاں:۔ ہرگز نہیں! میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ کام اس طرح ہو کہ کامیابی شک و شبہ سے بالا ہو جائے!

چنگیز خاں:۔ وہ کون سا طریقہ ہے؟

تمن خاں:۔ بغداد صرف ایک شہر نہیں وہ ایک پورا ملک ہے۔ بغداد کا خلیفہ صرف بغداد کا بادشاہ نہیں۔ دنیائے اسلام کا تاجدار ہے۔ کون مسلمان ہے جو خلیفہ کے نام پر اپنی جان نہ قربان کر دے؟ کون مسلمان ہے جو خلیفہ کے ایک اشارے پر کٹ مرنے کیلئے تیار نہ ہو جائے؟

چنگیز خاں:۔ ہاں میں جانتا ہوں ...... مجھے معلوم ہے — لیکن پھر؟

تمن خاں:۔ اس کی صورت یہ ہے کہ بغداد کو چھیڑا جائے، دوسری مسلم حکومتوں کا

استعمال کیا جائے جب یہ شکست کھا جائیں گی تو خود بخود بغداد کا سارا زور ختم ہو جائے گا۔ وہ پکے ہوئے پھل کی طرح آپ کی گود میں آ گرے گا! ——

چنگیز خاں:- لیکن اگر ہم مسلم ممالک پر حملہ کریں تو کیا بغداد سدِ راہ نہ ہوگا؟

تمن خاں:- نہیں — میرے آقا!

چنگیز خاں:- یہ تم نے ایسی بات کی ہے۔ جسے ہم باور نہیں کر سکتے!

تمن خاں:- میرے آقا میں غلط نہیں کہتا۔ بغداد کا موجودہ خلیفہ عیش و عشرت میں کھویا ہوا ہے اسے اپنے سوا کسی دوسرے کی فکر نہیں۔ اسکے عیش و عشرت میں اگر خلل نہ پڑے تو اسے اس کی قطعی پرواہ نہیں کہ دوسرے ممالک کا کیا حشر ہو رہا ہے؟

چنگیز خاں:- اور کیا دوسرے ممالک کا بھی یہی حال ہے۔

تمن خاں:- بے شک —!

چنگیز خاں:- تو پھر فرق کیا ہوا؟ —— یہ لوگ جب ایک دوسرے سے بے تعلق ہو گئے۔ ایک دوسرے کے دکھ درد میں بھی شریک نہیں ہوتے۔ ایک دوسرے کے کام نہیں آتے۔ تو ایک ہی بات ہے چاہے ہم بغداد پر حملہ کریں یا کسی دوسرے ملک پر!

تمن خاں:- نہیں میرے آقا ایک ہی بات نہیں ہے — پھر بھی بغداد کا نام بہت اونچا ہے۔ ساری دنیا پر اسکی ہیبت ہے۔ ساری دنیا پر اسکی دھاک بیٹھی ہوئی ہے لہٰذا اسکی ضرورت ہے کہ اسے پہلے چھیڑ

کر ایک زبردست خطرہ ہم مول لیں —؟ یہ کام بڑی آسانی سے بعد میں بھی ہو سکتا ہے!

چنگیز خاں:- تو پھر سب سے پہلے کسی مسلمان بادشاہ کو ہم اپنی تلوار کا ہدف بنائیں؟

تمن خاں:- میں صرف ایک ہی کا نام لے سکتا ہوں — علاؤ الدین خوارزم شاہ!

چنگیز خاں:- علاؤ الدین خوارزم شاہ — میں سمجھا — اس لئے کہ بغداد کے بعد اس کی سلطنت سب سے بڑی ہے؟

تمن خاں:- صرف یہی وجہ نہیں ہے میرے آقا۔

چنگیز خاں:- کیا اس لئے کہ بغداد سے زیادہ گہرا ربط و ضبط ہے اس کا؟

تمن خاں:- صرف یہی وجہ نہیں ہے۔ ایک بات اور بھی ہے!

چنگیز خاں:- وہ کیا —؟

تمن خاں:- خوارزم شاہ کی دھاک جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے۔ بغداد سے بھی زیادہ ہے اگر اسے ہم نے شکست دے دی تو پھر کسی میں ہمت نہ ہوگی کہ ہمارا مقابلہ کر سکے — صرف خوارزم شاہ کو شکست دینے کے معنی یہ ہیں کہ سارے عالم پر ہم نے اپنی دہشت مسلط کر دی!

چنگیز خاں:- خوارزم شاہ کے زور و قوت کا کیا حال ہے؟

تمن خاں:- کوئی شبہ نہیں وہ بہادر ہے۔ اس کے پاس فوج بھی اچھی ہے، سامانِ جنگ کے اعتبار سے وہ فرومایہ نہیں۔ لیکن وہ بوڑھا ہو چکا ہے اس کے حوصلے ختم ہو چکے ہیں!

چنگیز خان: کیا وہ اولادِ نرینہ سے محروم ہے؟

تمن خاں: نہیں میرے آقا، وہ صاحبِ اولاد ہے۔ اسکے کئی بیٹے ہیں، اور یہ سب بیٹے بہادر، دلیر اور جیالے ہیں، اور یہ سب ـــــ لیکن خود غرض ہیں، جاہ طلب ہیں، باپ کی زندگی ہی میں مستقبل کے پروگرام بنا رہے ہیں ان میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ وہی جانشین بنے۔ ان کا یہ نفاق و افتراق ہمارے کام آئے گا ـــــ ہم ان سے لڑ رہے ہوں گے وہ آپس میں لڑ رہے ہوں گے!

اتنی دیر کے بعد چنگیز کے چہرے کی سختی اور کرختگی دور ہوئی، اس کے ماتھے کی شکنیں جو لمحہ بہ لمحہ ابھرتی جا رہی تھیں کم ہو گئیں اب تک اس کی نگاہوں سے شرارے برسا رہے تھے۔ اب ان میں لطف و مسرت کے ڈورے تیر گئے۔ وہ مسکرانے لگا۔ اور اسے مسکراتا دیکھ کر تمن خاں کا دل پھول کی طرح کھل گیا، اس نے بے تابی کے ساتھ اپنا سر چنگیز کے قدموں پر رکھ دیا اور بڑے جذبات انگیز لہجے میں کہا:

• میرے آقا! دل چاہتا ہے ہمیشہ آپ کو اسی طرح شاداں و خنداں دیکھوں!

چنگیز خاں نے کہا

• تمن خاں تم نے ہماری پریشانی دور کر دی:

تمن خاں: غلام حسبِ توفیق نمک حلال ہے۔ پھر آقا کو کبھی پریشان ہونے نہیں دیگا!

چنگیز خاں: تم نے جو مشورہ دیا ہے وہ ہماری نظر میں بہت وقیع ہے:

تمن خاں: غلام کا کام ہی اس کے سوا کیا ہے کہ آقا سوچے اور وہ تدبیر کیا

بیٹے ہے ـــــ لیکن میرے آقا اب کہ آپ کا تکدر اور انقباض بھی رفع ہو چکا ہے۔ غلام کی التجا ہے کہ اس جشن میں مسرت اور خوشی کے ساتھ شرکت فرمائیں:

چنگیز: ہاں اب ہم دل سے اس میں حصہ لے رہے ہیں،

تمن خاں: رقص و موسیقی کا مظاہرہ کرنے کیلئے میں نے کئی نئے طائفے دور دراز کے ممالک سے طلب کئے ہیں کیا ان کے کمالات آپ نہیں ملاحظہ فرمائینگے ...... میرے آقا، ان رقاصاؤں کا ناچ دیکھ کر آپ دنگ رہ جائیں گے۔ ان کے کمالاتِ موسیقی سے آپ بہت محظوظ ہونگے ان کا ناچ، ان کا نخرہ، ان کا عشوہ، ان کی ادا، ان کے انداز دیکھ کر آپ مزید محظوظ ہوں گے ..... کیا اجازت ہے؟

چنگیز: ہاں ...... تم وہ طائفے طلب کرو، میں ان کا ناچ دیکھوں گا ان کا نغمہ سنوں گا۔ انہیں انعام دوں گا، انہیں نوازوں گا، انہیں مالا مال کر دوں گا .... دنیا نے میرے قہر و غضب کا نمونہ دیکھا ہے لطف و عنایت کا نہیں، آج میں دنیا کے سامنے یہ مثال بھی قائم کر دونگا وہ جان لے گی کہ چنگیز صرف جلال و غضب کا پیکر نہیں ہے، نوازش اور کرم کا مجسمہ بھی ہے!

تمن خاں: بیشک میرے آقا بیشک ..... جس طرح آپ کا قہر و غضب اپنا جواب نہیں رکھتا، اسی طرح آپ کے لطف و نوازش کی بھی کوئی انتہا نہیں ہے!

چنگیز خاں:۔ صرف ان ناچنے والیوں اور گانے والیوں ہی کو نہیں، آج میں اپنی فوج
کے دلاوروں اور سورماؤں کو بھی نوازوں گا، انعام دوں گا۔ ان کی تنخواہوں
میں اضافہ کروں گا، ان کے گھوڑوں کو نسلی دوں گا، ان کا حوصلہ بڑھا
دوں گا، ان کی دلجوئی کروں گا۔ نہیں، وہ دوں گا جو وہ مانگیں گے
...... اعلان کر دو، آج ان کی ہر تمنا پوری ہوگی، ان کی ہر آرزو کی
تکمیل کی جائے گی، وہ جو چیز چاہیں گے وہ ملے گی ...... یہ میرے
وہ دلاور اور سورما ہیں جنہوں نے میری خاطر، میرے حکم پر، میرے
لئے دشمنوں کی سنگینوں کی انیوں، نیزوں کے واروں، تلواروں کا مقابلہ
کیا، تیروں کے مقابلہ میں سینہ سپر ہوئے۔

تمن خاں:۔ بے شک میرے آقا بے شک! .....

چنگیز خاں:۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ میں صرف سزا دینا جانتا ہوں، یہ نہیں جانتے کہ
میرے جود و کرم کا بھی کوئی جواب نہیں ہے!

تمن خاں:۔ جانتے ہیں میرے آقا ...... وہ جانتے ہوتے تو یوں مور و ملخ
کی طرح آپ کے گرد جمع ہوتے، آپ کے لئے اپنی جانیں قربان کرنے پر
آمادہ و مستعد رہتے۔

چنگیز خاں:۔ تمہیں وہ بات یاد ہے؟

تمن خاں:۔ کون سی بات میرے آقا!

چنگیز خاں:۔ شاید ایک سال پہلے کی بات ہے، ہمارے ... جا رہے تھے، ہمارے کچھ افراد خوارزم
کے حدود مملکت سے گزر رہے تھے ......

تمن خاں:۔ خوب یاد ہے میرے آقا!

چنگیز خاں:۔ اور تمہیں یہ بھی یاد ہوگا کہ ان میں سے کچھ لوگ ایک میلہ میں لوٹ لئے
گئے تھے۔

تمن خاں:۔ یاد ہے میرے آقا!

چنگیز خاں:۔ پھر خوارزم شاہ نے کوئی تاوان دیا؟

تمن خاں:۔ نہیں ...... ! نہیں دیا!

چنگیز خاں:۔ ان مجرموں کو گرفتار کر کے ہم تک پہنچایا جنہوں نے منگولیا کو لوٹا تھا؟

تمن خاں:۔ بالکل نہیں میرے آقا!

چنگیز خاں:۔ تو کیا اس جرم کو ہم نظر انداز کر دیں گے؟

تمن خاں:۔ (مسکرا کر) ہرگز نہیں میرے آقا ——

چنگیز خاں:۔ ہم خوارزم شاہ کو ہماری طرف سے نامہ لکھو کہ اگر فوراً تاوان ہماری
خدمت میں نہ پہنچا تو اس کی خیریت نہیں!

تمن خاں:۔ بہت خوب میرے آقا!

چنگیز خاں:۔ اور اسے یہ بھی لکھو کہ جن لوگوں نے منگولیا کو لوٹا تھا، انہیں گرفتار کر
کے ہمارے حضور میں بھیج دے!

تمن خاں:۔ لکھ دوں گا میرے آقا!

چنگیز خاں:۔ اسے یہ بھی تحریر کرو کہ وہ ہم سے معافی مانگے!

تمن خاں:۔ ضرور لکھوں گا میرے آقا!

چنگیز خاں:۔ اور یہ بھی کہ اپنے شہزادوں میں سے ایک کو ہمارے پاس بطور یرغمال کے

سکتے!

تمن خاں:۔ (چونک کر) کیا فرمایا؟

چنگیز خاں:۔ (بآواز بلند) اسے یہ بھی لکھو کہ اپنے بیٹوں میں سے کسی ایک کو ہمارے
پاس یرغمال کے طور پر رکھے!

تمن خاں:۔ (سہم کر) یرغمال کے طور پر؟

چنگیز خاں:۔ ہاں ـــــ وہ شہزادہ ہمارے پاس قید رہے گا، تاکہ اگر کبھی
کوئی ناگوار بات رونما ہو، یا خوارزم شاہ ہم سے کبھی سرتابی کرے
تو ہم اس شہزادے سے بدلہ لے سکیں۔ اس کی گردن کاٹ دیں،

تمن خاں:۔ لکھ دوں گا میرے آقا!

چنگیز خاں:۔ (اور زیادہ پرہیبت آواز میں) اور اسے یہ بھی لکھو کہ اگر اس نے ہمارے
ان احکام کی فوراً تعمیل نہ کی تو پھر وہ ہم سے مقابلہ کے لئے تیار رہے
ہم اپنی فوج لے کر باہر نکلیں گے۔ اور اس کی حکومت کا خاتمہ کر کے
رکھ دیں گے۔

تمن خاں:۔ بہت خوب میرے آقا میرے مالک!

چنگیز خاں:۔ اسے یہ بھی لکھو کہ اگر وہ دنیا کے آخری حصہ میں بھی ہوا تو ہم آئیں
گے۔ اور اسے زندہ دفن کر دیں گے لہ

لہ یہ تاریخی الفاظ ہیں۔ چنگیز نے علاؤ الدین کو جو نامہ جنگ لکھا تھا اس میں یہی الفاظ
تھے!

تمن خاں:۔ یہ تو بہت ضروری ہے، اسے ضرور لکھوں گا!

چنگیز خاں:۔ ہاں ــ اسی طرح ہمارے حواس درست ہوں گے!

تمن خاں:۔ میرے آقا اس میں کیا شک ہے!

چنگیز خاں:۔ تمن خاں ـــ!

تمن خاں:۔ میرے آقا میرے مالک!

چنگیز خاں:۔ وہ ہمارے طائفے کہاں ہیں؟

تمن خاں:۔ ابھی حاضر ہوتے ہیں!

چنگیز خاں:۔ ہاں۔۔۔ انہیں بلاؤ، ہم ان کا ناچ دیکھیں گے! ــ اب ہم
خوش ہیں اور ہر خوشی میں بیش از بیش حصہ لیں گے ہمارا دل اس وقت
مسرت سے معمور ہے اب ہم سے کوئی پریشان کن بات نہ کی جائے ــ
بس صرف ناچ، رنگ، مسرت و انبساط ـــــ!

چنگیز کی سفارت

محمود خاں کا خیال صحیح تھا، چنگیز خاں کے راستے کا سب سے بڑا پتھر علاؤالدین خوارزم شاہ تھا جب تک یہ پتھر نہ ہٹایا جائے۔ مغرب تک پہنچنا محال تھا!

چنگیز خاں، محمود خاں کے تدبر اور فراست کا قائل تھا، اگرچہ وہ خود بھی بڑا زیرک، دور اندیش، صاحب فراست اور مدبر تھا۔ لیکن محمود خاں کی بات ہی اور تھی، حکمت عملی کے فن کا وہ ماہر تھا، ہمیشہ دور کی کوڑی لاتا تھا، معاملات و مسائل پر اس کی سوجھ بوجھ سے چنگیز متاثر بھی تھا، اور مرعوب بھی۔ یہی وجہ تھی کہ بغیر اس کی صلاح و مشورہ کے وہ کوئی قدم نہیں اٹھاتا تھا۔ ایک عرصہ سے اس کے دل میں یہ کانٹا کھٹک رہا تھا کہ مغربی وسطی میں اسلامی ریاستیں پھیلی ہوئی تھیں، یہ ریاستیں چنگیز خاں سے دور نہیں رہ سکتی تھیں۔ یہ بات چنگیز کو بھی معلوم تھی، اور ان ریاستوں کو بھی، پھر بھی وہ آگے بڑھتے ہوئے جھجکتا تھا۔ دل میں ہر روز نت نئے پروگرام بناتا تھا، لیکن عمل کرنے کی ہمت نہیں پڑتی تھی، وہ جانتا تھا کہ جب تک خوارزم کی حکومت فنا نہ ہوگی، مقصد میں کامیابی نہیں ہو سکتی، اور اب محمود خاں نے اسے یہ بات سمجھا دی تھی، اگر خوارزم شاہ کا استیصال

ہو جائے تو پھر مغرب تک راستہ صاف ہے۔ یہ بات دیر میں سمجھ میں آئی، لیکن سمجھ میں آ گئی تو پھر خوارزم شاہ کو ختم کرنے کی تدبیروں پر عمل کرنے میں ایک لمحہ بھی تامل نہیں کیا۔

اس نے دور از کار باتوں کی آڑ لے کر اسے پیغام بھیجا، اور اپنی سفارت کو ہدایت کر دی کہ علاؤالدین کو باور کرا دے کہ اگر اس نے چنگیز کے آگے سر تسلیم خم نہ کیا تو نہ وہ باقی رہے گا، نہ اس کی حکومت۔ اس کی سفارت کا سربراہ خود محمود خاں تھا۔ وہ جب علاؤالدین کے دربار میں پہنچا، اور اس نے چنگیز خاں کا ایلچی نامہ اس کی خدمت میں پیش کیا، تو اس نے سمجھ لیا کہ کیا ہونے والا ہے، یہ سمجھ لینے کے باوجود اس کی ہمت اور حوصلے میں فرق نہیں آیا۔ اس نے محمود خاں سے کہا

چنگیز خاں سے کہہ دینا، میں اس کا انتظار کروں گا۔ میں اس سے مقابلہ کروں گا میں اس پر یہ ثابت کر دوں گا کہ جیالے موت سے نہیں ڈرتے، وہ ہر خطرہ کا مقابلہ کرنے کو تیار رہتے ہیں۔

یہ باتیں اس نے کچھ ایسے تیور اور انداز سے کہی تھیں کہ تھوڑی دیر کے لئے محمود خاں بھونچکا رہ گیا۔ اسے یہ امید نہ تھی کہ ایسا جواب ملے گا، لیکن وہ بھی کوئی اور شخص نہیں چنگیز کا ایلچی تھا، اس نے کہا

"میرے آقا نے آپ کو ایک موقع دیا ہے، آپ کو اس سے فائدہ اٹھانا چاہیئے!"

علاؤالدین خوارزم شاہ نے جواب دیا۔

"کیا اگر میں تمہارے آقا کو ایسا ہی موقع دوں تو وہ اس سے فائدہ اٹھائے گا۔"

تمن خاں:۔ نہیں ...... وہ جنگ کرے گا، آخر وقت تک لڑے گا!

علاؤ الدین:۔ تو اس نے مجھے بزدل کیوں سمجھ رکھا ہے ...... کیا میں مقابلہ نہیں کر سکتا ــــ؟

تمن خاں:۔ ہر شخص کو اختیار ہے کہ وہ زندگی کو اختیار کرے یا موت کو ــــ اگر آپ نے موت ہی اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے، تو میں آپ کو روک نہیں سکتا، آپ شوق سے جنگ کی تیاریاں کیجئے، میدان میں تلوار بڑی آسانی سے ہمارے تنازعہ کا فیصلہ کر دے گی!

علاؤ الدین:۔ تمہارے اس مشورہ کا شکریہ ــــ میں جانتا ہوں، تلوار کا فیصلہ آخری اور قطعی ہوتا ہے اور اب میں اسی کو حکم بنانا چاہتا ہوں!

تمن خاں:۔ لیکن ایک اور بات بھی آپ سوچ لیجئے تو اچھا ہوتا!

علاؤ الدین:۔ وہ کون سی بات ہے؟ ــــ بتاؤ!

تمن خاں:۔ وہ باتیں ہیں ــــ یا تو آپ کو میرے آقا کی قوت و طاقت کا اندازہ نہیں ــــ

علاؤ الدین:۔ اس بات کا مجھے خوب اندازہ ہے، مجھے معلوم ہے وہ لاکھوں آدمیوں کا قاتل ہے،

تمن خاں:۔ جی ہاں، اس کی اس خصوصیت کو بہت سے لوگ جانتے ہیں لیکن ایک خصوصیت ایسی ہے، جسے بہت کم لوگ جانتے ہیں۔

علاؤ الدین:۔ یہ کہ وہ کسی اصول اور نظام کا پابند نہیں؟

تمن خاں:۔ جی نہیں، آپ غلط سمجھے!

علاؤ الدین:۔ تم اپنے آقا کو بہرحال مجھ سے زیادہ جانتے اور پہچانتے ہو، تم ہی بتا سکتے ہو اس کی دوسری خصوصیت کیا ہے؟

تمن خاں:۔ میرے آقا کی اور خصوصیت یہ ہے کہ وہ جس پر مہربان ہو جاتا ہے اسے فرش سے عرش پر پہونچا دیتا ہے!

علاؤ الدین:۔ تمہارا مقصد کیا ہے؟ ــــ ہم نہیں سمجھے

تمن خاں:۔ اگر آپ میرے آقا کی خوشنودی مزاج حاصل کر لیں، تو نہ صرف یہ کہ آپ کی حکومت قائم رہے گی، آپ کے وقار اور طنطنہ میں فرق نہیں آئیگا بلکہ آپ کو اور بھی بہت سے فائدے پہونچ سکتے ہیں!

علاؤ الدین:۔ فائدے؟ ــــ چنگیز سے فائدے پہونچ سکتے ہیں؟

تمن خاں:۔ جی ــــ اور اتنے زیادہ کہ آپ ان کا اندازہ نہیں کر سکتے!

علاؤ الدین:۔ تفصیل سے بتاؤ کیا مقصد ہے تمہارا؟

تمن خاں:۔ چنگیز اپنے وفاداروں کی ضرورت سے زیادہ قدر کرتا ہے،

علاؤ الدین:۔ تم سودا کرنا چاہتے ہو؟

تمن خاں:۔ اگر آپ راضی ہوں، تو ہم اس پر بھی تیار ہو سکتے ہیں!

علاؤ الدین:۔ (مسکرا کر) تو بتاؤ، اگر ہم چنگیز کا کہا مان لیں تو کیا ہوگا؟

تمن خاں:۔ سب کچھ ــــ جو آپ چاہتے ہیں!

علاؤ الدین:۔ پھر بھی ــــ کچھ تو کہو!

تمن خاں:۔ آپ دنیائے اسلام کے سب سے بڑے فرد بن سکتے ہیں، آپ کی قوت وطاقت

دوچند ہو سکتی ہے، آپ کا اعزاز اور وقار بہت زیادہ بڑھ سکتا ہے
آپ کا دائرہ حکومت، وسیع سے وسیع تر ہو سکتا ہے! .... آپ
آمادہ تو ہوں!

علاؤالدین: یعنی میری مدد کی جائے گی، اگر میں دوسرے اسلامی حکومتوں کا انسداد یا سقوط
کا اعلان کروں؟

تمن خاں: ورنہ چہ شک؟ — یقیناً ——— بلکہ، اگر آپ چاہیں تو
خلیفۂ وقت بن سکتے ہیں!

علاؤالدین: (مسکرا کر) اتنی بڑی رشوت؟

تمن خاں: کیوں نہیں؟ — کیا آپ اس کے مستحق نہیں؟

علاؤالدین: میں تو اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتا!

تمن خاں: آپ کیا ہیں، اسے آپ نہیں سمجھتے، ہم جانتے ہیں!

علاؤالدین: (ہم) ——— یعنی تم بحرف تم؟

تمن خاں: میں، میرے آقا چنگیز، ہمارے ارباب بست وکشاد سب یہی سمجھتے ہیں!

علاؤالدین: آخر کیوں؟ ——— اس ذرہ نوازش کیوں ہے مجھ پر؟ اتنے حسن ظن
کا میرے ساتھ کیوں اظہار کیا جا رہا ہے ———؟

تمن خاں: اس لئے کہ آپ میں زندہ رہنے، آگے بڑھنے، ترقی کرنے اور نام پیدا
کرنے کی صلاحیت ہے!

علاؤالدین: (سنجیدگی کے ساتھ) تو کیا اس صلاحیت کا استعمال اسی طرح ہو سکتا ہے
کہ میں مسلم حکومتوں سے ان کے علاقے چھین لوں، خلیفۃ المسلمین سے بغاوت

کروں!

تمن خاں: سوچ لیجئے! ابھی موقع ہے:

علاؤالدین: سوچ لیا ——— اچھی طرح سوچ لیا!

تمن خاں: (شتابی کے ساتھ) بس تو میں اپنے آقا چنگیز خاں کو یہ خوشخبری دیتا
ہوں جاکر کہ خوارزم شاہ ہمارا ہے، ہمارے ساتھ ہے!

علاؤالدین: اگر تم یہ کہو گے، تو غلط کہو گے!

تمن خاں: یعنی آپ میری پیش کش مسترد کرتے ہیں ———؟

علاؤالدین: ہاں ——— اور وہ بھی نہایت حقارت کے ساتھ!

تمن خاں: (برہمی کے عالم میں) ——— تو آپ کا یہ جواب ہے؟

علاؤالدین: صرف یہی ——— اور کچھ نہیں ———————
میں اتنا خود غرض نہیں ——— وہ لالچی نہیں ہوں کہ اپنے فائدے کے
لئے دوسروں کا برا چاہوں۔ مسلمانوں کے اتحاد اور تنظیم کے لئے اپنے
خون کا آخری قطرہ بہا سکتا ہوں۔ لیکن اپنے لئے مسلمانوں کا خون
نہیں بہا سکتا۔

تمن خاں: میں نے پہلے ہی عرض کر دیا تھا۔ زندگی اور موت دونوں کے راستے
کھلے ہوئے ہیں، آپ جو راستہ چاہیں اختیار کر لیں!

علاؤالدین: تم مجھے ڈراتے ہو؟ دھمکاتے ہو!

تمن خاں: صرف حقیقت بیان کرتا ہوں، نہ ڈراتا ہوں نہ دھمکاتا ہوں۔

علاؤالدین: تمہیں اور تمہارے آقا کو معلوم ہونا چاہیئے، موت سے وہ ڈرتے ہیں

جو بزدل ہوتے ہیں، بہادر مسکرا کر اس کا خیر مقدم کرتے ہیں!

تمن خاں: پس تو آپ کی بہادری کا فیصلہ میدان جنگ میں ہو جائے گا.........
مجھے افسوس ہے کہ آپ نے وہ راستہ اختیار نہیں کیا جو عزت و آبرو کا
راستہ تھا، وہ راستہ اختیار کر رہے ہیں جو ہلاکت اور بربادی کا ہے،
بہر حال میں نے آپ کا جواب سن لیا، اور انہی الفاظ میں یہ جواب میں اپنے
آقا چنگیز تک پہنچا دوں گا!

علاؤ الدین: تم اب جا سکتے ہو!

تمن خاں: آپ میری توہین کر رہے ہیں!

علاؤ الدین: تم مجھ سے اپنی توہین کا انتقام جنگ کے میدان میں لے لینا۔

تمن خاں: ضرور لوں گا۔ آپ نے میرے آقا کی بھی توہین کی ہے!

علاؤ الدین: میں نے سنا ہے، وہ تلوار بہت اچھی چلاتا ہے —— ؟

تمن خاں: شمشیر زنی میں وہ اپنا جواب نہیں رکھتا۔ نیزہ بازی میں وہ یکتا ہے!

علاؤ الدین: انہی دونوں فنوں میں کچھ تھوڑی سی مہارت اور مشق مجھے بھی ہے۔ میں
اس سے لڑوں گا اور اس کے غرور کا سر توڑ دوں گا...... تم نے ابھی کہا تھا میں نے
تمہاری اور تمہارے آقا کی بہت توہین کی ہے اور یہ کہتے وقت تم یہ بات بھول
گئے کہ تم نے اور تمہارے آقا نے میری بھی بہت بڑی زبردست توہین کی ہے
اور میں بھی ہر جرم معاف کر سکتا ہوں، لیکن اس جرم کو نظر انداز نہیں
کر سکتا ———— جاؤ اپنے آقا سے کہہ دو کہ وہ فوج
لے کر آئے ——۔

تمن خاں: وہ ضرور آئے گا، اور بہت جلد آئے گا!

علاؤ الدین: میں اس کا انتظار کر رہا ہوں ——— اس لئے نہیں کہ
مجھے یہ توقع ہے کہ جیت جاؤں گا ——— میں جانتا ہوں کہ
اس کے سپاہیوں کی تعداد حد شمار سے باہر ہے ....

تمن خاں: بے شک ...... ہمارے پاس اتنی بڑی فوج ہے کہ ہم خود اسے
نہیں گن سکتے۔

علاؤ الدین: میں جانتا ہوں کہ چنگیز کے وسائل اور ذرائع لاتعداد ہیں، اس کے ساز
و سامان جنگ کی کوئی انتہا نہیں۔ وہ لڑتا ہے غالب آتا ہے اور مغلوب
کو تہس نہس کر کے رکھ دیتا ہے۔ وہ رحم کرنا نہیں جانتا۔ انسانیت اور
شرافت کسے کہتے ہیں، وہ صرف یہ جانتا ہے کہ دشمن کو ہلاک کر دیا جائے

تمن خاں: ہاں یہ بھی ٹھیک ہے .... میرا آقا جنگ کے میدان
میں جب قدم رکھتا ہے تو رحم اور انسانیت کی مجال نہیں اس کے
پاس پھٹک سکیں!

علاؤ الدین: ہاں تم سچ کہتے ہو، یہ بات نہ ہوتی تو اس نے شہر نہ اجاڑے ہوتے
کٹی ہوئی گردنوں کے انبار نہ تیار کرائے ہوتے، ہاری ہوئی مخلوق کو
غلام نہ بنایا ہوتا!

تمن خاں: میں اقرار کرتا ہوں کہ آپ کے معلومات بالکل صحیح ہیں ....
لیکن سوال یہ ہے کہ جب یہ سب کچھ آپ جانتے ہیں، مانتے ہیں پھر بھی
آپ کا یہ خیال ہے کہ آپ میرے آقا پر غالب آ جائیں گے، اسے شکست

دے دیں گے اس سے عہدہ برآ ہو سکیں گے ــــ؟

علاؤالدین:۔ نہیں..... مجھے یقین ہے کہ میں ہار جاؤں گا

متن خاں:۔ آپ کو یقین ہے؟

علاؤالدین:۔ ہاں، اسی طرح جس طرح اس وقت دن ہونے کا یقین ہے!

متن خاں:۔ (متحیر ہو کر) پھر بھی آپ لڑنے کا فیصلہ کر چکے ہیں ــــ؟

علاؤالدین:۔ چنگیز کو صرف یہ سبق دینے کیلئے کہ طاقت حق نہیں ہے۔ ــــ حق طاقت ہے!

چنگیز مجھے ہلاک کر سکتا ہے۔ لیکن میری روح کو پامال نہیں کر سکتا، وہ میری سلطنت کو تاراج کر سکتا ہے۔ لیکن میرے عزم و استقامت کی دنیا کو زیر و زبر نہیں کر سکتا۔ وہ میری گردن کاٹ سکتا ہے، لیکن نا ممکن ہے کہ وہ میری صداقت کے گلے پر تلوار چلا سکے۔ وہ میرے جسم پر فتح حاصل کر سکتا ہے لیکن میرے جذبہ کو نہیں کچل سکتا؟

متن خاں:۔ لیکن ان باتوں سے حاصل؟

علاؤالدین:۔ یہ کہ حق اور صداقت کا فیصلہ تلوار نہیں کرتی!

متن خاں:۔ پھر کون کرتا ہے ــــ؟

علاؤالدین:۔ خدا ــــ صرف خدا ــــــــ وہ وقت آئے گا جب چنگیز محسوس کرے گا کہ اپنی طاقت کے بے محابا استعمال کے بعد بھی وہ حق کو نہیں کچل سکا

متن خاں:۔ ممکن ہے وہ وقت آئے ــــ لیکن ابھی اس کے آنے میں دیر

ہے، بہت دیر ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ وقت کم از کم میرے آقا کی زندگی میں تو نہیں آ سکتا اور اس کے بعد اگر آیا تو پھر وہ میرے آقا کو کسی قسم کا گزند نہیں پہنچا سکتا!

علاؤالدین:۔ بہرحال وہ وقت کبھی بھی آئے، لیکن ایک نہ ایک دن آئے گا ضرور!

متن خاں:۔ بس تو آپ اس کا انتظار کیجئے۔ ہم اس کی پرواہ نہیں کرتے۔ آپ اپنا کام کیجئے ہم اپنا کام کریں گے۔ آپ خدا کو یاد کیجئے۔ پکارتے جائیے ہم اس کی دنیا پر اپنا سکہ چلاتے رہیں گے۔ یہ ہمارا اتنا اٹل فیصلہ ہے جس سے خدا بھی منحرف نہیں ہو سکتا، ہم خدا کو صرف اسی وقت تک مانتے ہیں جس وقت تک وہ ہمارا ساتھ دے جب اس کی تقدیر ہماری مرضی کے تابع رہے لیکن اگر ایسا نہ ہو تو پھر خدا سے ہمیں کوئی سروکار نہیں بہتر یہی ہے کہ وہ ہمارے معاملات میں دخل نہ دے!

علاؤالدین:۔ لیکن وہ کسی کا مشورہ نہیں سنتا جس معاملہ میں چاہتا ہے دخل دیتا ہے

متن خاں:۔ ہمارے معاملہ میں اگر وہ دخل دے گا تو ہم اس سے بھی لڑیں گے!

تنہا! —— !

تمن خاں، خوارزم شاہ سے مایوس ہو کر اپنے لشکر میں واپس آ گیا!

چنگیز خان کو جیسے ہی اطلاع ملی کہ تمن خاں واپس آ گیا ہے، اس نے فوراً اسے اپنے خاص خیمے میں طلب کیا، اور بے تابی کے ساتھ کہا۔

۔ تمن خاں تم آ گئے؟

وہ بولا

۔ میں حاضر ہو گیا اپنے آقا کی خدمت میں!۔ چنگیز گویا ہوا!

۔ ہم بڑی بے چینی سے تمہارا انتظار کر رہے تھے —— کہو کیا خبر لائے؟

تمن خاں نے اپنی اور علاؤالدین خوارزم شاہ کی ساری گفتگو دوہرا دی اس نے ساری داستان سنانے کے بعد کہا

۔ میرا خیال ہے کہ سیدھی انگلیوں سے گھی نہیں نکل سکتا، اب جنگ کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے —— لیکن جنگ جس قدر جلد شروع ہو جائے اتنا ہی

بہتر ہے، اگر اسے مہلت دی گئی تو پھر ہمیں ایک مضبوط دشمن سے مقابلہ کرنا پڑے گا اتنے دن وہاں رہ کر میں نے اندازہ کر لیا ہے کہ علاؤالدین کا شہرہ تو بہت ہے لیکن حقیقتاً وہ بھی اندر سے کمزور ہو چکا ہے!

چنگیز نے فیصلہ کن لہجے میں کہا

۔ وہ کمزور ہو یا مضبوط ہم اس سے ضرور لڑیں گے!

تمن خاں نے کہا

۔ میرے آقا ہم تو فیصلہ بہت پہلے کر چکے ہیں —— اگر وہ ہمارا آلۂ کار بن جاتا، تو کچھ دن اور زندہ رہ لیتا اور مرنا تو اسے تھا خواہ ہمارا آلۂ کار بنتا یا نہ بنتا!

تمن خاں کی باتوں کو چنگیز بڑے غور سے سن رہا تھا، پھر اس نے کہا:

۔ یہ مسلمان بھی عجیب لوگ ہیں، یہ مرنے سے ڈرتے ہیں نہ خطرے سے خوف کھاتے ہیں، میں نے بہت سے دشمنوں کو پامال کیا۔ بہت سی قوموں سے لڑا بہت سے مغلوں کو دیکھا لیکن اس مزاج کے لوگ کہیں بھی مجھے نظر نہ آئے۔ نہ جانے کس مٹی سے یہ لوگ بنے ہیں!

بے پروائی کیا تو تمن خاں نے کہا

۔ کسی مٹی سے بھی بنے ہوں، لیکن چنگیز کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکتے!

چنگیز خاں نے ماتھے پر بل ڈال کر کہا

۔ یہ تو میں جانتا ہوں —— تو ہم کب یہاں سے کوچ کریں گے؟

تمن خاں نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا،

حب آقا کا حکم ہو .... ہمیں کسی تیاری کی ضرورت نہیں ہماری تازہ دم فوج ہر وقت کوچ کرنے، دشمن پر ٹوٹ پڑنے اور اس کا گلا کاٹنے کو تیار ہے، صرف ایک اشارہ کی دیر ہے!

چنگیز مسند سے اٹھ کھڑا ہوا۔

بس تو پھر وقت کا تعین بے کار ہے ابھی اور اسی وقت چلو، در کار خیر ہیچ حاجت استخارہ نیست! ہم اب انتظار نہیں کر سکتے، ہم اب ٹھہر نہیں سکتے، ہم ابھی اور اسی وقت چلیں گے ..... کیا تم تیار ہو؟

تمن خاں نے زمین ادب کو بوسہ دیا، دوبارہ عرض گذار ہوا!

میرے آقا یہ کوئی پوچھنے کی بات ہے! ہم ابھی چلیں گے اور دشمن پر اس طرح حملہ آور ہوں گے جس طرح شاہین کبوتر پر جھپٹتا ہے!

چنگیز خیمہ سے باہر نکلا! ——— اور تلوار سونت کر کھڑا ہو گیا یہ اس بات کی علامت تھی کہ چنگیز کسی دشمن سے جنگ کا فیصلہ کر چکا ہے:

چنگیز کو تلوار بدست دیکھ کر سارے لشکر میں ایک عجیب ہماہمی کا عالم پیدا ہو گیا! ——— سوار اور پیادے سب میں ایک نیا جذبہ پیدا ہو گیا! مال غنیمت کی ہوس، غلاموں کا لالچ، لونڈیوں اور باندیوں کی تمنا، نئے مقامات اور مناظر کی سیر کا شوق، جنگ آزمائی کا اشتیاق ان سب کیفیتوں نے لشکر کے ہر فرد میں ایک خاص قسم کی خوشی، سرمستی

پیدا کر دی تھی۔ فوراً گنتی ہوئی اور لام بندی شروع ہو گئی، اور چند گھنٹوں کے اندر چنگیز کا لشکر ایک سیل بلا کی صورت خوارزم شاہ سے مقابلہ کیلئے چل پڑا۔

تمن خاں کے چلے جانے کے بعد علاؤالدین سمجھ گیا کہ اب قیامت کے نمودار ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ چنگیز ایک بپھرے ہوئے شیر کی طرح حملہ آور ہوگا اس نے بھی زور و شور سے جنگی تیاریاں شروع کر دیں، اپنی بکھری ہوئی طاقت کو جمع کرنے کی کوشش کی، اپنے سپاہیوں میں وہی جذبہ پیدا کرنا چاہا جو خود اس کے سینہ میں مچل رہا تھا!

لیکن چنگیز کی ہیبت کچھ اس طرح بیٹھی ہوئی تھی کہ ہر شخص اس کے تخیل سے لرزنے لگا۔

دشمن سے مقابلہ کی جو امنگ ایک لشکر کے سپاہیوں میں ہونی چاہئیے، وہ انہیں بھی نظر نہیں آ رہی تھی، اس دوران میں جہاں ان میں چنگیز کی دہشت کام کر رہی تھی وہاں آپس کی شکر رنجیاں اور باہمی جھگڑے بھی کارفرما تھے، خود علاؤالدین کے بیٹوں میں اتحاد نہ تھا، بیٹے بجائے اس کے کہ یہ سوچتے کہ باپ کے پہلو بہ پہلو دشمن سے جنگ کریں گے، صرف یہ سوچ رہے تھے کہ یہ بوڑھا باپ کب مریگا۔ اور کب تاج و اقتدار و اختیار ان کے ہاتھ میں آئے گا! ..... ان کے پیش نظر قوم اور ملک کا مستقبل نہیں تھا، صرف اپنا مستقبل تھا، صرف اپنی ذات تھی، صرف اپنی حکومت اور اقتدار کی فکر تھی۔ یہ صرف اس بات کا انتظار کر رہے تھے جب علاؤالدین مریگا اور حکومت پر ان کا عمل دخل ہوگا ——— البتہ علاؤالدین کا چہیتا بیٹا جلال الدین مستثنیٰ تھا ——— وہ باپ کی موت کا آرزو مند

نہیں تھا، وہ چنگیز کی قوت و طاقت کو پارہ پارہ کر دینے کا خواب دیکھ رہا تھا!

لیکن جلال الدین اکیلا تھا!

سارے خاندان میں کوئی بھی اس کا ہم نوا اور ہم خیال نہیں تھا!

کھوٹے سکّے

علاء الدین خوارزم شاہ اگرچہ بوڑھا ہو چکا تھا، مگر اس کے حوصلوں پر بڑھاپا طاری ہوا تھا، نہ عقل پر، وہ دور دور تک کی چیزیں بھی دیکھتا تھا۔ اور دور تک بھی؛

—— اس نے محسوس کر لیا تھا کہ چنگیز سے لڑنے کا ارمان اس کے سوا کسی کے دل میں نہیں ہے، اس بات سے اس کے ولولے سرد نہیں پڑے تھے، اس کا عزم اور جوان ہو گیا تھا!

ایک روز اس نے اپنے بیٹوں، عزیزوں، فوج کے سرداروں، شہر کے امیروں اور دوسرے صاحب فکر و نظر اصحاب کی مجلس مشاورت منعقد کی۔ جب سب لوگ آ گئے تو اس نے کہا۔

چنگیز نے میرے پاس سفارت بھیجی تھی کیا آپ حضرات کو اس کا علم ہے؟"

حاضرین میں سے ایک شہزادے نے کہا۔

"ہاں ہمیں معلوم ہے —— لیکن آپ کے اور اس کے درمیان کیا باتیں ہوئیں یہ نہیں معلوم! —— شاید اس نے ہماری قوت و شوکت کا اندازہ

کر لیا ہے، اور وہ ہم سے دوستی کا پیمان باندھنا چاہتا ہے۔"

علاؤالدین نے جھلا کر بڑے تند لہجے میں کہا

"تم بے وقوف ہو ——— چنگیز صبح کو نصیب جنگ کو عزیز رکھتا ہے۔"

اس شہزادے نے پوچھا

"تو کیا اس کی سفارت پیام جنگ لے کر آئی تھی؟" علاؤالدین نے گرج کر کہا

"ہاں ——— اور میں نے اس کا الٹی میٹم منظور کر لیا ہے!"

یہ سنتے ہی سب پر سکتہ چھا گیا ———!

علاؤالدین کو اس ردِّ عمل کا پہلے ہی اندازہ تھا اس نے قاضی حسام الدین

سے پوچھا۔

علاؤالدین:۔ کہیے قاضی صاحب! آپ کیا فرماتے ہیں اس بارے میں؟

قاضی حسام الدین:۔ جنگ دوسرا نام ——— ہے۔ لہٰذا عاقبت بینی کا تقاضہ

یہ ہے کہ اس سے گریز کیا جائے!

علاؤالدین:۔ یعنی میں اس کی غلامی قبول کر لوں! اسے اجازت دے دوں کہ وہ جس مسلم

حکومت کو چاہے ختم کر دے؟ اسے اس کا موقعہ دوں کہ وہ خلافت

بغداد کا خاتمہ کر دے!

قاضی حسام الدین:۔ لاحول ولا قوۃ ——— کیا چنگیز کی یہ قوت ہے؟ وہ

اتنا بڑھ گیا ہے؟ اس کے حوصلے اب اتنے اونچے جانے لگے ہیں! اگر

یہ بات ہے تو وہ ضرور منہ کی کھائے گا۔ اسے شکست ہوگی اور نہ

دین و دنیا میں خوار و رسوا ہوگا ——— دنیا میں اسے ہزیمت اٹھانا

پسپائی ملے گی، عاقبت میں وہ جہنم کا سزاوار ہوگا!

علاؤالدین:۔ وہ تو خدا سے بھی لڑنے کو تیار ہے، عاقبت کی پرواہ نہیں کرتا!

قاضی حسام الدین:۔ بس تو پھر اس کے خاتمے کا وقت آ گیا ہے وہ ضرور مورد قہر الٰہی

ہوگا!

علاؤالدین:۔ اور اگر ہم نے اس سے مقابلہ نہ کیا تو کیا ہم قہر خداوندی کے مستوجب

نہیں ہوں گے؟

قاضی حسام الدین:۔ ضرور ہوں گے ——— جو جہاد سے روگردانی کرے گا وہ

داخل جہنم ہوگا۔

علاؤالدین نے ایک نظر اپنے سپہ دار افواج پر ڈال کر کہا

"آپ نے قاضی صاحب کی رائے سن لی؟"

وہ پہلو بدلتے ہوئے گویا ہوا: "سن لی آقائے نامدار! لیکن ایسے مسائل

کا تصفیہ جذبات سے نہیں کیا جاتا۔ حقائق سے کیا جاتا ہے۔

علاؤالدین:۔ (طنز سے) اور حقائق کیا کہتے ہیں؟

سپہ دار افواج:۔ یہ کہ فوری طور پر ہم مقابلہ کی سکت نہیں رکھتے۔

علاؤالدین:۔ (بگڑ کر) کیوں؟ ——— کس لئے؟

سپہ دار افواج:۔ اس لئے کہ ہم تیار نہیں ہیں!

علاؤالدین:۔ لیکن تیار ہو تو سکتے ہو؟

سپہ دار افواج:۔ ضرور ہو سکتے ہیں۔ لیکن شاید کسی معمولی حریف سے نہیں چنگیز سے

ہے اور ایک دنیا جانتی ہے کہ چنگیز کیا ہے؟

قاضی حسام الدین:۔ کیا ہے؟ ۔۔۔ کیا وہ ایک آدمی نہیں جیسے ہم آپ ہیں۔

سپہ دار فوج:۔ جی قاضی صاحب، وہ آدمی نہیں وہ قیامت ہے، طوفان ہے جس قہر خداوندی کا ابھی آپ ذکر فرما رہے تھے وہ اسی کا نمونہ ہے وہ قہر الٰہی ہے!

علاء الدین:۔ پھر تم کیا چاہتے ہو؟ یہ بھی تو کہو!

سپہ دار افواج:۔ مگر میں تو خودکشی کی رائے نہیں دے سکتا ۔۔۔ ہرگز نہیں

قاضی حسام الدین:۔ چنگیز سے مقابلہ کرنا خودکشی ہے!

سپہ دار افواج:۔ خودکشی ۔۔۔ کھلی ہوئی اور صاف!

علاء الدین:۔ اپنے تحفظ کی کوشش میں جان دینا خودکشی نہیں بہادری ہے انسانیت ہے، اگر میرا کوئی بھی ساتھ نہ دے تو بھی میں اپنے خاندان والوں کو لے کر میدان میں نکلوں گا اور لڑوں گا

پھر اس نے اپنے ولی عہد کی طرف دیکھا، اور پر امید نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا

۔ کیوں میں غلط تو نہیں کہتا؟

ولی عہد کو سانپ سونگھ گیا۔ وہ صرف پہلو بدل کر رہ گئے۔ انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا، صرف باپ پر ایک نظر ڈالی اور سر جھکا لیا!

علاء الدین نے کڑک کر پوچھا

۔ تم بولتے کیوں نہیں؟"

اب خاموشی ناممکن ہے۔ اس نے بڑی مدھم آواز میں کہا۔

۔ سپہ دار فوج کے اظہار رائے کے بعد اب کوئی کیا کہہ سکتا ہے؟

علاء الدین نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا

۔ تم بھی کچھ نہیں کہہ سکتے؟

ولی عہد نے جواب نہیں دیا!

ایک کونے میں جلال الدین بیٹھا ہوا تھا! اب وہ ضبط نہ کر سکا، وہ اٹھا اور اس نے کہا:۔

۔ پدر عالی وقار .... چنگیز ہی سے نہیں میں پہاڑ اور سمندر سے بھی لڑنے کو تیار ہوں، میں دیکھ رہا ہوں حالات کتنے نازک ہو چکے ہیں۔ اگر ہم نے تاتاریوں کا مقابلہ نہ کیا تو ہم مٹ جائیں گے تباہ ہو جائیں گے، برباد ہو جائیں گے، بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں مسلمان ختم ہو جائیں گے، اسلام خطرہ میں پڑ جائے گا۔

چنگیز سے ہم ایسا لڑنا نہیں چاہتے کہ خوارزم شاہی حکومت کے حفظ و دفاع کا سوال ہے، اس لیے لڑنا چاہتے ہیں کہ اسلام کی حرمت اس کی متقاضی ہے!

علاء الدین نے محبت بھری نظروں سے اپنے بیٹے جلال الدین کو دیکھا پھر ولی عہد اور سپہ دار فوج سے مخاطب ہو کر کہا

۔ کیا اب بھی آپ اپنی رائے پر قائم رہیں گے؟

کسی نے جواب نہیں دیا

قاضی حسام الدین کھڑے ہو گئے

۔ میں فتویٰ دیتا ہوں چنگیز سے لڑنا فرض ہے!

علاء الدین:۔ میں آپ کے اس فتوے کا احترام کرتا ہوں، میں آپ کو یقین دلاتا

ہوں کہ میں تاتاریوں کے سیلِ سبک سیر و زمین گیر کا مقابلہ کروں گا میں اپنے بیٹے جلال الدین کی طرف سے بھی آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ بھی ان شاء اللہ زندگی کی آخری سانس اور خون کے آخری قطرہ تک اس فتنہ اور خطرہ کا مقابلہ کرے گا۔ لیکن دوسرے لوگوں کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا!

قاضی حسام الدین نے پرسوز آواز میں فرمایا

اذا عزمت فتوکل علی اللہ — اگر ارادہ کر لیا ہے تو خدا پر بھروسہ کرو وہ تمہارے سپہ دار اور ولی عہد سے کہیں زیادہ قوی ہے!

یہ کہتے کہتے وہ رونے لگے!

باپ اور بیٹا!

چنگیز خاں اپنا لشکر لے کر بہت جلد خوارزم شاہ کے سامنے پہنچ گیا۔ دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑی تھیں۔ علاء الدین خوارزم شاہ اس لئے حملہ میں پہل نہیں کر رہا تھا کہ اسے اپنا انجام معلوم تھا..........

..........اور چنگیز صرف اس لئے گریز کر رہا تھا کہ وہ اصل جنگ سے پہلے اعصابی لڑائی لڑنا چاہتا تھا۔ اس کے نام کی دہشت پہلے سے موجود تھی، اب اس کی فوج ظفر موج بھی ساز و سامان جنگ سے لیس سامنے کھڑی تھی۔ جنگ نہیں شروع ہوئی تھی ہر وقت شروع ہو سکتی تھی۔ لیکن جتنی جتنی تاخیر ہو رہی تھی اتنی ہی اس کی دھاک بیٹھ رہی تھی۔ علاء الدین کی فوج لڑنے کیلئے تیار تھی لیکن اسکے امراء جی چرا رہے تھے۔ اس کے خواص کترا رہے تھے۔ اس کے خاندان کے افراد اعراض کر رہے تھے۔ اس کی فوج کے سردار جنگی پروگرام سے زیادہ سیر و تفریح اور رقص و نغمہ کے پروگرام سے دلچسپی لے رہے تھے۔ چنگیز خاں کا نظام جاسوسی بھی بہت مکمل تھا اسے رتی رتی کی خبریں مل رہی تھیں۔ اسے علاء الدین کے لشکر کی ایک ایک بات معلوم تھی

اسے یہ بھی معلوم تھا کہ علاءالدین کے کیا خیالات ہیں، اس کے بیٹے کس فکر میں ہیں، اس
کے سرداران فوج کس سوچ میں ہیں، اس کے خواص، جاگیردار، روسا و رعایا و ہر طبقہ کا
اندازہ لگا لیا ہے۔ چنگیز کو یہ بھی معلوم تھا کہ علاءالدین کے پاس سازوسامان جنگ
کتنا ہے، اس کے سپاہیوں میں فنون جنگ کے ماہر کتنے ہیں، اور اس کے پاس
سازوسامان جنگ کتنا ہے۔ وہ ہر روز اپنے خیمہ میں جب تمن خاں سے نقشۂ جنگ پر
گفتگو کرتا تھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا علاءالدین کا شکست پانا تو کل کا کھیل ہے۔۔۔ وہ جب چاہے
اس مرحلہ کو سر کر سکتا ہے جب یہ بات اتنی آسانی سے ممکن ہے تو پھر اس میں
جلدی کیوں کی جائے ــــــ شیر جب شکار کو خصوصاً گھیر چکا ہوتا ہے، تو
وہ یک بیک حملہ بہت کم کرتا ہے، پہلے وہ اپنی دھاڑ سے جنگل پر ہیبت طاری
کرتا ہے پھر جب شکار کا آمنا سامنا ہوتا ہے تو بھی وہ فوراً اسے چاب بیٹھتا
نہیں کرتا پہلے وہ اسے گھورتا ہے، پھر غراتا ہے۔ پھر وقار کے ساتھ آہستہ آہستہ
آگے بڑھتا ہے، شکار کا خون پہلے ہی خشک ہو چکا ہوتا ہے، پھر اس میں تاب
مقاومت باقی رہ جاتی ہے۔ نہ حفاظت خود اختیاری کا جذبہ، شیر کے ایک طمانچہ
میں وہ گردن ڈال دیتا ہے، اور ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے!

چنگیز بھی یہی کھیل کھیل رہا تھا!

دونوں فوجیں بدستور آمنے سامنے پڑی تھیں، حملہ کا آغاز کسی طرف
سے نہیں ہوا تھا!

ایک روز علاءالدین اسی فکر میں حیران اور پریشان بیٹھا تھا کہ جلال الدین
آیا، اور مؤدب ہو کر کھڑا ہو گیا، علاءالدین نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور پوچھا۔

"کیوں؟ ــــ کوئی نئی خبر؟"

جلال الدین نے ایک اضطراب کے عالم میں جواب دیا۔

"پدر عالی گہر ــــ میں خود بھیس بدل کر چنگیز کے لشکر میں گیا تھا وہاں
میں نے دیکھا کہ ہر سپاہی مرنے اور مارنے پر تیار ہے، ہتھیاروں کو جلا دی جا رہی
تھی، تلواروں پر صیقل کی جا رہی ہے۔ خنجروں کی دھار آزمائی جا رہی ہے
نیزوں کی زبانیں صاف کی جا رہی ہیں، فوج کے سرداروں میں اس مہم کو
سر کرنے کا ایک سرفروشانہ جذبہ نظر آ رہا ہے، ہر سردار اپنے ماتحتوں کو جذبات
انگیز الفاظ میں اکسا رہا تھا، عہد و پیمان لے رہا ہے کہ اپنے بادشاہ کی عزت
کے لئے کٹ مریں، جان دے دیں۔ تمن خاں ایک ایک سردار سے الگ الگ ملاقات
کر رہا ہے اور اسے بتا رہا ہے کہ اس وقت اس کا کیا فرض ہے، اور اس فرض کو کس طرح
انجام دینا ہے، خود چنگیز کا یہ حال ہے کہ اسے کسی پہلو قرار نہیں، کبھی وہ اپنے خیمہ
میں تمن خاں سے مصروف گفتگو ہے، کبھی دوسرے سرداران فوج سے صلاح و مشورہ
کر رہا ہے، کبھی لشکر کا چکر کاٹ رہا ہے اور ایک ایک سپاہی کو شرف تخاطب
سے سرفراز کر رہا ہے۔ دل بڑھا رہا ہے، انعام دے رہا ہے، ترقی کے وعدے
کر رہا ہے۔ کبھی اسلحہ خانے میں پہنچ جاتا ہے، اسلحہ کو دیکھتا ہے، جانچتا ہے
پرکھتا ہے، جن میں خامی نظر آتی ہے، انہیں الگ کر دیتا ہے، جو اصلاح طلب
ہوتے ہیں انہیں اسلحہ سازوں کے حوالہ کر دیتا ہے۔ نئے نئے ہتھیار ڈھلواتا ہے
بنواتا ہے ان کے استعمال کے طریقے بتاتا ہے، اس کو بس ایک ہی بات کی
دھن ہے صرف ایک بات کا سودا ہے ــــ فتح!

اور چونکہ واقعہ میں اپنے لشکر کا حال بھی دیکھ رہا ہوں، اپنے سپاہیوں کی کیفیت بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ اپنے سرداران فوج کے عزم، حوصلہ اور ولولہ کا بھی رمز شناس ہوں، اپنے بھائیوں، عزیزوں اور رشتہ داروں کی ذہنیت بھی دیکھ رہا ہوں۔ اپنا اسلحہ خانہ بھی دیکھ چکا ہوں۔ آج بھی میں نے دیکھا ہے، اور ابھی دیکھ کر آ رہا ہوں، اسے چنگیز کے اسلحہ خانے سے کوئی نسبت نہیں، ہمارے ساتھیوں اور سپاہیوں کو چنگیز کے ساتھیوں اور سپاہیوں سے کوئی مناسبت نہیں، ہمارے سرداران فوج اور چنگیز کے سرداران فوج میں کوئی مقابلہ نہیں۔ ہمارے امرا اور چنگیز کے امرا میں کوئی اشتراک کا نقطہ نہیں ——— میں پوچھنا چاہتا ہوں کیا اس طرح ہم جیت سکیں گے، دشمن پر غالب آ سکیں گے؟

علاءالدین کچھ دیر تک سوچتا رہا اور پھر اس نے کہا

جو سوال تمہارے دماغ میں گردش کر رہا ہے اس نے مجھے بھی پریشان کر رکھا ہے۔ دن کو چین ملتا ہے نہ رات کو نیند آتی ہے سمجھ میں نہیں آتا، ان حالات کا انجام کیا ہوگا؟ ——— بار بار اپنے دل سے سوال کرتا ہوں کیا ہم وہی مسلمان ہیں جنہوں نے عرب کے ریگ زار سے نکل کر ایک مختصر سی مدت میں ساری دنیا کا تختہ الٹ کر رکھ دیا تھا؟ کیا ہمارے اندر آج بھی وہی آن اور شان باقی ہے جو ہمارے اسلاف کے اندر موجود تھی؟ ——— نہیں! اسلام وہی ہے، لیکن مسلمان وہ نہیں رہے!

جلال الدین: بجا ارشاد ہوا ——— جب تک اپنی حالت نہ بدلیں، اس وقت تک دشمن پر غالب نہیں آ سکتے!

علاءالدین: لیکن یہ موقع تطہیر اخلاق کا نہیں، اصلاح احوال اور تعمیر افکار کا نہیں ہے دشمن ہمارے سر پہ کھڑا ہے، ہر آن اور ہر لمحہ جنگ کا بگل بج سکتا ہے، یہ کیونکر ممکن ہے کہ دشمن کی تلواریں ہمارے سر پر چمک رہی ہوں اور ہم گوشۂ اعتکاف میں بیٹھے اصلاح و اخلاق کے کام میں مصروف ہوں!

جلال الدین: میں مانتا ہوں آپ نے جو کچھ فرمایا بالکل صحیح ہے، لیکن چند لمحے میں تو یہ جانتا ہوں کہ ہم یہ بازی ہار چکے ہیں .... ہمارا مقابلہ اگر کسی معمولی حریف سے ہوتا تو بہت ممکن تھا کہ ہم اپنے کام کی ساکھ قائم رکھ سکتے۔ لیکن مقابلہ ہے چنگیز سے، جو اپنے وقت کا سب سے بڑا فاتح اور کشور کشا ہے، جس کا ایک ایک سپاہی سرفروشی اور بہادری میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ جس نے آج تک شکست نہیں کھائی، ہر محاذ میں کامیاب ہوا، ہر معرکہ میں غالب آیا، ہر مہم میں ظفر مند رہا!

علاءالدین: اب ——— پھر تمہاری کیا رائے ہے؟ کیا کیا جائے؟ کیا ہم چنگیز سے کہیں کہ ہمیں اپنی اصلاح کا موقع دیا جائے اور فی الحال وہ واپس چلا جائے؟

جلال الدین: نہیں میرا مطلب یہ نہیں تھا!

علاءالدین: تو پھر کیا کہنا چاہتے ہو؟ اس طرح سے کہ ہم آسانی سے تمہارا مطلب سمجھ لیں۔

جلال الدین: میرا مقصد صرف یہ ہے کہ اگر واقعی ہم دشمن سے مقابلہ کرنا چاہتے

جب تو ہمیں بے دردی کے ساتھ انہیں سزا دینا چاہیے، جو ہمارے راستے میں پتھر بنے ہوئے ہیں ——— ہم ابھی اصلاح نہیں کر سکتے اس لئے کہ اب اتنا وقت اور موقع نہیں لیکن کیا ہم اپنے حلقہ کو غداروں، کمزوروں اور بزدلوں سے پاک بھی نہیں کر سکتے؟

علاؤالدین:۔ تمہارا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ کمزوری اور کسلمندی کا اظہار کر رہے ہیں ———

جلال الدین:۔ جی ابا جان میرا مطلب یہی ہے۔ ایسے تمام لوگوں کو قتل کے گھاٹ اتار دیا جائے، ہمیں ایسے لشکر نہیں چاہئیں جو بہت سے افراد پر مشتمل ہو، لیکن جس کے دل میں کوئی جذبہ نہ ہو کوئی حوصلہ اور ولولہ نہ ہو۔ ہم ایسے مٹھی بھر سپاہیوں پر اعتماد کر سکتے ہیں، جو تعداد کے اعتبار سے خواہ کتنے ہی کم ہوں، لیکن جن کے سینے میں مر مٹنے کی تڑپ ہو، جو اپنے مذہب، اپنی قوم اپنے ملک اور اپنی ملت کے لئے کسی بڑی سے بڑی قربانی سے دریغ نہ کرتے ہوں ایسے چند آدمی بڑے سے بڑے لشکر کے چھکے چھڑا سکتے ہیں ——— ہمیں ایسے آدمی چاہئیں!

علاؤالدین:۔ میرے بیٹے، مجھے تمہاری رائے سے اتفاق ہے لیکن تم نے ایک بات پر غور نہیں کیا!

جلال الدین:۔ وہ کون سی بات ابا جان؟

علاؤالدین:۔ وہ بات یہ ہے کہ اگر اس وقت ہم نے کوئی تادیبی یا تعزیری قدم اٹھایا تو ہم خانہ جنگی میں مبتلا ہو جائیں گے، اور یہی وہ چیز ہے جس کا

چنگیز بے چینی کے ساتھ انتظار کر رہا ہے۔ کیا ہم ایسا اقدام کریں ——— ؟ جس سے ہمیں تو نقصان پہنچ جائے اور دشمن پورا پورا فائدہ اٹھا لے؟

جلال الدین:۔ اچھا صرف ایک کام ——— ان لوگوں کی ایک فہرست تیار کی جائے جو اپنے عمل کے اعتبار سے ہمارے دشمن ہیں۔ انہیں سزا دی جائے بغیر احساس کے ———

علاؤالدین:۔ سنو سنو ——— دشمن نے جنگ کا بگل بجا دیا ہے وہ آگے بڑھ رہا ہے ——— آؤ، دیکھو وہ چنگیز اپنی فوجوں کو بڑھاوا دیتا ہوا اسی طرف آ رہا ہے!

بخارا اور سمرقند

چنگیز ہر اصول، ہر ضابطہ اور ہر قاعدہ سے بے نیاز تھا ———— وہ چنگیز تھا، اس کا وجود صرف اس لئے تھا کہ ضابطوں کو توڑے، اصولوں کو پامال کرے، قاعدوں کو کچل دے، وہ جو کچھ کرتا تھا، وہی ضابطہ اور اصول بن جاتا تھا، اسے اپنی تدبیر اور شمشیر زنی پر ناز تھا، ساری دنیا کا صرف یہ فرض تھا کہ اس کی اطاعت کرے، اس کا حکم مانے، اس کی خدائی تسلیم کر لے۔ اور اس دنیا میں اگر کوئی شخص ایسا نظر آتا تھا جو اس کی خدائی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتا تھا، اس کے وہ پیچھے پڑ جاتا تھا جب تک اسے تباہ نہ کر لیتا تھا، آرام سے نہیں بیٹھتا تھا علاؤالدین خوارزم شاہ نے اس کی توہین کی تھی، اس کی خدائی کو ماننے سے انکار کر دیا تھا، اسے اپنی انفرادیت پر، اور اس انفرادیت کے قیام پر اصرار تھا، یہ بات چنگیز کے لئے ناقابل برداشت تھی، وہ جس طرح جھکے ہوئے سروں کو مولی گاجر کی طرح اپنی تلوار سے کاٹ دینے کا عادی تھا، اسی طرح وہ اکڑے ہوئے سروں کو بھی تراش دینا اپنا منصب اور عین فریضہ سمجھتا تھا، قتلق خان کے مشورہ سے

اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ علاؤالدین کو نیست و نابود کر کے رہے گا، اور یہ علاؤالدین بھی کچھ عجیب قسم کا آدمی تھا، اپنی کمزوریوں سے پورے طور پر واقف تھا، اپنی حیثیت اور بساط سمجھتا تھا، لیکن کبھی ایک لمحہ کیلئے اس نے یہ نہ سوچا کہ اطاعت قبول کر کے ہتھیار ڈال دے، اور اس طرح قوم کی نہیں تو صرف اپنی اور اپنے اہل و عیال کی جان بچا لے، وہ مرنے پر تلا ہوا تھا! .... وہ ایسی زندگی کا قائل ہی نہیں تھا جو غلامی کی اور بے بسی کی زندگی ہو، کمزور اور شکست زدہ زندگی، یہ کشمکش دلچسپ بھی تھی اور سبق آموز بھی!

علاؤالدین کے حدود مملکت بہت وسیع تھے، اس کی قلمرو ہر اعتبار سے دشمن کے لئے وجہ جذب و کشش تھی (یہاں کی سرسبزی) شادابی اور زرخیزی ہر چیز دشمن کو اپنی طرف مائل کرتی تھی، اور بخارا اور سمرقند کی تو بات ہی دوسری تھی، وہی بخارا اور وہی سمرقند جس کیلئے حافظ شیرازی نے کبھی ترنگ میں آ کر کہا تھا،

بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را!

یہ دونوں شہر اپنی کامرانی اور رعنائی کے اعتبار سے اپنی مثال آپ تھے یہاں علم برستا تھا، یہاں علم تقسیم ہوتا تھا یہاں تہذیب اور ثقافت کی کلیاں کھلتی تھی، یہاں کی مسجدیں، یہاں کے مدرسے، یہاں کی خانقاہیں اپنی نظیر نہیں رکھتی تھیں ان مسجدوں کی وسعت اور رعنائی، خوبی تعمیر اور نقش و نگار، آنکھوں میں اتر جاتے تھے، دل میں کھب جاتے تھے، ان مدرسوں میں قال اللہ و قال الرسول کے ترانے بلند ہوتے تھے، یہاں قرآن و حدیث، فقہ اصول، تفسیر و کلام، فلسفہ، منطق، معانی و بیان، بدایع اور فصاحت و بلاغت کے چشمے ابلتے تھے، اطراف و اکناف عالم سے طالبان علم آتے

تھے اور سیراب کر جاتے تھے۔ ان خانقاہوں میں ہر وقت ذکر و فکر کی محفل گرم رہتی تھی۔ معرفت کے اسرار و رموز پر بحث ہوتے تھے۔ تزکیہ نفس اور تعلیم سیرت کے پروگرام جاری رہتے تھے۔ یہاں گنہگار آتے تھے، باصفا بن جاتے تھے۔ یہاں سیہ کار قدم رکھتے تھے اور باخدا بن جاتے تھے۔ یہاں عصیاں شعار ہو چکے تھے اور خدا کے برگزیدہ بندے بن جاتے تھے۔ کچھ عجیب فضا تھی یہاں کی۔ کچھ عجیب ماحول تھا یہاں کا!

رعایا شاد، حکمران مصروف رہ[illegible]۔ امیر کو غریب سے کوئی خطرہ نہیں، غریب کو امیر سے کوئی وحشت نہیں، مزدور مالک سے ترساں نہیں، غلام آقا سے گریزاں نہیں، مفلوک اور زردار سب ہی رہتے تھے اور آرام کی زندگی بسر کرتے تھے۔

لیکن شاید اب ان کی [illegible] وہ دور ختم ہو رہا تھا۔ خونخوار [illegible] تھا، اور وہ بخارا اس کی غارت گری کا میدان بن رہا تھا۔ چنگیز کی فوجیں بخارا کا محاصرہ کر چکی تھیں!

حد نظر تک چنگیز کی فوجیں پھیلی ہوئی تھیں۔ ٹڈی دل ایک ایسا لفظ ہے جو مبالغہ کا رجحان ہے جس سے ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے کہ فوج [illegible] تھی جیسے ٹڈی دل کا لشکر لیکن یہ مبالغہ چنگیز کی فوج کے لئے ایک حقیقت تھی۔ چنگیز کی فوجیں حد شمار سے خارج تھیں اور پھیلی ہوئی تھیں کہ بخارا کو محصور کر کے رہیں۔

جنگ شروع ہو گئی!

اور بہت جلد جنگ کا بھی فیصلہ ہو گیا، [illegible] کچھ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

علاؤ الدین خوارزم شاہ کو شکست ہو گئی!

چنگیز کی فوجیں وحشت اور بربریت کی پوری شان کے ساتھ بخارا میں داخل ہو گئیں!

علاؤ الدین کچھ جنگجو لوگوں کو لے کر بخارا سے نکل گیا!

اب بخارا چنگیز کے رحم و کرم پر تھا!

لیکن رحم و کرم اور چنگیز؟ ——— دو بالکل ہی متضاد چیزیں تھیں!

بخارا سہما ہوا تھا!

بخارا کے در و دیوار پر ایک عجیب قسم کی سوگواری اور اداسی برس رہی تھی، وہاں کے لوگ وحشت کے سبب بالکل خاموش تھے، یہ معلوم ہوتا تھا، جیسے زندہ نہیں مر چکے ہیں!

چنگیز اپنی فوج ظفر موج کے سامنے ایک ولولہ انگیز اور زبردست تقریر کی، اس نے کہا

شاباش بہادرو!

وہ کارنامہ تم نے کر دکھایا جس کی تم سے توقع تھی، تم نے میری تمنا پوری کر دی۔ تم نے بخارا فتح کر لیا، اور اسی طرح فتح کیا جس طرح میں چاہتا تھا۔ یہ فتح تمہارے دست و بازو کا معجزہ ہے ایسا معجزہ جسے کوئی جھٹلا نہیں سکتا!

لیکن میرے بہادرو!

تمہارا کام ابھی ختم نہیں ہوا، یہ تو صرف ایک بڑے کام کی ابتدا تھی۔ ابھی تمہیں بہت کچھ کرنا ہے۔ ابھی بہت سے کارنامے تمہیں انجام دینے ہیں۔ ابھی تمہیں ایسے کام کرنے ہیں جنہیں ہمارا ہی نہیں ساری دنیا یاد رکھے گی!

یہ شہر بہت دنوں میں بنا تھا، برسہا برس کے بعد اس نے یہ آب و رنگ، یہ شان، یہ رعنائی، یہ زیبائی، یہ جمال حاصل کیا تھا۔ تم اس کا آب و رنگ مٹا دو، اس کی شان ختم کر دو، اس کی رعنائی چھین لو، اس کی زیبائی کو افسانۂ پارینہ بنا دو، اس کا جمال ٹکڑے ٹکڑے کر دو!

یہ بلند و بالا عمارتیں!

نہیں میں، انہیں دیکھنا بھی نہیں چاہتا، انہیں مسمار کر دو، ایک ایک عمارت کو مٹی کا ڈھیر بنا دو!

یہ مدرسے! یہ مکتب!

میں مدرسوں اور مکتبوں کے نام سے بھی بیزار ہوں، ان سب کو توڑ پھوڑ ڈالو۔ مسجدوں میں آگ لگا دو، خانقاہوں کو زمین کے برابر کر دو، کوئی چیز بھی باقی نہ رہنے پائے، کوئی چیز بھی صحیح و سالم نظر نہ آئے۔ سب پر تمہارا تیشہ چلے ـــ سب کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دو!

نہیں، نہیں!

ابھی جلدی نہ کرو، میری باتیں سن لو، ابھی میں کچھ اور کہنا چاہتا

ہوں!

ہاں میرے بہادرو!

ہاں میرے ساتھیو!

ہماری اگلی آبادی کے تین حصے کرو، تندرست اور توانا نوجوانوں کو غلام بنا دو، اب تک یہ آزاد تھے، خود مختار تھے، بااختیار تھے، اب یہ غلامی کی چکی میں پیسیں گے۔ جوان اور خوبصورت عورتوں کو کنیز بنا لو، یہ عورتیں اب ظلم اور ستم سہیں گی، سر اٹھا نہیں سکیں گی۔

انہیں اب تب رہنے گھروں میں رہ کر باندیوں اور لونڈیوں کی طرح زندگی بسر کرنی پڑے گی، ان پر مار پڑے گی، انہیں ریشمی کپڑے پہننے کی اجازت نہیں ہوگی ـــ اور ان لوگوں کے بعد جو لوگ بچیں مرد، عورتیں، بچے ـــ سب کو یک قلم تہ تیغ بے دریغ کر دو، ان میں سے کوئی بھی بچنے نہ پائے!

سنو! سنو!

آگے بڑھنے سے پہلے میری ہر ہر بات کان کھول کر سن لو،

عمارتوں کو ڈھا کر، مردوں کو غلام بنانے اور عورتوں کو کنیز بنانے اور باقی ماندہ آبادی کو قتل کرنے کے بعد تم کیا کرو گے؟

کرنا کیا ہے اس شہر میں آگ لگا دو ......

سرسبز و شاداب شہر جب آگ کے شعلوں میں جلے گا، اور جل کر خاکستر ہو جائے گا تو اس راکھ کو ہمارے گھوڑوں کی ٹاپیں روندتی ہوئی

آگے بڑھیں گے!

شاباش!

شاباش بہادرو شاباش!

چنگیز کے سپاہی اپنے آقا اور آمر سے بڑھ کر خونخوار اور سفاک تھے۔ لڑائی کے ختم ہوتے ہی شکست و ریخت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ آہ و فریاد کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ عمارتیں گرائی جانے لگیں، مردوں اور عورتوں کو غلام اور لونڈی بنائے جانے لگا، باقی ماندہ آبادی کو پوری کی پوری بے دردی کے ساتھ قتل کر دیا گیا۔

آخر چنگیز کا حکم پورا ہوا!

بخارا، جو کبھی مشرق کا بہترین اور خوبصورت شہر تھا آج خاک کا ڈھیر بن گیا۔ اب وہاں نہ وہ ان کی صدائیں اٹھتی تھیں، نہ آبادی نظر آتی تھی!

چنگیز کا لشکر بخارا کے مدرسوں، خانقاہوں، محلوں اور علاقوں کو برباد کرنے کے بعد آگے بڑھا!

۱؎ بخارا کی شکست و ریخت اور آبادی کا یہ قتل عام افسانوی مبالغہ نہیں، تاریخی حقیقت ہے۔ ایک عینی شاہد کا قول تاریخ کے صفحات تاتاریوں کے باب میں بے شک محفوظ ہے:

"آمدند و کندند و سوختند و کشتند و بردند و رفتند ......!"

اب سمرقند کی باری تھی!

چنگیز خاں کا خیال تھا علاء الدین سمرقند میں ہوگا، اور نہ بھی ہو تو سمرقند بجائے خود "حلوائے خوب است" کے مصداق اس کی جوع الارض کو پورا کرے گا۔ سمرقند کے بارے میں ترن خاں نے اسے بتا رکھا تھا کہ یہ شہر بھی اپنی خوبیوں اور شاندار عمارتوں کے باعث مشرق کی جان ہے، اگر اسے برباد کیا تو کچھ نہ کیا، اگر اس کی اینٹ سے اینٹ نہ بجائی تو کوئی کارنامہ سر انجام نہیں دیا۔ بات چنگیز کی سمجھ میں آ گئی تھی چنانچہ اس نے سیدھا سمرقند کا رخ کیا!

سمرقند کے لوگوں کو بخارا کی تباہی اور بربادی کی خبر ابھی نہیں ملی تھی۔ انہوں نے جب چنگیز کے لشکر کو اپنے شہر کے گرد محصور پایا تو حیران ہوئے اور دل میں خوش بھی ہوئے کہ یہ بے وقوف بخارا کو چھوڑ کر یہاں آ گیا۔

"لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا۔"

یہ کام ہو گئے ہیں اب، علاء الدین خوارزم شاہ کی فوجیں بخارا سے بڑھ کر اس کا محاصرہ کر لیں گی۔ پھر دائیں بائیں، آگے پیچھے سے کہیں بھی راہ نہ ملے گی۔ بری طرح مارا جائے گا۔ مرغان ہوا اور ماہیان دریا کو اس کے حال زار پر ترس آئے گا۔ یہ لشکر برباد ہو جائے گا۔ اور خود چنگیز اگر قتل نہ ہوا تو گرفتاری اور قید کی ذلت سے دوچار ہوگا۔ سمرقند کے لوگ اگرچہ چنگیز کی شخصیت، اس کی سفاکی اور بربریت، اس کے ظلم اور شقاوت سے واقف تھے۔ لیکن وہ یہ بھی جانتے تھے کہ چنگیز آخر ایک آدمی ہے لیکن اتنا بڑا تو نہیں کہ ہمیں شکست دے دے، ہمیں ہرا دے۔

ہم ہم ہیں، اور وہ وہ۔

چند روز کے محاصرہ کے بعد ایک روز وحشی چنگیز کا مور و ملخ جیسا لشکر سمرقند پر ٹوٹ پڑا۔

سمرقند کے لوگوں کی خوش فہمیاں تمام ہو چکی تھیں!

بخارا سے علاءالدین کا لشکر سمرقند کی مدد کو نہیں آیا۔

اہل سمرقند نے مدافعت اور مزاحمت کی کوشش کی۔ لیکن اس کوشش میں وہ کامیاب نہ ہو سکے .... اور دیکھتے ہی دیکھتے سمرقند بھی ڈھ گیا۔ اس کا بھی وہی حشر ہوا جو بخارا کا ہوا تھا! ـــ یہاں کی بھی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی۔ لوگ بے تحاشا قتل کئے گئے، جو قتل نہیں کئے گئے، انہیں غلام بنا لیا گیا، عصمت شعار اور باتمکین خواتین باندیاں بنائی گئیں۔

چنگیز کی ایک آرزو تو پوری ہو گئی کہ اس نے سمرقند کو اس طرح زیر و زبر کر کے دکھا دیا، جس طرح کوئی ہولناک اور قیامت خیز زلزلہ کسی شہر کو آناً فاناً الٹ پلٹ کر رکھ دیتا ہے اور کھنڈر بنا دیتا ہے۔ لیکن اس کی دوسری تمنا پوری نہ ہو سکی۔

علاءالدین! ـــ علاءالدین اس کے ہاتھ نہ آیا۔

اس ناکامی نے اس کی خوشی چھین لی، اس نے برہم ہو کر تمن خان سے کہا۔

"علاءالدین کہاں ہے؟"

تمن خان نے زمین ادب کو بوسہ دے کر لرزتے ہوئے کہا

"میرے آقا وہ یہاں آیا ہی نہیں!"

چنگیز کی برہمی اب تک قائم تھی۔

"یہ تو مجھے بھی معلوم ہو چکا، لیکن سوال یہ ہے کہ وہ کہاں ہے؟"

کیا اسے زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا؟ ـــ جب تک میں اسے ختم نہ کر دوں مجھے قرار نہ آئے گا!

تمن خان نے عرض کیا

"میرے آقا جاسوسوں نے اطلاع دی ہے کہ وہ مازندران میں ہے! ـــ اب ہمیں اسی طرف کوچ کرنا پڑے گا۔"

چنگیز نے حکم دیا

"لشکر کو حکم دو کہ آگے بڑھے!"

بڑی مشکل اور جدوجہد و محنت شاقہ کے بعد یہ لشکر بخارا سے سمرقند پہنچا تھا، ابھی اسے آرام نہ ملا، یہاں آتے ہی اس نے محاصرہ کیا اور محاصرہ کرنے کے بعد جنگ لڑی اور جنگ میں کامیاب ہونے کے بعد شہر کی ساری عمارتوں کو ڈھا دیا، مردوں اور عورتوں کو غلام بنایا اور ہزاروں ہزار آدمیوں کی گردن ماری۔ اس سارے کام میں ویسے بھی وقت بھی صرف ہوا اور تھکان بھی ہوئی۔ لشکر کے لوگ چاہتے تھے کہ ذرا سستا کر آگے بڑھیں گے، تمن خان کی بھی یہی رائے تھی، لیکن چنگیز کا حکم کون ٹال سکتا تھا!

تمن خان نے ڈرتے ڈرتے کہا

"میں ابھی کوچ کا حکم دیتا ہوں، امید ہے صبح دم ہماری فوجیں یہاں سے روانہ ہو جائیں گی۔"

چنگیز نے تیوری چڑھا کر پوچھا

"صبح دم کیوں؟ ـــ ابھی کیوں نہیں؟"

تمن خان نے عرض کیا۔

۔ آقائے نامدار کا حکم ہو تو سارا لشکر ابھی ایک لمحہ میں تیار ہو کر سر بکف روانہ ہو سکتا ہے لیکن ......

چنگیز :۔ لیکن کیا؟ ...... صاف صاف کہو۔

تمن خان :۔ میں چاہتا ہوں ہمارا لشکر آج صرف آج کی رات آرام کرے، اس کے بعد پھر نہ جانے کہاں کہاں کی منزلیں مارنا پڑیں کدھر کدھر کا رخ کرنا پڑے ایک رات کے آرام میں سب لوگ تازہ دم ہو جائیں گے۔

چنگیز بگڑ گیا

۔ چنگیز ہر وقت تازہ دم رہتا ہے، وہ کبھی نہیں تھکتا!

تمن خان :۔ میرے آقا ـــــ!

چنگیز خان :۔ اور چنگیز کی فوج کو بھی ایسا ہی ہونا چاہئے۔ اسے تھکان کے نام سے چڑنا چاہئے!

تمن خان :۔ میرے آقا! میرے آقا!

چنگیز خان :۔ وہی چھولداری ہمیں چھوڑے جاتا ہوں۔ تم اپنے ساتھیوں نرم خیالوں سمیت اس میں آرام کرو ـــــ جسے میرے ساتھ چلنا ہو وہ آ جائے

یہ کہہ کر چنگیز اچک کر گھوڑے پر بیٹھ گیا۔ ایڑ لگانے ہی والا تھا کہ تمن خان آگے بڑھا اور رکاب سے لپٹ گیا۔

۔ میرے آقا ـــــ میں بھی چلوں گا، ہم سب چلیں گے!

چنگیز خان :۔ تو آؤ ـــــ اپنے گھوڑے پر بیٹھ جاؤ! ـــــ ابھی اسی وقت، اب میں ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کر سکتا!

تمن خان نے رکاب پکڑے پکڑے عرض کیا۔

۔ کم از کم خاصہ تو نوش فرما لیجئے!

چنگیز ہنس پڑا

۔ میں سمجھ گیا تم بھوکے ہو!

تمن خان :۔ نہیں میرے سردار، میرے آقا! میں بھوکا نہیں ہوں ......ـــــ میں چاہتا ہوں آپ خاصہ نوش کریں۔ کئی دن سے آپ اتنے مصروف جنگ ہیں کہ دستر خوان کچھ بھی نہ سکا، صرف پھلوں پر قناعت کرنا پڑی۔

چنگیز خان :۔ ہاں ...... اور میں نے ذرا بھی تکلیف نہیں محسوس کی!

تمن خان :۔ لیکن میں اہتمام کر چکا ہوں میرے آقا ـــــ صرف میری خاطر ـــــ تھوڑی دیر، بس خاصہ نوش فرما دیجئے پھر کوچ کر دیجئے گا!

چنگیز خان مسکرایا!

۔ چلو ہم دیکھیں گے خاصہ کہاں تیار ہو رہا ہے اور کیا کیا تیار ہو رہا ہے!

تمن خان۔ چلئے میرے آقا۔ آئیے میرے ساتھ!

چنگیز :۔ چلو!

پھر اس نے ایک سپاہی کی طرف دیکھ کر بلند آہنگی کے ساتھ کہا

۔ قرنا پھونک دو، سب کو اطلاع ہو جائے کہ ہم ابھی کوچ کریں گے!

وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر بولا

۔ ابھی لیجئے میرے آقا!

چنگیز نے تمن خان سے کہا:

"آؤ ـــــ!"

سپہ دار کے حکم سے فوراً قرنا کی آواز بلند ہوئی۔ چنگیز تمن خان کے ساتھ اس خیمہ میں پہونچا جہاں دیگیں چڑھی ہوئی تھیں اور کھانا پک رہا تھا!

چنگیز نے کہا

"یہ ہے ہمارے خاصہ پکنے کی جگہ؟"

تمن خان: سب آقا یہی ہے .... یہیں میری نگرانی میں آپ کا خاصہ تیار ہوتا ہے!

چنگیز: کیا کیا پک رہا ہے؟

تمن خان: دنبے کا گوشت، کباب، روٹی، طرح طرح کے خوان نعمت!

چنگیز: ہوں .... ہم دیکھ رہے ہیں!

چنگیز تمن خان سے باتیں کر رہا تھا، اور خیمہ میں کھل کھل کر کھانے کا سامان دیکھ رہا تھا۔ وہ ٹہلتے ٹہلتے ایک باورچی کے پاس پہونچا جو روٹی پکا رہا تھا تازہ تازہ اور گرم گرم!

چنگیز نے ایک روٹی اٹھائی اور تمن خان سے کہا

"کباب لاؤ"

تمن خان دوڑا دوڑا کباب لینے گیا جب تک وہ آئے آئے چنگیز سات آٹھ روٹیاں کھی ہی کھا چکا تھا۔

اتنے میں ایک قاب کے اندر بہت سے کباب لے کر تمن خان آیا چنگیز نے

قاب تمن خان کے ہاتھ سے لے لی اور کہا۔

"پانی لاؤ ...."

تمن خان دوڑا دوڑا پانی لینے گیا، اتنی دیر میں چنگیز نے کبابوں کی قاب صاف کر دی، ایک ایک لقمہ میں دو دو کباب وہ بڑی بے پروائی سے کھا رہا تھا ـــــ پہلے روٹی تھی کباب نہ تھے، اب کباب تھے روٹی نہ تھی، اتنے میں تمن خان پانی لے کر آیا، چنگیز نے کھڑے کھڑے پانی پیا اور تمن خان سے کہا

"ہم نے خاصہ نوش کر لیا!"

لشکر کی کمربندی ہو چکی تھی، خیمہ سے باہر نکلو۔ گھوڑے پر بیٹھا اور لشکر سمیت مازندران کی طرف بڑھا۔

باپ کی وصیت

چنگیز کا لشکر صفتِ سیلِ رواں آگے بڑھ رہا تھا، وہ جدھر سے گزرتا تھا، تباہی، ہلاکت اور بربادی کے جھنڈے گاڑتا ہوا بڑھتا تھا، سفاکی کا یہ عالم تھا کہ دن کو دن نہ سمجھتا تھا، نہ رات کو رات، اور خون آشامی کی یہ کیفیت تھی کہ گنہگار اور معصوم کی کوئی تفریق نہیں تھی، جو سامنے آیا وہ کشتۂ تیغِ ستم ہوا..... امان، پناہ، رحم، ان چیزوں سے چنگیز کے لشکر کا ہر فرد بالکل ناواقف تھا!

چنگیز کا لشکر اب طوفانِ آب و باد کی طرح، مازندران کی طرف بڑھ رہا تھا، بڑھتا چلا جا رہا تھا، راستے میں کئی شہر پڑے، وہ سب پامال ہوگئے، بہت سی بستیاں گزریں وہ سب برباد کر دی گئیں، جتنے دیہات نظر آئے، اجاڑ دیئے گئے، اور ان جگہوں کے باشندے بھی یا غلام بنائے گئے یا ہلاک کر دیئے گئے .... غلامی موت سے بدتر تھی، جو لوگ غلام بنائے جاتے تھے، وہ پہلے تو خوش ہوتے تھے کہ جان بچی لاکھوں پائے لیکن جب غلامی سے سابقہ پڑتا تھا تو محسوس کرتے تھے، کاش وہ بھی ہلاک کر دیئے گئے ہوتے، انہیں وہ حقوق اور مراعات بھی حاصل نہیں تھے، جو حیوانات اور

جانوروں کو ہوتے ہیں، ان سے خدمات کا کام لیا جاتا تھا اور ذرا سی لغزش پر کوڑے مارتے مارتے ان کی کھال اتار دی جاتی تھی، ان کی توہین کی جاتی تھی، انہیں بھوک کی مار بھی دی جاتی تھی، انہیں خوشی، عافیت اور مسرت کا ایک لمحہ بھی میسر نہیں آتا تھا، وہ اپنے جن ساتھیوں کو مرتے دیکھتے تھے، ان کی خوش قسمتی پر رشک کرتے تھے،

اب چنگیز کا لشکر مازندران پہونچ چکا تھا! ـــ

اور یہاں آنے کے بعد بھی اس نے وہی سب کچھ کیا جو بخارا میں کر چکا تھا، سمرقند میں کر چکا تھا اور یہاں آتے آتے نواحی بستیوں میں کر چکا تھا، رعایا کو امان ملی نہ امرا اور رؤسا کے ساتھ کوئی رعایت کی گئی، نہ عورتوں کو بخشا گیا، نہ بچوں کو معاف کیا گیا، نہ بوڑھوں پر کوئی ترس کھانے والا تھا، نہ بیماروں، معذوروں اور اپاہجوں کے ساتھ کوئی رعایت تھی ـــــ لیکن ہاں ان لوگوں کے ساتھ رعایت کی گئی جو ناکارہ تھے، انہیں قیدِ حیات سے آزاد کر دیا گیا!

یہاں پہونچ کر اگرچہ چنگیز اور اس کے حکم سے قتن خاں نے ظلم و ستم کا بازار گرم کیا، عمارتوں کو ڈھا کر اپنی حسرت، انتقام پوری کر لی، لوگوں کو قتل کر کے خونخوار جذبہ کو تسکین دے لی لیکن ـــــ

علاء الدین ہاتھ نہ آیا!

وہ چنگیز کے محاصرہ کے بعد یہاں سے جا چکا تھا، چنگیز نے دم کٹے سانپ کی طرح پیچ و تاب [illegible] سے بڑا صدمہ تھا کہ علاء الدین اس دفعہ بھی بچ گیا، اس رنج کے عالم میں، اس نے قتن خاں کو طلب کیا، [illegible] مازندران سے دور [illegible]

"تمن خاں ...... علاء الدین یہاں بھی نہیں ہے!"

تمن خاں نے دست بستہ عرض کیا

"شاہ عالم پناہ، بے شک وہ یہاں نہیں ہے، حضور کی آمد کی خبر سنکر وہ بھاگ گیا!"

چنگیز:- اور بھاگ کر اس نے ہمیں مجبور کر دیا کہ ہم تعاقب کا سلسلہ جاری رکھیں، ہم عہد کر چکے ہیں اگر وہ دنیا کے آخری سرے پر بھی ہوگا تو ہم وہاں جائیں گے اور اسے قرار واقعی سزا دیں گے ـــ خواہ وہ کہیں بھی ہو!"

تمن خاں:- بے شک ہم اس کا تعاقب جاری رکھیں گے!

چنگیز خاں:- کتنے آدمی گرفتار ہوئے؟

تمن خاں:- ہزاروں ہزار ـــ گننے کی ضرورت کیا ہے؟

چنگیز خاں:- (مسکرا کر) ہاں جن کی قسمت میں غلامی اور موت لکھی جا چکی ہے، انہیں شمار کرنے سے کیا حاصل؟

تمن خاں:- بجا ارشاد ہوا عالم پناہ!

چنگیز خاں:- بس تو اپنا کام کرو ـــ جو کام کے آدمی ہوں انہیں غلام بنالو جو ناکارہ ہوں، انہیں موت کے گھاٹ اتار دو!

تمن خاں:- بہت خوب ـــ لیکن علاء الدین کے کچھ اہل خاندان بھی گرفتار ہوئے ہیں، ان کے بارے میں کیا حکم ہوتا ہے؟

چنگیز خاں:- (چونک کر) خاندان شاہی کے بھی کچھ افراد گرفتار ہوئے ہیں؟

تمن خاں:- میرے آقا! ـــ

چنگیز خاں:- ان کے ساتھ بھی وہی سلوک ہونا چاہیئے، جو سب کے ساتھ ہو رہا ہے ـــ غلامی یا ہلاکت!

تمن خاں:- بجا ارشاد ہوا، یہی ہوگا، لیکن غلام ایک بات گذارش کرنا چاہتا تھا۔

چنگیز خاں:- تم ہمارے غلام نہیں، دوست ہو بھائی، عزیز ہو ـــ کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟

تمن خاں:- میری گذارش یہ تھی کہ جب تک خوارزم شاہی حکومت کا خاتمہ نہیں ہو جاتا اس وقت تک ـــ

چنگیز خاں:- یہ لوگ قید رکھے جائیں؟

تمن خاں:- یہی غلام بھی عرض کر رہا تھا!

چنگیز:- لیکن کیوں؟ ـــ کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہیں پانسہ پلٹ نہ جائے، اور ہمیں لینے کے دینے پڑ جائیں ـــ؟

تمن خاں:- نہیں میرے آقا ـــ میں جانتا ہوں پانسہ پلٹ ہی نہیں سکتا!"

چنگیز خاں:- ہم نے ہارنا نہیں سیکھا ہے!

تمن خاں:- بے شک ـــ چنگیز نے ہرانا سیکھا ہے ہارنا نہیں،

چنگیز خاں:- پھر اس مشورہ کی مصلحت؟

تمن خاں:- غلام کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح متفرق طور پر ان لوگوں کو ہلاک کر دینے سے کیا فائدہ، لطف تو جب تھا کہ علاء الدین کے سامنے ان لوگوں کی

rekhta

گردن کاٹی جاتی ——— صرف انہیں کی نہیں، اس کے سارے خاندان کی اور آخر میں اس کی گردن بھی اڑا دی جاتی۔

چنگیز:۔ رحم کر! ہاں تجویز معقول ہے ——— ان سب کو علیحدہ ایک خیمے میں قید رکھو!

تمن خان:۔ بہت خوب، میرے سردار!

بخارا سے روبہ فرار ہونے کے بعد سے علاء الدین خوارزم شاہ کی طبیعت خراب رہنے لگی تھی۔

وہ بوڑھا ہو چکا تھا ——— بڑھاپے میں رہے سہے امراض ابھر آتے ہیں، اور مریض کو جیتے جی بیٹھے بٹھاتے ہیں، پھر علاء الدین صرف بڑھاپے ہی کا مریض نہیں تھا۔ افکار و ہموم نے بھی اسے پریشان کر رکھا تھا، بیٹوں کی نافرمانیاں، وسیع تر اپنی خاندان کی ہوسناکیاں، امراء اور جاگیرداروں کی بے پروائیاں، حکام و عمال اور ترکی امراء کی بے ایمانیاں، ان ہی سب چیزوں کا یہ نتیجہ تھا کہ بخارا، سمرقند اور دوسرے شہروں پر دشمن کا قبضہ ہو گیا، اور اب حالات یہ آثار دے رہے تھے کہ چنگیز کی کہیں بھی مخالفت نہیں کی جا سکے گی، وہ جہاں بھی پہنچے گا کامیاب اور فاتح بن کر پہنچے گا، خوارزم شاہی حکومت ختم ہو جائے گی اور تاتاریوں کی بربریت اور غلبہ حاصل کر لے گی۔

علاء الدین بستر علالت پر دراز تھا، اور گرد اس کے بیٹے اور خاندان کے دوسرے حکام و عمال بیٹھے تھے۔ علاء الدین نے ادھر ادھر دیکھا، پھر نحیف آواز میں کہا:

۔ جلال الدین (منکبرنی) کہاں ہے؟ ——— اسے بلاؤ ابھی بلاؤ!

ایک خادم گیا اور تھوڑی دیر میں جلال الدین کو لے کر آ گیا!

جلال الدین باپ کے پاس حاضر ہوا، اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیا، اور کہا

غلام کو یاد فرمایا تھا آپ نے؟

علاء الدین:۔ ہاں بیٹا، میں نے تکلیف دی تمہیں!

جلال الدین:۔ قبلہ و کعبہ آپ یہ کیا فرماتے ہیں؟ آپ کے ایک اشارے پر جلال الدین اپنی جان قربان کر سکتا ہے!

علاء الدین:۔ میں جانتا ہوں میرے بیٹے ——— مجھے تجھ سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں ——— بہت ضروری، بے حد اہم!

جلال الدین:۔ ارشاد، ارشاد!

علاء الدین:۔ لیکن وہ باتیں سب کے سامنے نہیں کہی جا سکتیں، تخلیہ ضروری ہے،

یہ بات سن کر سب لوگ ایک ایک کر کے اٹھ گئے،

جب بالکل تخلیہ ہو گیا تو جلال الدین نے کہا

۔ قبلہ و کعبہ سب لوگ چلے گئے۔ اب یہاں کوئی نہیں ہے، ارشاد فرمائیے، آپ کیا کہنا چاہتے تھے؟

علاء الدین:۔ تم میرے اور قریب آ جاؤ، بالکل قریب ——— دیوار ہم گوش دارد!

جلال الدین کھسک کر اور قریب آ گیا اور خوفزدہ نگاہوں سے باپ کو دیکھنے لگا

کہ وہ کیا کہتا ہے۔ علاؤالدین نے خیمہ پر ایک تجسس بھری نظر ڈالی اور رازدارانہ انداز میں کہا۔

"کوئی ہماری باتیں سن تو نہیں سکتا؟"

جلال الدین:۔ نہیں قبلہ و کعبہ کوئی بھی ہماری باتیں نہیں سن سکتا، بالکل تخلیہ ہے۔

علاؤالدین:۔ پھر بھی خیمہ سے باہر نکل کر دیکھ آؤ جا کر، کوئی آس پاس تو نہیں ہے؟

جلال الدین کو حیرت تھی کہ وہ کون سی راز کی بات ہے جو علاؤالدین کہنا چاہتے ہیں لیکن باپ کا حکم ٹال بھی نہیں سکتا تھا، باہر نکلا اور اچھی طرح ادھر ادھر دیکھ کر واپس آیا اور باپ کو اطمینان دلاتے ہوئے کہا

"میں نے دیکھ لیا آس پاس کوئی بھی نہیں ہے۔ آپ فرمائیے کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

علاؤالدین:۔ ایک بہت اہم معاملہ میں صلاح لینی تھی!

جلال الدین:۔ فرمائیے میں بڑی توجہ سے سن رہا ہوں۔

علاؤالدین:۔ کیا میں چنگیز کی اطاعت قبول کر لوں؟

جلال الدین:۔ (تیوری چڑھا کر) میں کیا عرض کر سکتا ہوں ——————

رموز مملکت خویش خسروان دانند!

علاؤالدین:۔ پھر بھی تمہاری کیا رائے ہے؟

جلال الدین:۔ (ٹھنڈی سانس لیکر) میری رائے لینا بیکار ہے، سرداران فوج سے پوچھئے، ولی عہد مملکت سے دریافت کیجئے، ارباب حل و عقد کو اکٹھا کیجئے!

علاؤالدین:۔ ان سب سے پوچھ چکا، ان سب کی رائے ہے کہ ہمیں قسمت سے نہیں لڑنا چاہئے!

جلال الدین:۔ قسمت؟ —— یعنی یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ چنگیز سے لڑنا قسمت سے لڑنا ہے؟

علاؤالدین:۔ ہاں یہی سمجھتے ہیں —————— اچھا یہ بتاؤ اگر تم میری جگہ ہوتے تو کیا کرتے

جلال الدین خاموش رہا، اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

علاؤالدین:۔ بتاؤ بیٹے، میں تم سے پوچھ رہا ہوں!

جلال الدین:۔ (جوش کے عالم میں) خدا آپ کو عمر خضر عطا فرمائے ——

علاؤالدین:۔ ارے کیا تم میرا مرنا نہیں چاہتے؟

جلال الدین:۔ آپ کی زندگی کیلئے میں اپنی جان تک قربان کر سکتا ہوں!

علاؤالدین:۔ (ٹھنڈی سانس لیکر) خیر —— ہاں یہ بتاؤ آگے تم کیا کہہ رہے تھے؟

جلال الدین:۔ میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اگر میں آپ کی جگہ ہوتا تو زندگی کی آخری سانس تک چنگیز کا مقابلہ کرتا، چنگیز اگر قسمت ہے تو میں اسکے بھی مقابلہ کرتا، اور اسے شیشہ کی طرح چکنا چور کر دیتا۔

یہ سنکر علاؤالدین اٹھنے لگا، جلال الدین نے اسے پھر لٹا دیا اور کہا
قبلہ و کعبہ آپ بہت کمزور ہیں، ہرگز اٹھنے کا ارادہ نہ کیجئے۔

علاؤالدین:۔ اچھا تو اور قریب آ، میرے سینے سے لگ جا، میں تجھے پیار کر دوں گا!

جلال الدین، باپ کے سینہ سے لپٹ گیا، علاؤالدین نے اسکے سر پر ہاتھ

پھر اس کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا،

۔ میرے بیٹے، میرے بچے ۔۔۔ مجھے تجھ سے یہی توقع تھی، تو نے میرا دل رکھ لیا۔ اب میں خوشی سے مروں گا۔

جلال الدین:۔ آپ بہت دن زندہ رہیں گے۔

علاؤالدین:۔ نہیں بیٹے، میں اب چند گھڑیوں کا مہمان ہوں۔ اپنے متعلق میں دھوکا نہیں کھا سکتا۔ میں جانتا ہوں میری کیا حالت ہے؟

جلال الدین:۔ صرف کمزوری ہے اور یہ کمزوری بھی ان شاءاللہ جلد جاتی رہے گی

علاؤالدین:۔ بیٹے مجھے طفل تسلی نہ دو۔ میں اب زندہ نہیں رہ سکتا اور تمہاری اس گفتگو کے بعد مجھے زندہ رہنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ مجھے امید ہے تم میرا کام جاری رکھو گے۔

جلال الدین:۔ آپ کا مطلب چنگیز ۔۔۔۔

علاؤالدین:۔ ہاں ۔۔۔ میں جانتا ہوں، چنگیز کی وحشت اور بربریت سے تم مرعوب نہ ہو۔ تم مسلمان ہو اور مسلمانوں کی تاریخ اس حقیقت کی شاہد ہے کہ انہوں نے نامساعد سے نامساعد حالات میں، دشمن کا مقابلہ کیا اور ہمیشہ کامیاب ہوئے۔ تم مسلمان ہو اور بدر و حنین کی معرکہ آرائیاں تمہارا مقدس ترکہ ہیں ۔۔۔۔ کیا تم اس مقدس ترکہ سے دست بردار ہو جاؤ گے؟

جلال الدین:۔ ہرگز نہیں ۔۔۔۔ قبلہ و کعبہ جلال الدین جب تک زندہ

ہے، وہ قوت و شوکت، طاقت اور جاہ و جلال، دبدبہ اور طنطنہ، کثرت افواج و مال و زر اور ساز و سامان جنگ سے مرعوب نہیں ہو سکتا وہ لڑے گا اور میدان جنگ سے کبھی منہ نہیں پھیرے گا۔

علاؤالدین:۔ ہاں میرے بیٹے میں یہی چاہتا ہوں۔

جلال الدین:۔ میں جانتا ہوں چنگیز قہر خداوندی کا نمونہ ہے، ہوا کرے لوہے کو لوہا کاٹتا ہے، ہم اگر ڈٹ کر مقابلہ کریں تو اس کے دانت کھٹے کر سکتے ہیں، ہم اگر متحد ہو کر میدان جنگ میں اتریں تو اسے شکست فاش دے سکتے ہیں

علاؤالدین:۔ (کمزور آواز میں) کیا کہا، متحد ہو کر ۔۔۔۔ کیا مسلمان متحد ہو سکتے ہیں؟

جلال الدین:۔ کیوں نہیں ہو سکتے۔ اگر وہ متحد نہ ہوئے تو بے شک تباہ ہو جائیں گے پھر خوارزم شاہی سلطنت بھی مٹ جائے گی اور خلافت عباسیہ کی بھی اینٹ سے اینٹ بج جائے گی۔ پھر واقعی کچھ نہیں ہو سکتا۔

علاؤالدین:۔ تو کیا اگر مسلمان متحد ہوئے تو تم ہمت ہار جاؤ گے، بولو بیٹے؟

جلال الدین:۔ نہیں قبلہ و کعبہ ۔۔۔۔ میں نتیجے سے بے پروا ہو کر جنگ جاری رکھوں گا۔ یہ میرا فرض ہے، یہ آپ کی وصیت ہے ۔۔۔۔ میں اس فرض کو انجام دوں گا، میں وصیت کی تعمیل کروں گا۔

علاؤالدین نے پھر جلال الدین کو سینے سے لگا لیا اور کہا

میں اس مسافرت اور مجبوری کے عالم میں تمہیں کوئی انعام نہیں دے سکتا لیکن خدا اس حسن نیت کا اجر عظیم دے گا۔

اتنے میں خادم نے آکر اطلاع دی کہ حکیم صاحب انتظار میں بیٹھے ہیں،
جلال الدین نے کہا
- جاؤ انہیں لے آؤ!"
حکیم صاحب، اور حکیم صاحب کے ساتھ خاندان کے دوسرے لوگ بھی
آموجود ہوئے، حکیم صاحب نے نبض دیکھی، ان پر اس وقت محویت کا عالم طاری تھا
پھر انہوں نے ہاتھ ہٹایا اور مایوسی کی نظر ڈالتے ہوئے، اٹھ کھڑے ہوئے
جلال الدین نے پوچھا
- قبلہ کعبہ کا مزاج کیسا ہے؟"
حکیم صاحب نے کہا
- اب پوچھنے کی ضرورت نہیں دیکھنے کی ضرورت ہے —— دیکھ!
جلال الدین باپ کی طرف لپکا اس نے دیکھا کہ علاء الدین کی آنکھیں بند ہیں ایسا
معلوم ہوتا ہے، وہ سو رہا ہے، وہ سوچنے لگا قبلہ کعبہ باتیں کرتے کرتے سو کیسے گئے؟
اس نے پھر حکیم صاحب سے پوچھا،
- کیا ہوا انہیں؟
حکیم صاحب نے کہا
- جی جو ایک روز سب کو پیش آتا ہے —— تجہیز و تکفین کا
سامان کیجئے!"
اس اچانک موت پر جلال الدین کے منہ سے چیخ نکل گئی —— اپنے پروگرام
لیکن جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا!
یہ ہے کہ ہم اپنے

تمن خاں کا چنگیز کو مشورہ!

علاء الدین خوارزم شاہ کی وفات نے دوستوں کو مغموم اور خود غرضوں کو
مسرور کر دیا —— دوست بہت کم تھے اور خود غرض بہت زیادہ!
چنگیز خاں کچھ دنوں کے لئے اپنے مستقر پر واپس آ گیا تھا، اگرچہ علاء الدین
اس کے ہاتھ نہ آیا، پھر بھی وہ اپنے تئیں ناکام نہیں سمجھتا تھا، تمن خاں نے اسے باور کرا دیا
تھا کہ اس کے ان پے بہ پے حملوں نے علاء الدین کی کمر توڑ دی ہے، اور اب وہ دل
سے ہاتھ پاؤں دھو کر عازم بقا ہوا ہی چاہتا ہے چنگیز خاں یہ سوچ رہا تھا، اگر تمن خاں کی
بات پوری نہ ہوئی تو پھر تب پہلے سے زیادہ جوش و خروش اور زور و قوت
کے ساتھ خوارزم شاہی حکومت کا تختہ الٹنے کیلئے میدان میں آ جاؤں گا، مستقر
جمانے سے یہ فائدہ ہوگا کہ فوج کی تنظیم جدید ہو جائے گی، اور ایک
مرتب ہو جائے گا! —— وہ فوج کی تنظیم جدید اور نیا نقشہ جنگ
لیکن بے انہماک کے ساتھ مشغول تھا، ان کاموں میں اتنا الجھا
سردار ان فوج سے اس نے ملاقات تقریباً بند کر رکھی تھی

حملہ کا ارادہ ترک کر دیں؟

تمن خاں:- میرے آقا، میں یہی چاہتا ہوں!

چنگیز خاں:- تم احمق ہو ـــــ ہم اپنا ارادہ بدل نہیں سکتے، دشمن کی اس پریشانی اور ابتری کا ہمیں فائدہ اٹھانا چاہیئے، اور تم چاہتے ہو کہ اسے ہم تیاریاں کرنے کا موقع دیں؟ ـــــ کتنی بے تکی بات ہے۔

تمن خاں خاموش ہو گیا اسے خاموش دیکھ کر چنگیز خاں نے کہا

"کیا تمہیں ہمارے خیالات سے اتفاق نہیں ہے؟

تمن خاں:- غلام میں یہ جرأت تو نہیں کہ وہ اپنے آقا کی رائے سے اختلاف کر سکے، ہاں وہ یہ ضرور چاہتا تھا کہ وہ اپنے خیالات پیش خدمت کر سکتا!

چنگیز خاں:- اجازت ہے ـــــ کہو:

تمن خاں:- جہاں تک دشمن کی پریشانی اور ابتری سے فائدہ اٹھانے کا تعلق ہے، غلام پورے طور پر متفق ہوں اس تجزیے سے، لیکن میرا طرز فکر دوسرا ہے!

چنگیز:- ہم سنیں گے۔ تمہاری رائے کی ہماری نگاہ میں وقعت ہے!

تمن خاں:- دشمن سے فائدہ اٹھانے کی بہترین ترکیب غلام کے خیال میں یہ ہے کہ اسے فی الحال اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے!

چنگیز خاں:- بے وقوف ـــــ کیوں؟

تمن خاں:- اگر ابھی اس پر حملہ کیا گیا تو وہ اس قدر جلد زیر نہیں ہوگا جتنا کچھ عرصہ بعد حملہ کی خبر سنکر علاءالدین کے بیٹے متفق ہو جائیں گے، مسلمانوں میں اتحاد ہو جائے گا، ہو سکتا ہے دوسری مسلم حکومتیں بھی ہمارے اس اقدام

چنگیز نے ایک نئی چھاؤنی قائم کی تھی۔ آج اس کا معائنہ کرنا تھا، ابھی وہ اپنے خیمے سے باہر نہیں نکلا تھا کہ تمن خاں دوڑتا ہوا اندر گھس آیا چنگیز کو اس کی اس جسارت پر حیرت ہوئی اس نے کہا

"تم یہاں کیسے آ گئے، بغیر اجازت!؟

تمن خاں اپنے آقا کا اگرچہ مزاج شناس تھا، لیکن اس وقت اس پر کچھ اور ہی کیفیت طاری تھی، اس نے کہا،

"میرے آقا، میں اس وقت ایسی خبر لے کر آیا ہوں جسے فوراً گوش گزار کرنا چاہتا ہوں، ایک لمحہ کا توقف بھی میرے لئے بیکار تھا!

چنگیز کو اور حیرت ہوئی کہ آخر وہ کون سی خبر ہو سکتی ہے؟ اس نے پوچھا

"تو کہتے کیوں نہیں کون سی خبر ہے؟"

تمن خاں:- علاءالدین مر گیا!

چنگیز خاں:- (متعجب ہو کر) علاءالدین مر گیا؟ ـــــ کیا واقعی؟

تمن خاں:- غلام اپنے آقا تک وہی خبر پہونچاتا ہے، جو شک و شبہ سے بالا ہو!

اب تک باہر جانے کیلئے چنگیز کھڑا تمن خاں سے باتیں کر رہا تھا، اب وہ بیٹھ گیا۔ اس نے کہا

"یہ تو واقعی بڑی اچھی خبر ہے!"

تمن خاں:- اس خبر کے اچھے ہونے میں کوئی شبہ نہیں، اب ہم اپنے پروگرام پر نظر ثانی کرنے کیلئے مجبور ہو گئے ہیں!

چنگیز خاں:- پروگرام پر نظر ثانی؟ ـــــ کیا تمہارا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنے

کن پسند کریں اور اس کی مدد کے لئے تیار ہو جائیں

چنگیز :۔ ہم کسی اسلامی حکومت کو خاطر میں نہیں لاتے جو ہم سے لڑنا چاہتا ہے وہ شوق سے میدان جنگ میں اتر آئے ہم اس کا خیر مقدم کریں گے

تن خاں :۔ بیشک ــــ اور اس پر غالب بھی آئیں گے !

چنگیز :۔ جب یہ جانتے ہو تو پھر ایسا احمقانہ مشورہ کیوں دے رہے ہو ؟

تن خاں :۔ اگر دشمن کو اس وقت یوں ہی اس کے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو آپ جانتے ہیں نتیجہ کیا ہوتا ؟

چنگیز :۔ بتاؤ ــــ

تن خاں :۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ علاءالدین کے بیٹے آپس میں لڑنے لگتے، یوں بھی وہ کمزور ہیں، اس خانہ جنگی سے وہ اور زیادہ کمزور ہو جاتے، اور ان کے کمزور ہو جانے کے بعد صرف ایک فوج کشی میں کام بن جاتا !

چنگیز :۔ (مسکرا کر) پھر یہ حکومت پکے ہوئے پھل کی طرح ہماری گود میں گر جاتی !

تن خاں :۔ بے شک، سردار عالم بے شک !

چنگیز :۔ (مہربانی کے ساتھ) اچھا ہم تمہاری تجویز پر غور کریں گے !

تن خاں :۔ اس بندہ نوازی کا شکریہ !

چنگیز :۔ لیکن ایک بات کا سختی سے خیال رکھنا، وہ یہ کہ فوجی تیاریوں میں کسی قسم کی ڈھیل نہ پڑنے پائے، ہماری فوج ہر وقت کیل کانٹے سے لیس رہے ہمارے ایک اشارہ پر کوچ کر دے !

تن خاں :۔ ہمیشہ ایسا ہی ہوا ہے اور اب بھی ایسا ہی ہے ہماری فوج

تن خاں :۔ ہر وقت کیل کانٹے سے لیس رہتی ہے وہ اپنے مالک کا اشارہ پاتے ہی دشمن پر اس طرح ٹوٹ پڑتی ہے جس طرح شہباز کبوتر پر !

چنگیز :۔ ابھی ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ کیا فیصلہ کریں گے۔ لیکن تمہاری تجویز میں معقولیت کا پہلو ہمیں نظر آتا ہے، ہم اس پر غور کریں گے اور کل تمہیں جواب دیں گے ــــ !

تن خاں :۔ بہت بہتر ــــ ہماری کئی پلٹنیں اس انتظار میں ہیں کہ آپ ان کا معائنہ فرمائیں گے۔

چنگیز :۔ چلو ــــ ہم معائنہ ہی کے لئے جا رہے تھے کہ تم آ گئے، ــــ
ــــ اور واقعی تم نے ہمیں ایسی خبر سنائی ہے جسے سن کر ہم خوش ہوں
پھر چنگیز تن خاں کو لے کر اپنے نئے بھرتی شدہ سپاہیوں کا معائنہ کرنے چلا گیا

اور چنگیز خاں اور اس کے مشیر تن خاں کی یہ رائے غلط بھی نہیں تھی !

علاءالدین خوارزم شاہ جیسے ہی اس دنیا سے رخصت ہوا اس کے بیٹوں میں جنگ زرگری شروع ہو گئی ہر شخص کی یہی تمنا تھی کہ وہ ملک تاج پہنے جو ایک ہی بیٹا ہوتا تو یہ سوال نہ پیدا ہوتا کئی بیٹے تھے اور ان میں سے ہر ایک سب سے زیادہ اپنے آپ کو مستحق سمجھتا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ جو جس شہر میں تھا وہیں اس نے اپنی فتح کی اور وہاں حکمرانی کا اعلان کر دیا۔ ایسے موقعوں پر عوام اگر بیدار ہوں تو وہ خود ہی آگے بڑھ کر نااہلوں کو ہٹا دیتے ہیں اور کسی مستحق شخص کو اپنی قسمت کا مالک بنا لیتے ہیں۔ خوارزم شاہی حکومت کا دائرہ اگرچہ بہت وسیع تھا اور اس کے

اطاعت گزاروں کی تعداد حد شمار سے خارج تھی لیکن یہ عوام کالانعام ہو گئے تھے ۔ یہ حالات کا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں رکھتے تھے ان میں اتنا دم نہیں تھا کہ یہ [illegible] کو مار بھگائیں اور مستحق شخص کو اپنا فرماں روا بنا دیں۔ نہ ان کی سیاسی تربیت ہوئی تھی۔ نہ ان میں شعور سیاسی تھا۔ یہ صرف امن چاہتے تھے کہ جو بھی فرماں روا قوت و شوکت کا مظاہرہ کرتا ہوا سامنے آئے، یہ اپنی گردن میں اس کی اطاعت کا قلادہ ڈال دیں۔ اور پھر علاء الدین کی تو لوگوں کے دلوں پر ہیبت بیٹھی ہوئی تھی اس کے بیٹوں کے متعلق بھی یہی خیال تھا کہ ان میں سے جو بھی مالک اورنگ حکومت ہوگا، وہ باپ سے زیادہ نمایاں کارنامے انجام دے گا، انہیں یہ نہیں معلوم تھا کہ یہ لوگ صرف حکومت کرنا چاہتے ہیں حکومت کے فن سے ناواقف ہیں، یہ بادشاہت کے تخت پر اس لئے قابض ہونا چاہتے ہیں کہ بے اندازہ دولت کے مالک بن جائیں گے اور اس دولت سے عیش و عشرت کریں، لطف زندگی اٹھائیں، یہ اختیار و اقتدار کے اس لئے بھوکے تھے کہ اسے اپنی غلامی میں لے کر اپنے جیسے لوگوں کو نوازیں، اور ان لوگوں پر ظلم کریں جو ان کی حرص و ہوس کو پسند نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک بادشاہت کا مقصد خدمت خلق نہیں تھا، عوام کی داد رسی نہیں تھی، مظلوموں کی دستگیری نہیں تھی، محتاجوں کی امداد و اعانت نہیں تھی، ظالموں کی سرکوبی نہیں تھی، رشوت خوروں اور جاہ پرستوں کا قلع قمع نہیں تھا، یہ صرف ایک بات کے جویا تھے بادشاہت کریں، عیش کریں زندگی کے مزے اڑائیں قوم برباد ہوتی ہے تو ہو، ملک تباہ ہوتا ہے تو انہیں کوئی پرواہ نہیں، اسلام پر زوال آتا ہے تو آیا کرے، بیچارے! وہ بے گناہ مسلمان بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح ہوتے ہیں تو ہوا کریں، یہ سارے وہ مسائل تھے جن سے انہیں کوئی سروکار نہیں تھا جن پر

کرنا یہ وقت کا ضائع کرنا سمجھتے تھے۔ چنانچہ خوارزم شاہی حکومت کے مختلف شہروں میں بادشاہتیں قائم ہو گئی تھیں، کوئی بھائی بھی ایسا نہیں تھا جو دوسرے سے اپنے کو کمتر سمجھتا تھا۔ لہذا قدرتاً ہر بھائی کے دل میں یہ تمنا کروٹ لیتی رہتی تھی کہ وہ دوسرے بھائیوں کو اپنا مطیع بنا لے، اور خود اقتدار و اختیار کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لے! ——— یہ ذہنیت خانہ جنگی اور طوائف الملوکی کا پیش خیمہ تھی لیکن جب برے دن آتے ہیں، قسمت بگڑتی ہے اور ادبار سر پر منڈلانے لگتا ہے تو حقیقت پر کوئی غور نہیں کرتا، صرف اپنی ذات ہر شخص کو پیش نظر ہوتی ہے!

——— یہی اس وقت خوارزم شاہ کے خاندان میں بھی ہو رہا تھا!

ہاں ایک جلال الدین تھا، جو سب سے الگ تھلگ تھا۔ جب تخت حکومت پر قبضہ کے لئے خاندان خوارزم شاہی میں کشمکش ہو رہی تھی تو یہ الگ بیٹھا حسرت و افسوس کے ساتھ یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ اس نے نہ کسی بھائی کا ساتھ دیا، نہ کسی سے لڑا، نہ کسی سے کوئی مطالبہ کیا! ——— چونکہ یہ سب سے الگ تھلگ تھا۔ لہذا دوسرے بھائی بھی اسے بھولے ہوئے تھے۔ وہ الگ الگ شہروں میں اپنی بادشاہت کا اعلان کر رہے تھے۔ اور یہ ایک گوشہ میں بیٹھا مسلمانوں کی قسمت کو رو رہا تھا!

ایک روز جلال الدین اسی فکر میں مستغرق بیٹھا تھا، کہ اس کے ایک جاں نثار اور وفادار دوست اور ساتھی اور دور کے رشتہ دار معین الدین نے کہا!

"ہمیں امید تھی کہ آپ حالات سنبھال لیں گے لیکن آپ کی اس خاموشی اور گوشہ نشینی نے ہماری ساری امیدیں خاک میں ملا دیں ——— آخر آپ کیا

سوچ رہے ہیں؟

جلال الدین مسکرایا۔

۔ میرے دوست، میرے عزیز! میرے ساتھی کیا تم نہیں جانتے کہ میں کیا سوچ رہا ہوں؟

معین الدین:۔ بالکل نہیں جانتا ——— خدا کے لئے حالات کی نزاکت کو محسوس کیجئے اور ——

جلال الدین:۔ حالات کی نزاکت کو تو اچھی طرح شاید تم سے بھی زیادہ محسوس کر رہا ہوں لیکن ۔۔ اور ۔ کیا کروں؟ یہ نہیں جانتا ۔ بتا سکتے ہو کچھ؟

معین الدین:۔ ضرور بتا سکتا ہوں!

جلال الدین:۔ تو پھر نیک میں تاخیر کیوں؟ — بتاؤ!

معین الدین:۔ لیکن مجھے امید نہیں کہ آپ میری بات مان لیں گے!

جلال الدین:۔ بلاوجہ مایوس اور ناامید ہونا ایک مسلمان کا شیوہ نہیں، میں جانتا ہوں تم میرے مخلص ہو، کہو میں سنوں گا، غور کروں گا، اور اگر ممکن ہوا تو مان بھی لوں گا!

معین الدین:۔ بھلائی کا صرف ایک راستہ ہے —— یہ کہ آپ اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیں!

جلال الدین:۔ (زہر خند کے ساتھ) تم جیسے دیرینہ اور آزمودہ کار مخلص دوست سے یہ توقع نہ تھی کہ وہ ایسا بھیانک اور خطرناک مشورہ دے گا!

معین الدین:۔ میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا آپ میری بات نہیں مانیں گے ۔ وہی ہوا!

جلال الدین:۔ کیسے مان لوں؟ —— حکمرانی کے امیدواروں کی فہرست میں ایک نام کا اور اضافہ کر دوں؟ تم مجھے اتنا خودغرض سمجھتے ہو؟

معین الدین:۔ خودغرضی یہ ہے کہ آپ اپنی شخصیت کو بچانے کے لئے مسلمانوں کو نظر انداز کر رہے ہیں، مسلمانوں کے مفاد عمومی کو فراموش کئے دے رہے ہیں!

جلال الدین:۔ — مسلمانوں کے حال زار پر میرا دل کڑھ رہا ہے، میں خون کے آنسو رو رہا ہوں لیکن افسوس میں ان کی مدد نہیں کر سکتا میں ان کے کام نہیں آ سکتا!

یہ کہہ کر جلال الدین بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا، روتے روتے آنسوؤں سے اس کی داڑھی تر ہو گئی، ہچکی بندھ گئی، اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا

۔ کاش مجھے موت آجائے!۔

معین الدین:۔ مر کر کیا کرو گے میرے دوست؟ —— زندہ رہ کر تم کچھ نہیں کر سکتے، مرنے کے بعد کون سے جھنڈے گاڑ لوگے؟ — تمہیں خدا نے وقت دیا ہے، موقع دیا ہے اس سے فائدہ اور خدا کے بندوں کے کام آؤ۔

جلال الدین:۔ (بے بسی کے ساتھ) کس طرح؟

معین الدین:۔ تخت حکومت پر قبضہ کر کے!

جلال الدین:۔ تو یوں کہو گویا تم مجھے خانہ جنگی کی طرف مائل کر رہے ہو ——

معین الدین:۔ اگر تم خانہ جنگی روک نہیں سکتے، تو خانہ جنگی میں مبتلا ہو کر اس کا خاتمہ کر دو —— تم جانتے ہو، تمہارے بھائیوں میں ایک بھی ایسا نہیں جو حالات پر قابو پا سکے!

جلال الدین:۔ ہاں اچھی طرح جانتا ہوں!

معین الدین:۔ تمہارے بھائیوں میں ایسا بھی کوئی نہیں ہے جو ملکی امن و امان قائم رکھ سکے

جلال الدین:۔ ہاں یہ بھی ایک حقیقت ہے!

معین الدین:۔ اور ان میں سے کوئی تاتاری یورش کا بھی حریف نہیں بن سکتا!

جلال الدین:۔ حالانکہ والد مرحوم کی سب سے بڑی تمنا یہی تھی!

معین الدین:۔ اور مجھے یاد ہے تم نے کہا تھا، وہ دنیا سے رخصت ہوتے وقت انہوں نے وصیت کی تھی کہ اس کام کو جاری رکھنا۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے، اگر چنگیز نے خوارزم شاہی حکومت ختم کر دی تو پھر کوئی اسلامی حکومت بھی ان کی دستبرد سے نہیں بچ سکتی، ہر مسلم حکومت ختم ہو جائے گی، مسلمانوں کا قتل عام ہوگا اور پھر ایک نہ ایک دن خلافت عباسیہ بھی تاتاری تلوار کے سامنے دم توڑ دے گی۔

جلال الدین:۔ (جوش کے عالم) جب تک میں زندہ ہوں یہ نہیں ہو پائے گا!

معین الدین:۔ کیا کرو گے تم؟ —— بتاؤ تو سہی!

جلال الدین:۔ میں سد سکندری بن کر اس طوفان کو روکوں گا، اس کا مقابلہ کروں گا، اس کا رخ پھیر دوں گا، جب تک میں زندہ ہوں، چنگیز کی یہ جرأت نہیں پڑ سکتی، میں اس کے دانت کھٹے کر دوں گا، اسے بتا دوں گا کہ جسے وہ خونخوار تر

سمجھ رہا ہے، وہ فولاد ہے، جسے وہ ہضم نہیں کر سکتا، اس سے اس کے دانت ٹوٹ جائیں گے، اس کی زندگی تنگ ہو جائے گی!

معین الدین:۔ لیکن یہ سب کچھ کیونکر ہوگا؟ —— یہیں اسی گوشۂ قناعت میں بیٹھ کر؟ اگر واقعی تم اپنے قول میں مخلص ہو، تو پھر آؤ، باہر نکلو، اور وہ کرو جو تمہیں کرنا چاہیے، جس کے تم اہل ہو، جو صرف تمہیں کر سکتے ہو!

مجھے یقین ہے تاتاری یورش کا مقابلہ واقعی جلال الدین کے سوا کوئی نہیں کر سکتا!

جلال الدین:۔ کیا تمہاری رائے ہے میں بھی اپنی بادشاہت کا اعلان کر دوں؟

معین الدین:۔ بغیر کسی جھجک کے میرا جواب ہے —— ہاں!

جلال الدین:۔ (ایک عزم کے ساتھ) تو میں تمہیں اپنا نقیب بناتا ہوں، اجازت دیتا ہوں، میری بادشاہت کا اعلان کر دو!

معین الدین جوش مسرت میں جلال الدین سے لپٹ گیا۔ اس نے زور سے نعرہ لگایا

شہنشاہ جلال الدین خوارزم شاہ زندہ باد!

فائقہ!

جس طرح غوری خاندان کا جاہ و جلال اور دبدبہ سلطان غیاث الدین اور سلطان شہاب الدین کے دم سے تھا، اسی طرح خوارزم شاہی خاندان کی آن بان علاؤالدین خوارزم شاہ اور محمد بن تکش جلال الدین خوارزم شاہ کی ذات سے تھی۔ علاؤالدین ۵۹۶ھ میں تخت نشین ہوا، اور مختصر مدت میں اس کا رقبۂ سلطنت سندھ اور ماوراء النہر خراسان اور بغداد تک پھیل گیا۔ سلجوقیوں کے کر و فر، جاہ و حشمت اور شان و شکوہ کا خاتمہ بھی اسی اولوالعزم فرماں روا کے ہاتھوں ہوا۔

لیکن زمانہ بڑا بے رحم ہے، وہ کسی کا ساتھ نہیں دیتا، کسی کے ساتھ رعایت نہیں کرتا، کسی پر احسان نہیں کر سکتا۔ کسی کے ساتھ دوستی کا سلوک نہیں کرتا۔ اس کی چکی میں جو جاتا ہے وہ پس جاتا ہے، ریت بھی جاتی ہے۔ علاؤالدین کا عروج آتے ہی مائل بہ زوال ہوا۔ چنگیز کی یورش نے اس کا دبدبہ ختم کر دیا۔ عالم غربت میں اسے موت آئی اور وہ اپنے شاندار آغاز اور حسرت انگیز انجام کو یاد کرتا ہوا اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اس کی ہیبت اور شوکت کو کچھ دھکا تو چنگیز کے باعث پہنچا۔ دوسری مصیبت یہ

آئی کہ اس کے بیٹوں میں تخت نشینی کے لیے کشمکش شروع ہو گئی۔ ان سب میں ایک سنقر اور دوسرا گروہ شخصیت جلال الدین کی تھی۔ پہلے تو وہ اس کشمکش سے دور الگ تھلگ رہا لیکن پھر کچھ باپ کی وصیت کو یاد کر کے کچھ حالات کے اقتضا سے مجبور ہو کر اور کچھ حبیب الدین کے مشورے سے متاثر ہو کر اس نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ لوگ جوق در جوق اس کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے، بہت جلد اس کی سلطنت مستحکم ہو گئی۔ چند ہی سال میں داخلی شورشوں اور خارجی یورشوں کے باوجود اس نے اپنے حدود سلطنت اپنے باپ سے بھی زیادہ بڑھا لئے۔ عراق سے لے کر ترکستان بلاد غزنہ، ہندوستان کے بعض حصے، سیستان، کرمان، طبرستان، جرجان، خراسان، فارس وغیرہ اس کے زیر اقتدار آ گئے۔

جلال الدین کی ذات عجیب و غریب صفات کا مجموعہ تھی!

وہ بہت بڑا فاتح تھا، کشور کشا تھا، فرماں روا تھا، ساتھ ہی ساتھ اسے علم و ادب سے بھی گہرا شغف تھا۔ وہ اچھا شاعر اور عالم بھی تھا!

تخت حکومت پر بیٹھنے کے بعد اس نے جہاں نظام عدل و امن استوار کیا وہاں اس نے علمی و ادبی سرپرستی کا سلسلہ بھی شروع کر دیا۔ وہ علماء اور فضلاء کی تعظیم کرتا تھا، ان کی صحبتوں اور مناظروں میں شریک ہوتا تھا، اختلافی مسائل کی تحقیق میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا تھا، علماء کی مالی امداد کرتا تھا، ان کے وقار اور احترام کو ہر حالت میں ملحوظ خاطر رکھتا تھا ـــــ علماء سے اس کی وابستگی اور شیفتگی کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ وہ وقت کے بہت بڑے عالم، واعظ، صوفی، محدث، مفسر اور معلم اخلاق حضرت امام فخر الدین رازی کا شاگرد تھا! اس کی ذہن پاشیوں نے امام صاحب

کی عزت کو امارت سے
جلال الدین کی
سے محبت کرتا تھا۔ بچوں
آتا تھا۔ کسی کا دل نہیں
معین الدین پر وہ خاص طو
تھا اور کچھ اصطلاح کر اپنی
نازک موقعوں پر اس نے اپنی
تھی کہ جلال الدین اس پر حد سے

تاتاریوں سے خونریزیوں کا سلسلہ
چنگیز خاں اگرچہ تین خاں کے مشورے
جنگ کو سنسان نہیں ہونے دیا تھا۔ کبھی وہ
سپہ دار کبھی اس کے عمال خوارزم شاہ کی قوت
میں نے حملے کرتے رہتے تھے۔ جلال الدین صرف عز
اب تک اس سے کوئی زبردست لڑائی نہیں لڑی گئی تھی
چنگیز خاں یہ انتظار کر رہا تھا کہ خوارزم شاہی
جاہ پرستی اور بد انتظامی، عوام کو اس حکومت سے اس حد
تب وہ بھرپور وار کرے۔ اور جلال الدین اس فکر میں تھا کہ اپنی قو
سنبھالنے، نظم و نسق درست کرنے، سپاہ کو مضبوط کرنے کے بعد اپنے

البتہ اس کے بیٹوں میں تخت نشینی کے لیے کشمکش شروع ہو گئی۔ ان سب میں ایک سنجیدہ اور سراپا کردار شخصیت جلال الدین کی تھی پہلے تو وہ اس کشمکش سے دور الگ رہا لیکن پھر کچھ باپ کی وصیت کو یاد کرکے کچھ حالات کے اقتضا سے مجبور ہو کر اور کچھ معین الدین کے مشورے سے متاثر ہو کر اس نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ لوگ جوق در جوق اس کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے۔ بہت جلد اس کی سلطنت مستحکم ہو گئی۔ چند ہی سال میں داخلی شورشوں اور خارجی یورشوں کے باوجود اس نے بے حد و حساب سلطنت اپنے باپ سے بھی زیادہ بڑھا لی۔ عراق سے لے کر ترکستان بلاد غزنی، ہندوستان کے بعض حصے سجستان، کرمان، طبرستان، جرجان، خراسان و فارس وغیرہ اس کے زیر اقتدار آ گئے۔

جلال الدین کی ذات عجیب و غریب صفات کا مجموعہ تھی!

وہ بہت بڑا فاتح تھا، کشور کشا تھا، فرماں روا تھا، ساتھ ہی ساتھ اسے علم وادب سے بھی گہرا شغف تھا۔ وہ اچھا شاعر اور عالم بھی تھا!

تخت حکومت پر بیٹھنے کے بعد اس نے جہاں نظام عدل و امن استوار کیا وہیں اس نے علمی و ادبی سرپرستی کا سلسلہ بھی شروع کر دیا۔ وہ علماء اور فضلاء کی توقیر کرتا تھا۔ وہ ان کی صحبتوں اور مذاکروں میں شریک ہوتا تھا، اختلافی مسائل کی تحقیق میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا تھا۔ علماء کی مالی امداد کرتا تھا، ان کے وقار اور احترام کو ہر حالت میں محفوظ رکھتا تھا۔ —— علم سے اس کی وابستگی اور شیفتگی کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ وہ وقت کے بہت بڑے عالم، واعظ، صوفی، محدث، مفسر اور معلم اخلاق حضرت امام فخر الدین رازی کا شاگرد تھا! اس کی ذہن پاشیوں نے امام صاحب

کی عزت کو امارت سے

جلال الدین کی

سے محبت کرتا تھا۔ بچوں

آتا تھا۔ کسی کا دل نہیں

معین الدین پر وہ خاص طور

تھا اور کچھ اس طرح کر اپنی

نازک موقعوں پر اس نے اپنی

تھی کہ جلال الدین اس پر صدمے

تاتاریوں سے جھڑپوں کا سلسلہ

چنگیز خاں اگرچہ قتلغ خاں کے مشورہ

جنگ کو سنسان نہیں ہونے دیا تھا کبھی وہ

سپہ دار کبھی اس کے عمال خوارزم شاہ کی قوت

سے حملے کرتے رہتے تھے۔ جلال الدین اصرف

اب تک اس نے کوئی زبردست لڑائی نہیں لڑی تھی۔

چنگیز خاں یہ انتظار کر رہا تھا کہ خوارزم شاہی

جاہ پرستی اور بدانتظامی، عوام کو اس حکومت سے اس

تب وہ بھرپور وار کرے۔ اور جلال الدین اس فکر میں تھا کہ اپنی قو

سدھارے، نظم و امان درست کرے، سپاہ کو مضبوط کرلے، تب اپنے بازو

نہ وقت کی تھی تب دشمن

پ نہ سکے،

وست لڑائی نہیں ہوئی

وہ عزیز ہو گئی

کے ساتھ شکار پر گیا۔ خیمہ دور تک

کے قدم جہاں پہنچتے ہیں

پ بیل اور رنگا رنگی پیدا ہو جاتی

سفر میں جلال الدین کے ساتھ

تھی۔ حسن و جمال میں اپنی مثال آپ تھی

لیکن وہ لفظان سب پر غالب تھی اسے

ان کی بھی رانی معلوم ہوتی۔ تعلیم کس طرح

بچھڑی، بازاروں میں بکی اور ایک روز جلال الدین

زبانیں جانتی تھی علم و ادب کا شعور بھی رکھتی تھی۔

تی تھی، اگر ناچتا اچھا جانتی تھی کہ جب طنبورہ

سماں بندھ جاتا تھا۔ طبع زود بخش اپنا کام چھوڑ

تھے، ناچنے کے فن میں بھی کمال رکھتی تھی، اگر وہ صرف

ن بے مثال ہوتی، لیکن وہ صرف ایک رقاصہ نہیں تھی مغنیہ بھی تھی

ور بجے بڑھ کر یہ کہ عشق خیمہ میں ایک شریف دل دھڑکتا تھا۔ وہ اگرچہ

rekhta

جلال الدین کی پسندیدہ اور مرغوب کنیزوں میں تھی لیکن وہ کسی سے رشک کرتی تھی نہ کسی سے جلتی تھی، نہ سازشوں میں حصہ لیتی تھی، نہ کسی کی غیبت کرتی تھی۔ محل میں اور بھی بہت سی کنیزیں تھیں، خوبصورت طرحدار، سیم تن، سیم بر، گل عذار، زہرہ جبیں اور وہ یہ سب ایک دوسری کی کاٹ چھانٹ میں لگی رہتی تھیں، ایک دوسری کے خلاف سازشیں کیا کرتی تھیں، ایک دوسری کے خلاف شکایات اور حکایات کے دفتر اپنے دل میں پوشیدہ رکھتی تھیں، لیکن فائقہ کنیز ہونے کے باوجود ان سب سے الگ تھی صورت کے اعتبار سے بھی اور سیرت کے اعتبار سے بھی اور اخلاق و صلح کے لحاظ سے بھی۔

اور ایک بات اور بھی تھی!

یوں تو حرم شاہی کی ہر کنیز اپنی زندگی کا مقصد صرف یہ سمجھتی تھی کہ اپنے آقا کو خوش رکھے، اپنی باتوں، اپنی حرکتوں، اپنی خدمتوں اور اپنی اداؤں سے آقا کی نگاہ میں زیادہ سے زیادہ اعتبار حاصل کرے اس کی منہ چڑھی بن جائے، اسکے دل کی مالک بن جائے، لیکن ساتھ ہی ساتھ ان میں سے کوئی ایسی نہ تھی جو کسی کو چاہتی نہ ہو، وہ تو یہ چاہتی تھی کہ اس سے شادی کر لیتی ہو، جو غلامی کی زندگی سے عاجز نہ ہو، اور آزاد ہونے کی دعا کرتی ہو ——— مگر فائقہ ——— فائقہ کا حال یہ تھا کہ وہ اگر زندہ رہنا چاہتی تھی تو اس لئے کہ اپنے آقا کی خدمت کرے، وہ جہاں اور جیسی اسی محل میں مرنا چاہتی تھی، وہ جب تک یہاں نہیں آئی تھی، بار ہا اسکے دل میں آزاد ہونے، آزادی کی زندگی بسر کرنے، اپنا گھر بسانے کسی کو اپنا بنا لینے کی تمنا مچلیں، لیکن یہاں آنے کے بعد یک بیک یہ ساری تمنائیں اور مرادیں ختم ہو گئیں۔ یہ ساری حسرتیں ماضی کا ایک افسانہ بن گئیں، اب وہ یہ نہیں چاہتی کہ آزاد

ہو، اب اس کے دل میں یہ خیال نہیں آتا تھا کہ اپنا گھر بسائے۔ اس نے جب پہلی مرتبہ جلال الدین کو دیکھا تھا تو نہ معلوم کیا بات تھی، بڑی دیر تک اسے دیکھتی رہی، پھر بھی اس کا جی نہ بھرا، جی چاہا کہ بس دیکھتی ہی رہے ——— یہی پہلی نگاہ محبت کی نگاہ بن گئی۔ فائقہ ہر خیال سے بے نیاز ہو کر ہر تمنا سے دستبردار ہو کر خوارزم شاہ کو چاہنے لگی وہ اپنی حقیقت اور حیثیت جانتی تھی، وہ یہ بات سوچ بھی نہ سکتی تھی کہ جلال الدین کی بیوی بن جائے گی، حرم سرائے شاہی میں ایک ملکہ کی زندگی بسر کرے گی جلال الدین کے دل پر حکومت کرے گی۔ اس نے نہیں سوچا تھا، سوچ سکتی تھی کہ لونڈی کبھی بیوی نہیں بن سکتی، اور

خود اس کا یہ خیال تھا کہ لونڈی کو بیوی بننا بھی نہیں چاہیے، یہ حق تلفی تھی، وہ کسی کا حق مارنا نہیں چاہتی تھی، ہاں یہ ضرور چاہتی تھی کہ اپنے محبوب کی خدمت کرتی رہے اسے دیکھتی رہے۔ اسے دل ہی دل میں پیار کرتی رہے، اور اس کام سے اسے کوئی منع نہیں کر سکتا تھا، یہ کام وہ برابر کرتی رہتی تھی اور اس کا فیصلہ تھا کہ یہ کام وہ زندگی بھر کرتی رہے گی، وہ دل و جان سے جلال الدین کو چاہتی تھی لیکن اپنی چاہت کا اظہار نہیں کر سکتی تھی! اتنی ہمت کہاں سے لاتی

اور جلال الدین بھی اس کے ساتھ تعلق خاطر، شفقت اور خلوص کا برتاؤ کرتا تھا لیکن اس برتاؤ سے وہ کبھی غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوتی، وہ یہ سمجھتی اور یقین کرتی رہی کہ پروانے کی طرح وہ شمع کا طواف کر سکتی ہے، اس پر تصدق ہو سکتی ہے اسے اپنا نہیں سکتی، یہی وجہ تھی کہ اس کی خدمت میں ایک عجیب قسم کی وارفتگی تھی، اس کی باتوں میں ایک خاص قسم کی کشش تھی، اس کی حرکتوں میں ایسا سوز تھا، جسے محسوس کیا

جا سکتا تھا یا نہیں جا سکتا تھا! وہ چپ رہتی تھی خاموش رہتی تھی سہیلیوں اور سہیلیوں کے سامنے دل کی بات زبان پر لاتی تھی نہ اپنے محبوب کو راز دار اور غمگسار بنانے پر تیار تھی، اس کا حسن اس کا نغمہ اس کا رقص صرف جلال الدین کے لئے تھا، اور جلال الدین یہ سمجھتا تھا کہ یہ بات صرف اسی میں کہاں ہر کنیز میں ہے یہی وجہ تھی کہ وہ اگرچہ فائقہ کی قدر دانی کرتا تھا، اس سے مہر و التفات کا برتاؤ کرتا تھا! لیکن کبھی اس نے کوئی ایسی بات نہ کی جس سے یہ معلوم ہوتا کہ وہ خاص طور پر فائقہ کو پسند کرتا ہے!

ہاں اس مرتبہ یہ نئی بات ضرور ہوئی تھی کہ جلال الدین اپنے ساتھ فائقہ کو بھی لایا تھا ——— صرف فائقہ کو ——— کسی اور کنیز کو نہیں ایسا کیوں ہوا تھا اسے وہ بار بار سوچتی تھی، لیکن کوئی جواب سمجھ میں نہ آتا تھا!

سیر و شکار سے فارغ ہو کر جلال الدین اپنے شاہی خیمہ میں پہنچ گیا!

وہ اس وقت تھکا ہوا تھا اور آرام کرنا چاہتا تھا، فائقہ یہ سمجھی کہ دن کی تھکان وہ رات کی مجلس آرائی اور رنگا رنگی سے دور کرے گا، بن ٹھن کر خیمہ میں پہنچی کہ رقص و نغمہ سے اپنے آقا کا دل بہلائے، اس میں نشاط حیات پیدا کرے، لیکن جلال الدین نے اس کی طرف توجہ نہ کی، اسے سر اٹھا کر دیکھا اور بے پروائی سے کہا،

جلال الدین خوارزم شاہ :- ہم آرام کریں گے! ———!

وہ الٹے پاؤں واپس چلی گئی!

واپس آنے کو تو وہ اپنے خیمہ میں آ گئی، لیکن اس طرز عمل سے اسکے دل پر چوٹ لگی، وہ اسے بے یار و مددگار خیمہ میں بیٹھ کر چپ چاپ رونے لگی ——— آنسو تھمنے کا نام نہ لیتے تھے، دل تھا کہ امڈا آ رہا تھا! ———

نہ جانے کیسے اور کیوں معین الدین ادھر آ گیا ——— معین الدین کی عظمت اور بڑائی سے فائقہ اچھی طرح واقف تھی، وہ یہ جانتی تھی یہ خوارزم شاہی حکومت میں سیاہ و سفید کرنے کے اختیارات رکھتا ہے اس کے ہاتھوں میں لوگوں کی زندگی ہے، اسکے پاس دولت ہے، عزت ہے، وقعت ہے، شہرت ہے، یہ جس غریب کو چاہے امیر بنا دے جس امیر سے چاہے اس کی دولت چھین لے کسی میں ہمت نہیں کہ اس کی بات رد کر سکے، اسکا ہاتھ پکڑ سکے، اسکی زبان روک سکے یہ اگرچہ بادشاہ نہیں لیکن اختیار و اقتدار بادشاہ کا رکھتا ہے، اسے دیکھ کر جلدی سے فائقہ نے اپنے آنسو پونچھے جو ڈھلکتے ہوئے گال تک آ چکے تھے پھر سر و قد تعظیم کو کھڑی ہوئی معین الدین اسے دیکھ کر مسکرایا اور اس کے پاس ہی بیٹھ گیا اور باتیں شروع کر دیں،

معین الدین :- کیا بات ہے فائقہ آج تم بہت ملول اور افسردہ نظر آ رہی ہو ——؟
ابھی تم رو رہی تھیں؟ کیا بات ہے؟

فائقہ :- نہیں آقا زادہ میں رو نہیں رہی تھی، خدا میرے آقا کو سلامت رکھے میں کیوں رونے لگی؟

معین الدین :- کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے؟

فائقہ :- کچھ بھی نہیں، کوئی خاص بات نہیں۔

معین الدین :- پھر تم اتنی دلگیر اور افسردہ کیوں نظر آ رہی ہو؟

فائقہ :- کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کی طبیعت سست ہو جاتی ہے کچھ پرانی یادیں ابھرنے لگتی ہیں، کچھ بیتی ہوئی باتیں یاد آ جاتی ہیں۔

معین الدین:۔ (ہنس کر) اچھا یہ بات ہے؟ زندگی کے پرانے ورق الٹے جا رہے تھے؟

فائقہ:۔ یہی سمجھ لیجئے!

معین الدین:۔ یہ تو میں نہیں جانتا تمہارا حسب و نسب کیا ہے؟ کس خاندان سے تعلق رکھتی ہو لیکن یہ کہہ سکتا ہوں تمہارے اندر شرافت کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ تمہارا دل بہت بڑا ہے۔ تمہارا باطن اتنا روشن ہے جتنا تمہارا ظاہر تمہاری روح اتنی ہی پاک ہے جتنا تمہارا جسم!

فائقہ:۔ (مسکرا کر) یہ اتنی ساری باتیں آپ نے کیسے جان لیں اور باتیں بھی وہ جنہیں میں خود نہیں جانتی۔

معین الدین:۔ انسان کی اچھائی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ دشمن اسکی تعریف کرے

فائقہ:۔ تو کیا آپ نے کسی دشمن سے میری تعریف سنی ہے؟

معین الدین:۔ ہاں — ہاں وہ بھی بڑے کٹر دشمن سے!

فائقہ:۔ میں اس کا نام نہیں پوچھوں گی اسلئے کہ میں کسی کی دشمن نہیں ہوں۔

معین الدین:۔ یہی وہ بھی کہہ رہا تھا!

فائقہ:۔ کیا جانے جھوٹ کہہ رہا ہو؟

معین الدین:۔ مجھے یقین ہے وہ مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتا — اور تم سے چھپاؤں کیا نام بھی سن لو۔ سلطانہ کو تو تم جانتی ہی ہو؟ حرم سرا کی جتنی کنیزیں ہیں سب کی جانی دشمن ہے۔ اپنے سوا کسی کو حسین نہیں سمجھتی ہر ایک کی برائی کرتی ہے۔ آسمان سے حور بھی اتر آئے تو وہ اس کی برائی کرے گی تعریف نہیں کر سکتی۔ لیکن اس نے تمہاری تعریف کی تمہارے کردار کی

بڑی
یہ بہت نعمت ہے جو کسی کو مل سکتی ہے۔

فائقہ:۔ شکریہ —!

معین الدین:۔ کس کا شکریہ ادا کر رہی ہو؟

فائقہ:۔ سلطانہ کا بھی اور آپ کا بھی!

معین الدین:۔ میرا کیوں! کوئی وجہ؟

فائقہ:۔ آپ کا اس لئے کہ آپ نے اس کی بات کا یقین کر لیا۔

معین الدین:۔ نہیں یہ تو کوئی بات نہیں، میں تو بہت دنوں سے تمہارا قائل ہوں۔ سلطانہ کہتی تو میرے دل میں تمہاری جو جگہ ہے وہ تو رہتی۔

فائقہ:۔ (تعجب سے) آپ کے دل میں میری جگہ ہے؟

معین الدین:۔ ہاں —— بہت زیادہ! (فائقہ چپ ہو گئی شرما کر)

معین الدین:۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔

فائقہ:۔ (بے کسی کے ساتھ) آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں؟

معین الدین:۔ ہاں میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ تمہیں چاہتا ہوں پوجتا ہوں تمہیں۔

فائقہ:۔ (گھبرا کر) نہیں میں اس عزت افزائی کے قابل نہیں۔

معین الدین:۔ واقعی تم بہت نیک، بہت معصوم، بہت بھولی ہو .... فائقہ تم اسی قابل ہو کہ تمہیں چاہا جائے!

فائقہ:۔ (معصومیت سے) کیا یہ بات بھی سلطانہ کہہ رہی تھی؟

معین الدین:۔ (ہنس کر) نہیں — یہ بات سلطانہ نے نہیں میرے دل نے کہی تھی۔

فائقہ:۔ آپ دھوکے میں ہیں —— مجھ میں کوئی خوبی نہیں کوئی اچھائی نہیں
مجھ سے محبت کر کے آپ محبت کی توہین کر رہے ہیں!

معین الدین:۔ (قہقہہ لگا کر) میں نے تم سے کب صلاح لی تھی کہ تم سے محبت کر کے میں گناہ کر رہا ہوں، یا ثواب لوٹ رہا ہوں۔ یہ میرا فعل ہے
کیا تم میری محبت کا جواب محبت سے نہیں دو گی؟

فائقہ:۔ (سہم کر) جی —— ؟ جی —— ؟

معین الدین:۔ تم گھبرا کیوں رہی ہو؟ محبت کوئی جرم نہیں، اور پھر میں تم سے کوئی ایسا مطالبہ نہیں کرنا چاہتا جو اصول کے خلاف ہو۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ تمہیں جلال الدین سے مانگ لوں گا اور مجھے امید ہے بارگاہ شاہی میں میری درخواست رد نہیں ہوگی —— تم اس وقت بہت سہمی ہوئی ہو اب آرام کرو —— کل پھر ملیں گے

وہ چلا گیا!

فائقہ پھر رونے لگی!

دامان خیال یار

معین الدین مطمئن ہو کر چلا گیا —— اسے اطمینان تھا جلال الدین اس کی بات مان لے گا، فائقہ کا دامن اس کے ہاتھ میں دے گا۔ یہ اطمینان بھی تھا کہ ملکیت کی تبدیلی کے بعد فائقہ اس کی ہو جائے گی، دل سے چاہنے لگے گی اسے۔ اب نہیں چاہتی تو نہ چاہے، پھر تو وہ مجبور ہو جائے گی چاہنے پر! لونڈی کا کام ہی اس کے سوا کیا ہے کہ اپنے مالک کو خوش رکھے، اس سے محبت کرے، اس کی دلبستگی کا سامان مہیا کرے۔ فائقہ لاکھ خوبصورت ہو، سلیقہ مند ہو، تعلیم یافتہ ہو، نغمہ و رقص کے فن میں یکتا ہو، بہرحال وہ ایک باندی ہے اور باندی کتنی ہی بڑی اچھی شخصیت اور حسن و جمال کے اعتبار سے کیوں نہ ہو، لیکن وہ باندی ہی رہتی ہے —— اور پھر وہ سوچنے لگا فائقہ جب اس کی بن جائے گی، تو وہ اسے یوں چاہے گا... اس کے لئے اچھے اچھے زیور بنوائے گا، خوبصورتی ان زیوروں سے دوبالا ہو جائے گی۔ طرح دار اور شوخ رنگ کے کپڑے بنوائے گا، اس لباس میں اس کا حسن اور نکھر جائے گا، ایسا معلوم ہوگا کہ وہ آسمان سے اتری ہوئی ایک پری ہے اسے سامنے کے تارے جھک جھک کر

دیکھیں گے، چاند اس کی رعنائی اور زیبائی کا نظارہ کرے گا، چمن و چمن کے پھول اس کا روپ دیکھ کر شرما جائیں گے، شفق کا رنگ اس کے سامنے پھیکا پڑ جائے گا، اس کی آنکھوں سے جذب و کشش کی بجلیاں کوندیں گی، اور یہ بجلیاں میرے دل میں نشیمن بنا لیں گی
جب فائقہ میری ہوگی تو اس کی ہر چیز میری ہی ہوگی —— آہ کیا دن ہوں گے کیا راتیں ہوں گی۔ کیا سماں ہوگا۔

نیند اس کی ہے، دماغ اس کا ہے، راتیں اس کی ہیں
جس کے شانے پر تری زلفیں پریشاں ہو گئیں

یہ سب چیزیں میری ہو جائیں گی، کیونکہ فائقہ میری ہوگی!

معین الدین کی اب تک شادی نہیں ہوئی تھی، وہ کچھ عجیب من چلی طبیعت کا مالک تھا۔ طبیعت میں حسن پرستی کا مادہ بہت زیادہ تھا، جلد بازی بھی بہت تھی۔ جس چیز کو وہ پسند کر لیتا تھا اسے حاصل کرنے کیلئے جان کی بازی لگا دیتا تھا، ہر قیمت پر، ہر خطرہ میں پڑ کر، ہر مشکل سے مقابلہ کر کے وہ اسے لے کر رہتا تھا۔ آج تک اس نے ناکامی کا منہ نہیں دیکھا تھا اور کوئی وجہ نہیں تھی کہ اب وہ ناکام ہو، فائقہ کون سی ایسی بڑی چیز ہے جسے عطا کرنے میں جلال الدین ہچکچائے، وہ تو مجھے اتنا مانتا ہے کہ اگر اس کی تمام دولت کو بھی مانگ بیٹھوں تو وہ بھی عطا کر دے!

یہ سوچ کر وہ مسکراتا ہوا خوارزم شاہ کے خیمہ کی طرف بڑھا جیسے اب وہ فائقہ کو حاصل کرنے کا پروانہ لے کر ہی برآمد ہوگا!

—— اور ادھر فائقہ اب روتے روتے تھک چکی تھی!

وہ چپ چاپ بستر پر لیٹی کروٹیں بدل رہی تھی۔ یہ رات اس کے لئے شبِ بلا

مصیبت ہو رہی تھی، کسی پہلو قرار نہیں تھا، نیند کو پلک جھپکتی تھی، خیالات بکھرے ہوئے تھے۔ ایک عجیب دیو نما جلاد معین الدین کا تصور اسے اپنی طرف بڑھتا ہوا نظر آتا تھا اور اسے دیکھ کر لرز جاتی تھی، چیخ نکل گئی تھی۔ وہ خوارزم شاہ کے زیرِ سایہ زندگی بسر کرنا چاہتی تھی، ایسی زندگی پر موت کو ترجیح دیتی تھی جو کسی اور کے پاس گزارے!

وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی۔

کیا واقعی خوارزم شاہ مجھے معین الدین کے حوالہ کر دے گا!
کیا میں ملکیت کی اس تبدیلی کو منظور کر لوں گی!
لیکن میں انکار بھی نہیں کر سکتی!
میں ایک کنیز ہوں!

اور کنیز کی حیثیت ایسی ہی کیا ہے کہ وہ ہر خریدار کی خدمت کرے، بار بار بازاروں میں جائے، نئے نئے گھروں میں پہنچے، نئے نئے آقاؤں کا دل بہلائے، اسی طرح پوری جوانی کے دن گزار دے، اور ایک دن اس دنیا سے رخصت ہو جائے!

ایک لونڈی اور ایک آزاد عورت میں کتنا فرق ہوتا ہے —— کتنا بڑا اور عظیم فرق!

ایک آزاد عورت ماں باپ کے دامن میں پرورش پاتی ہے!
عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتی ہے اور پھر جب وہ جوان ہوتی ہے تو اس کے پیغامات آنے لگتے ہیں، اور ایک دن وہ کسی سے بیاہ دی جاتی ہے

شادی کے بعد لڑکی سے بیوی بن جاتی ہے، ایک گھر کی ملکہ، ایک خاندان

کی مالک، ایک شوہر کی محبوبہ کئی بچوں کی ماں!

بچے اس سے محبت کرتے ہیں، شوہر اس پر جان چھڑکتا ہے، گھر والے اس کی عزت کرتے ہیں۔ وہ اچھی نیند سوتی ہے، اپنی نیند جاگتی ہے، خفا ہو جاتی ہے تو لوگ اسے مناتے ہیں۔ خوش ہوتی ہے تو اس کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے مسکرانے لگتے ہیں۔ وہ جو مانگتی ہے ملتا ہے، جو چاہتی ہے وہ پاتی ہے۔ وہ اپنی مرضی کی پابند ہوتی ہے، جہاں چاہے جائے جس سے چاہے ملے۔ کبھی وہ خود مہمان بن جاتی ہے کبھی اس کے ہاں مہمانوں کے قافلے آتے ہیں۔ پہلی صورت میں وہ مہمان ہوتی ہے دوسری میں میزبان اور مہمان اور میزبان ہر حالت میں اس کی عزت کی جاتی ہے، توقیر کی جاتی ہے خاطر مدارت کی جاتی ہے۔ اسے دیکھ کر لوگ تکلف اور خلوص کا اتنا مظاہرہ کرتے ہیں کہ بچھ بچھ جاتے ہیں اور جب وہ بوڑھی ہو جاتی ہے تو اس کا احترام اور بھلائی پہلے سے بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے ——— اور جب وہ مرتی ہے تو نہ جانے کتنی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں، یہ آنسو ہوتے ہیں محبت کے، تعلق خاطر کے خلوص کے!

اور اس کے برعکس ایک باندی!

آہ!

ایک باندی بالکل بے بس ہوتی ہے!

وہ ماں باپ کو یاد بھی نہیں کر سکتی کبھی کسی گوشۂ چمن سے کھینچے ہوئے کبھی گھر میں سوتے ہوئے بردہ فروش اسے اٹھا لے جاتے ہیں کبھی دھوکہ دیکر کبھی تلوار کی صورت کبھی ڈاکہ ڈال کر کبھی چوری کر کے!

پھر اسے اچھا کھانا کھلایا جاتا ہے، اس لئے نہیں کہ اس کی صحت بنے، اس لئے کہ اس کی رنگت روپ نکھرے تاکہ زیادہ اچھے داموں بک سکے!

اسے اچھے اچھے قیمتی اور گراں مایہ کپڑے پہنائے جاتے ہیں ———

اس لئے نہیں کہ اچھے کپڑے پہننے کو اس کا جی چاہتا ہے، اس لئے کہ یہ کپڑے اس پر سجتے ہیں، اس لباس میں وہ اور زیادہ اچھی معلوم ہوتی ہے، اس طرح وہ اپنی قیمت دگنی چوگنی کر سکتی ہے

اسے رقص و موسیقی کی تعلیم بھی دی جاتی ہے

کیوں؟ ——— کس لئے؟ ——— کس کے لئے؟

اس لئے نہیں کہ یہ ایک فن ہے اور ایک لڑکی کو یہ فن سیکھنا چاہئے صرف اسلئے کہ اس فن میں کمال حاصل کئے بغیر مجلس میں اس کی بولی نہیں بولی جا سکتی

اسے کئی کئی زبانیں سکھائی جاتی ہیں،

اسے کئی کئی زبانیں سکھائی جاتی ہیں اسے باسلیقہ اور سگھڑ بنایا جاتا ہے،

اسے نفسیات اور انسانی کا رمز شناس بنایا جاتا ہے،

اسے خدمت اور سیوا کی تعلیم دی جاتی ہے!

اور بڑی ریاضت سے وہ ان سب باتوں کو سیکھتی ہے ——— اپنے ان دیکھے مالکوں کیلئے، جن کے مزاج، صورت، سیرت، اخلاق، کردار کسی چیز سے بھی وہ واقف نہیں ہوتی!

پھر اسے شہروں شہروں کی سیر کرائی جاتی ہے، تاکہ وہ تجربہ کار اور جہاندیدہ بن جائے، پھر اسے ہاٹ ہاٹ اور بازار بازار گھمایا جاتا ہے تاکہ منہ مانگے دام مل

فروخت کیا جائے اور ایک مرتبہ فروخت کرنے کے بعد پھر وہ بار بار بکتی رہتی ہے
ہر خریدار اس کا ذائقہ چکھ کر اس سے لذت اندوز ہو کر اس کی بوٹی بوٹی نوش کر کے
واپس پھر کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے یہاں تک کہ گھٹتے گھٹتے اسکی
قیمت اتنی کم ہو جاتی ہے کہ پھر اسے کوئی مفت بھی نہیں پوچھتا نہیں قبول کرتا!

اور خریدنے والے لوگ!

یہ شوقین مزاج گاہک!

یہ رنگ رلیاں منانے والے امرا!

یہ کیا ہوتے ہیں؟

کوئی ان میں شرابی ہوتا ہے، کوئی جرائم پیشہ، کوئی بوڑھا ہوتا ہے کوئی
جوان۔ کوئی موٹا ہوتا ہے کوئی دبلا، کوئی خوب صورت ہوتا ہے کوئی بد صورت
کوئی با اخلاق ہوتا ہے کوئی بے اخلاق، کوئی رحم دل ہوتا ہے کوئی قصائی ہوتا ہے
کوئی قدر کرتا ہے انعام و اکرام سے کوئی قدر کرتا ہے جوتے اور گھونسے سے!

باندی! ——— ان سب کی سیوا کرتی ہے، ان سب کی ہو رہتی ہے
ان سب کیلئے رات رات بھر جاگتی ہے۔ دن دن بھر اپنے فن پر ریاض کرتی
ہے، وہ بیمار ہو جب بھی اپنے فرائض سے غافل نہیں ہو سکتی، وہ مجبور ہو جب
بھی اسے اپنے مالک کے حکم کے سامنے سر جھکانا پڑتا ہے، اور کسی حالات میں
وہ اپنے ارادے، اپنی طبیعت پر عمل کرنے کی مجاز نہیں ہوتی!

نائلہ نے شعور کی آنکھیں جب سے کھولی تھیں اب تک نہ جانے کتنی باندیوں
کے ساتھ وہ رہ چکی تھی، ان کی داستانیں سن چکی تھی، ان میں کچھ ایسی تھیں جو اپنی زندگی

پر قانع تھیں، کچھ ایسی تھیں جو ذائقہ کی تبدیلی پر خوش ہوتی تھیں اور کچھ ایسی بھی تھیں جو
بیک وقت دو دو کام کرتی تھیں، آقا کی خدمت، اور آقا کے کسی ملازم سے یارانہ
دونوں کام اطمینان سے جاری رہتے تھے۔ دن بیتتے، مہینے اور برس گزر جاتے
تھے اور زندگی کا یہ نظام اس طرح چلتا تھا جیسے یہ ہمیشہ اسی طرح چلتا رہیگا اور پھر
ایک دن یک بیک بغیر پہلے سے اطلاع دیئے کسی اور کے ہاتھ فروخت کر دیا جاتا!
اور وہ اپنے آقا اور اپنے ہمراز کو چھوڑ کر یوں چلی جاتی تھی جیسے ان دونوں سے
کوئی تعلق ہی نہیں تھا، جیسے ان دونوں سے وہ کبھی ملی ہی نہیں تھی، جیسے یہ دونوں
کبھی اس کی زندگی میں داخل ہی نہیں ہوئے تھے!

نائلہ پر پھر کپکپی طاری ہو گئی اور اسکا دل کانپنے لگا۔ وہ سوچنے لگی،

کیا یہ سب کچھ میرے ساتھ بھی ہوگا؟

اور پھر اسے اپنا بچپن یاد آ گیا!

کچھ خواب سا!

کچھ خیال سا!

جیسے کوئی بہت پرانی اور بھولی بسری بات!

حافظہ پر زور دینے سے اسے یاد آیا کہ وہ ایک چھوٹے سے لیکن صاف ستھرے
گھر میں رہتی تھی، اس کی ماں خوب گوری چٹی اور ریشمی جسم کی تھی، اسکے کئی بھائی
بہن اور بھی تھے، اس کا باپ بوڑھا ہو چلا تھا لیکن اس کے بڑھاپے میں ایک
وقار تھا۔ ایک بانکپن تھا۔ ایک شان تھی!

پھر یاد آیا۔

ابا اور اماں مجھے کتنا پیار کرتے تھے؛ کوئی بھائی مجھے مار دیتا کوئی بہن مجھے چھیڑ دیتی تو دادا ابا سے معاف کرتے تھے، دادا اماں!

اور کچھ ننھی چھوٹی سہیلیاں!

جن کا نام ذہن سے اتر گیا ہے، جن کی دھندلی دھندلی سی تصویر حافظہ کے پردہ پر تھرک رہی ہے، کبھی وہ میرے ہاں آجاتیں، کبھی میں ان کے یہاں چلی جاتی

معلوم ہوتا ہے میرا گھرانہ دوسروں سے معاملہ میں زیادہ محترم تھا،

میری سکھیوں سہیلیوں کے ساتھ میرے گھر میں اخلاق، تپاک اور شرافت کا برتاؤ ہوتا تھا اور بس، لیکن جب میں ان کے ہاں پہونچ جاتی تو میری ایسی آؤ بھگت ہوتی جیسے کسی شہزادی کی!

وہ گھر کہاں تھا!

ہاں یاد آیا

ایک پہاڑی کے دامن میں!

کیا اچھا سبزہ تھا؟

کیسے اچھے چشمے تھے!

لوگ بھی کتنے اچھے تھے؟

میرے باپ کا نام کیا تھا؟ میری ماں کا نام کیا تھا؟ میرے بھائی بہن کا نام کیا تھا؟ پڑوس کے جو لوگ مجھے دیکھ کر مسکراتے، اٹھا کر پیار کرتے، پھر کاندھے پر بٹھا کر سیر کراتے۔ اس کا نام کیا تھا؟

کچھ نہیں یاد،

اور ہاں!

میرا گھر کہاں تھا؟

یہ بھی یاد نہیں!

صرف اتنا یاد ہے ایک روز میں ایک محل کے پائیں باغ میں کھیل رہی تھی ابھی ابھی میری سہیلی کھیلتے کھیلتے اس لئے بھاگ گئی تھی کہ آندھی آ رہی تھی، اور وہ شاید آندھی سے بہت ڈرتی تھی!

لیکن میں کھیلتی رہی!

اتنے میں بڑے زور کی آندھی آئی، ہر طرف اندھیرا چھا گیا، ساتھ ہی ساتھ بادل گھر آئے اور پانی برسنے لگا!

موسلا دھار بارش!

پھر اولے گرنے لگے،

دور سے آواز آئی ـــــــ جیسے میری سہیلی مجھے پکار رہی ہو، لیکن مجھے میری اماں یاد آ گئیں میں پائیں باغ سے نکل کر اپنے گھر کی طرف بھاگی، گھر تھوڑی ہی دور تو تھا مجھے اس وقت کوئی خیال نہیں تھا سوا اس کے کہ جلد از جلد اپنے گھر پہنچوں،

میں بھاگی بڑی تیز رفتاری سے!

مشکل سے چند قدم چلی ہوں گی کہ سامنے سے ایک سوار سرپٹ گھوڑا دوڑاتا ہوا، مجھے دیکھ کر اس نے گھوڑا روک لیا، اترا، پیار کیا، گود میں بٹھایا اور بڑی محبت بھرے لہجے میں کہا

چلو ہم گھر تک پہونچا دیں۔

میرے اشارے سے اسے اپنا گھر بتایا، وہ گھوڑے سے پرے ٹھہر کر ہوا ہو گیا،
میرے گھر کے بجائے نہ جانے کہاں لے کر چلا گیا۔ بستی سے نکلنے کے بعد وہ
چکارے کے بجائے سفر کرنے لگا، رات بھر دن تو وہ ڈاکو سا رہا، یہاں تک کہ وہ
ایک گھر میں پہنچا وہاں اور بھی کئی لوگ موجود تھے!

وہ لوگ میری طرف دیکھ دیکھ کر اشارے کرتے رہے جنہیں میں بالکل
سمجھ سکی سمجھنے کی کوشش بھی نہیں کی، بس روتی رہی۔۔۔ مجھے اپنی اماں یاد آ رہی
تھیں میں ان کی گود میں جا کر سکون حاصل کرنا چاہتی تھی!

آہ ——!

میری اماں مجھ سے بچھڑ گئیں

بردہ فروش لوگ مجھ پر انتہائی سختی کرتے، یہاں تک کہ میں ان کے اشاروں
پہ چلنے لگی پھر کسی اور نے خرید لیا، اس نے مجھے اچھی طرح رکھا، پڑھایا لکھایا، تعلیم
دی، تربیت کا انتظام کیا، فنون لطیفہ سکھائے، لباس اور زیور مجھے لا دیا،

رفتہ رفتہ میں سب کچھ بھول گئی

اس نئی زندگی سے مانوس ہو گئی اور بقول بردہ فروش آغا کے زمیں نے
مجھے بچپن سے جوانی تک پالا پوسا، اب میں کچھ سے کچھ ہو گئی تھی!

کچھ سے کچھ کیا تھا؟

اسے لفظوں میں بتانا تو مشکل ہے!

ہاں اتنا کہہ سکتی ہوں، گھنٹوں آئینہ دیکھا کرتی اور دیکھ دیکھ کر خوش ہوا
کرتی۔ آئینہ دیکھ کر مجھے کچھ عجیب قسم کی آسودگی حاصل ہوتی، ایک عجیب قسم کا غم محسوس

رہتا۔ ایسا معلوم ہوتا جیسے میں کوئی اور مخلوق ہوں اور دوسرے لوگ مجھ سے کہیں زیادہ
پست درجے کی ہیں، بردہ فروش آغا کے پاس اور بھی کئی لڑکیاں تھیں، وہ خوبصورت
اور طرحدار بھی تھیں، ہفت زبان اور ماہر فنون لطیفہ بھی تھیں، لیکن انہیں وہ بات
نہیں حاصل تھی جو مجھے تھی!

آغا مجھ سے مرعوب تھا، اس کے ملازم میرا ادب کرتے تھے، اس کے گھر والے
مجھ سے آنکھ ملا کر بات نہیں کر سکتے تھے، میری جیسی لڑکیاں میرے سامنے احساس
کمتری کے مرض میں خود بخود مبتلا ہو جاتی تھیں۔ آغا میری اس طرح میری حفاظت
کرتا تھا، اور چشم بد سے محفوظ رکھتا تھا جیسے کوئی جوہری کوہ نور ہیرے کی کر سکتا ہے
—— آغا کا خیال تھا کہ میں اتنی گراں قیمت ہوں کہ میری قیمت ہر بادشاہ
بھی نہیں ادا کر سکتا مجھے وہی بادشاہ خرید سکتا تھا، جو عالم کا دل رکھتا ہو ——
—— اور ایک روز عالم کا دل رکھنے والا بادشاہ مل گیا!

جلال الدین خوارزم شاہ نے مجھے خرید لیا۔

اس نے آغا کے سامنے سونے اور چاندی کی تھیلیاں ڈھیر کر دیں

آغا خوشی خوشی آیا تھا خوشی خوشی چلا گیا۔

خوارزم شاہ کے محل میں آنے کے بعد واقعی میری قسمت چمک گئی۔

اب مجھے اندازہ ہوا کہ میں کیا کچھ ہوں۔

لیکن یہ خوشی کتنی ناپائیدار تھی۔

خوارزم شاہ نے مجھے منہ مانگے داموں خرید لیا لیکن مجھے اپنی التفات سے محروم
رکھا، وہ جب مجھے دیکھ کر مسکرایا، میری راحت اور آسائش کا انتظام کیا، میرے تعلق سے

خوشی ہوا مجھے نوازا ـــــ مالا مال کر دیا مجھے!

بس ـــ!

نہیں مجھے روپیہ نہیں چاہیئے، ہیرے جواہر نہیں چاہئیں، سونے اور چاندی کے زیور نہیں چاہئیں، اطلس و کمخواب کا لباس نہیں چاہیئے، گراں قیمت موتیوں کا مالا نہیں چاہیئے ـــ مجھے کچھ نہیں چاہیئے صرف جلال الدین چاہیئے

میں خوارزم شاہی کی دولت نہیں چاہتی خوارزم شاہ کو چاہتی ہوں

میں نے اسے جب پہلی مرتبہ دیکھا تھا، تو میرا دل دھڑکنے لگا تھا!

اب جب میں اس کے سامنے ہوتی ہوں تو دل قابو سے باہر ہو جاتا ہے

شاید میں اس سے محبت کرنے لگی ہوں، اگر محبت نہیں تو اور کیا ہے؟ ـــــ

لیکن کیا اس محبت کا انجام یہ ہوگا کہ میں امین الدین کے حوالہ کر دی جاؤں؟

ـــ؟

آہ کیا ایسا ہوگا؟ کیا اتنا بڑا ظلم میں برداشت کر سکوں گی؟ ـــ

سنبھلنے دے مجھے اے ناامیدی کیا قیامت ہے
کہ دامانِ خیالِ یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے

اشک و تبسم

صبح جب فائقہ بیدار ہوئی تو اس کی طبیعت بہت سست تھی، انگڑائیں پہ انگڑائیاں آ رہی تھیں، منہ کا مزہ بھی خراب تھا، کچھ کچھ حرارت بھی معلوم ہو رہی تھی۔

یکایک حکم ہوا کہ سب لوگ چلنے کو تیار ہو جائیں، بات یہ تھی کہ جلال الدین کا یہاں سیر و شکار میں جی نہیں لگا۔ وہ تاتاریوں کی پیہم اور مسلسل یورش سے بہت گھبرایا ہوا تھا، اس نے اگرچہ نظم مملکت مستحکم کر لیا تھا، لیکن ان مسلسل حملوں اور یورشوں نے اس کی جمعیت خاطر چھین لی تھی، واپس آنے کے بعد سب لوگ اپنے کام میں لگ گئے

فائقہ بھی چپ چاپ اپنے ایوان میں پہونچ گئی اور بستر پر لیٹ گئی۔ اسے لیٹے ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی ہوگی کہ راضیہ پہونچی، یہ بھی ایک کنیز تھی، وہ فائقہ سے بہت ہل مل کر رہتی تھی!

راضیہ آکر فائقہ کے پاس بیٹھ گئی، اس نے بڑے محبت بھرے لہجہ میں کہا،

راضیہ: کیا بات ہے فائقہ بہت افسردہ اور نڈھال نظر آ رہی ہو، کسی نے کچھ کہا ـــ میرا مطلب ہے سلطانہ نے یا کسی منہ چڑھی سہیلی

سنے؟

فائقہ :۔ نہیں بہن کسی نے کچھ نہیں کہا۔

راضیہ :۔ پھر کیا بات ہے؟ ــــ ہم سے نہ چھپاؤ ورنہ ہم رو دیں گے... تمہارے سوا ہمارا یہاں اور ہمدرد و غمخوار ہے بھی کون؟

فائقہ :۔ لیکن کچھ کیا بات بھی تو ہو؟

راضیہ :۔ اتنا پریشان ہم نے تمہیں کبھی نہیں دیکھا، جتنی آج نظر آ رہی ہو، ضرور لڑائی ہوئی ہے کسی سے؟

فائقہ :۔ ہاں ہوئی ہے...... بڑی سخت!

راضیہ :۔ (اشتیاق سے) تو بتاؤ کس سے ہوئی ہے؟

فائقہ :۔ دل سے... میری لڑائی اسی سے جب دیکھو جب ہوا کرتی ہے اور کسی سے نہیں لڑتی!

راضیہ (مسکرا کر) ہاں میں سمجھ گئی!

فائقہ :۔ کیا سمجھیں؟ ــــ بے وقوف کہیں کی۔

راضیہ :۔ تم محبت کرنے لگی ہو کسی سے ــــ کیوں کیسی کہی؟

فائقہ :۔ محبت؟ ــــ یہ کیا چیز ہے؟

راضیہ :۔ یہ لو یہ محبت بھی نہیں جانتیں ــــ بڑی بھولی بڑی معصوم!

فائقہ :۔ ہاں میں نہیں جانتی۔

راضیہ :۔ کیوں نہیں جانتیں...... کون نہیں جانتا محبت کو؟ بس ایک تم ہی اتنی بھولی بھالی ہو کہ محبت سے ناواقف ہو ــــ میں تو نہیں

مانتی!

فائقہ :۔ نہ مانو۔ تمہارے نہ ماننے سے کیا ہوتا ہے...... یعنی بات یہ ہے کہ محبت کی ہوتی تو جانتی بھی...... تم نے کی ہے کسی سے محبت؟

راضیہ :۔ تم سے کیا چھپاؤں گی؟...... ہاں کی ہے!

فائقہ :۔ بس اسی طرح پیچ پیچ کہتی رہو ــــ کس سے؟

راضیہ :۔ سرگوشی کے لہجہ میں، بتا دوں!

فائقہ :۔ ہاں۔ کیا مجھ سے بھی چھپاؤ گی...... کیوں!

راضیہ :۔ نہیں...... لیکن......!

فائقہ :۔ نہیں اور لیکن سے کام نہیں چلے گا۔ اگر شرم آتی ہے تو آنکھیں بند کر لو اور نام بتا دو!

راضیہ :۔ لیکن بتانے سے فائدہ؟

فائقہ :۔ یہ بتانے کے بعد معلوم ہو گا!

راضیہ :۔ پھر نہیں تم چھیڑا کرو گی! ستایا کرو گی!

فائقہ :۔ نہیں چھیڑیں گے، نہیں ستائیں گے!

راضیہ :۔ تم بھی تو جانتی ہو انہیں۔

فائقہ :۔ یا اللہ ــــ ان اشاروں سے کب تک کام کرو گی۔ ہمت کرو اور لے دو نام اپنے محبوب کا!

راضیہ :۔ مجھے نہیں تو انہیں چھیڑا کرو گی؟

فائقہ :۔ اللہ کی بندی نہ تجھے ستاؤں گی نہ انہیں لیکن اگر تو پہیلیاں بجھواتی رہی

تو واقعی کہہ دوں گی سب سے کہ پھوپھو کری عشق کرنا سیکھ رہی ہے ،

راضیہ :۔ اگر کبھی نام لیا اس کا تو روٹھ جاؤں گی تم سے !

فائقہ :۔ بھئی حلف لے لو۔ قسم لے لو لیکن اب وقت ضائع نہ کرو !

راضیہ :۔ (شرماتے ہوئے) ان کا نام ہے ـــــ اونہہ نہیں بتاتے !

فائقہ :۔ پھر وہی شرارت ۔ ـــ بتاؤ !

راضیہ :۔ تم امیر معین الدین کو نہیں جانتیں ؟

فائقہ :۔ (مسکرا کر) اچھا تو یہ کہو بڑی اڑتی اڑتی ہیں !

راضیہ :۔ آخر تم نے چھیڑ کر شرمندہ کر دیا !

فائقہ :۔ اچھا میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں ، لیکن ایک بات تو بتاؤ خود امیر معین الدین بھی تم سے محبت کرتے ہیں ؟ ـــــ سچ سچ کہنا !

راضیہ :۔ یہ میں نہیں جانتی ،

فائقہ :۔ واہ ری لڑکی ـــــ یہ نہیں جانتی اور خود محبت شروع کر دی

راضیہ :۔ جب میں کرتی ہوں تو ضرور کریں گے ـــــ تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے !

فائقہ :۔ عورت کی تالی ایک ہی ہاتھ سے بجتی ہے پگلی ـــ آخر تو نے کیسے جانا کہ وہ تجھ سے محبت کرتے ہیں ؟

راضیہ :۔ مجھے دیکھ کر مسکراتے ہیں ، باتیں کرتے ہیں ۔ گانا سنتے ہیں میرا ،

فائقہ :۔ بس اتنا ہی ؟

راضیہ :۔ ہاں تو اور کیا یہ اتنا کافی نہیں ہے ؟

فائقہ :۔ یہ تم جانو ، میں کیا کہہ سکتی ہوں ـــ ہاں یہ بتاؤ کب سے تمہاری اور امیر معین الدین کی ملاقات نہیں ہوئی !

راضیہ :۔ اکثر ہوتی رہتی ہے ـــ آج بھی ملے تھے !

فائقہ :۔ پھر کیا باتیں ہوئیں ؟

راضیہ :۔ آج تو کوئی بات نہیں ہوئی

فائقہ :۔ ملاقات ہوئی لیکن بات نہیں ہوئی ـــ یہ کیا !

راضیہ :۔ میں کیا جانوں ! ـــ میں خود ہی گئی تھی ان کے پاس بیٹھی رہی پھر اٹھ آئی ! ـــ نہ جانے کیا سوچ رہے تھے ! ایسا معلوم ہوتا ہے کسی فکر میں تھے ، ـــ نہ جانے کیا سوچ رہے تھے ، میں خود فکر مند ہوں جب سے

فائقہ :۔ تو تم نے کوئی بات چھیڑ دی ہوتی !

راضیہ :۔ چھیڑی تو تھی ، ٹھیک ، ہنسیں بھی ،

فائقہ :۔ کیا کہا تھا تم نے ؟ ـــ ؟

راضیہ :۔ میں نے کہا تھا اکیلے اکیلے سیر و شکار کو گئے ہمیں بھی لے چلتے تو کیا ہو جاتا ؟ ہم یہاں تڑپتے رہے اور خود مزے کرتے رہے !

فائقہ :۔ تو اس کا جواب کوئی نہیں دیا ؟ ـــ کچھ تو کہا ہوگا ؟

راضیہ :۔ کچھ نہیں ، سر اٹھا کر دیکھا پھر نظر جھکا لی ، کچھ بولے نہیں جب زیادہ دیر ہو گئی تو میں اٹھی ، میں نے کہا ، اچھا اب چلتی ہوں ، پھر آؤں گی ،

فائقہ :۔ جب بھی کچھ نہیں بولے ، بڑے عجیب آدمی ہیں ،

راضیہ :۔ نہیں آدمی تو بڑے اچھے ہیں لیکن اس دن سے جب سے سلطان جلال الدین

سے کچھ ان بن ہو گئی،

نائلہ :۔ واہ بھلا میرا، سلطان میں بھی کہیں ان بن ہو سکتی ہے ؟

راضیہ :۔ پھر ہو گا کچھ ہمیں کیا

نائلہ :۔ اچھا راضیہ یہ تو کہو، اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ امیر معین الدین تمہارے بجائے کسی اور کو چاہتے ہیں، تم تب کیا کرو گی ؟

راضیہ :۔ کیا کریں، مجھے کیا ؟

نائلہ :۔ تم جلو گی نہیں اس سے!

راضیہ :۔ ضرور جلوں گی، موقع ملا تو مار بھی ڈالوں گی

نائلہ :۔ اور امیر کو کچھ نہیں کہو گی، کسی کو سالی کسی کو بدھائی!

راضیہ :۔ مردوں کو کچھ کہا جا سکتا ہے، ان کا کام ہی اور کیا ہے، ہم تو یہی جانتے ہیں اور اپنے ہی بارے میں کہہ سکتے ہیں!

نائلہ :۔ اپنے بارے میں کیا کہہ سکتی ہو ؟

راضیہ :۔ کہ جس سے محبت کریں گے، آخر دم تک کریں گے !

نائلہ :۔ خواہ وہ کیسا ہی ہرجائی ہو؟

راضیہ :۔ ایسی باتیں نہ کرو، وہ ایسے نہیں ہیں، بڑے اچھے آدمی ہیں !

نائلہ :۔ اچھے آدمی ہیں —— مجھے تو لگت نہیں کہتی،

راضیہ :۔ سچ وہ بڑے اچھے آدمی ہیں،

نائلہ :۔ ارے وہ بڑے حضرت ہیں، تو خود جیسی نیک اور بھولی ہے سب کو ویسا ہی سمجھتی ہے!

راضیہ :۔ اچھا بھئی وہ جانیں، ہم جانیں کسی کو کیا؟

نائلہ :۔ ہاں یہ بات کہی تم نے پتے کی اب ہم چپ ہوتے ہیں:

ان دونوں میں یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک چوبدار ہانپتا کانپتا آیا اس نے نائلہ سے کہا

۔ سلطان نے یاد فرمایا ہے آپ کو!

نائلہ کا رنگ رخ یہ حکم سنکر بدل گیا اس کے رخساروں پر سرخی سی دوڑ گئی،

سلطان نے بلایا ہے!

اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا!

۔ واللہ گھڑی ہوئی،

نائلہ :۔ سلطان نے بلایا ہے؟

چوبدار :۔ جی سلطان نے یاد فرمایا ہے!

نائلہ :۔ چلو میں چلتی ہوں ——!

چوبدار چلا گیا، اس کے جاتے ہی نائلہ نے لباس بدلا بناؤ سنگار کیا اور چودھویں رات کا چاند بن کر وہ سلطان کے ایوان کی طرف روانہ ہو گئی!

راستہ بھر اس کا دل دھڑکتا رہا، وہ سوچتی رہی کیوں بلایا ہے!

کیا وہ میرا گانا سنیں گے؟

ناچ دیکھیں گے؟

مجھ سے التفات کی باتیں کریں گے؟

میری دلدہی کریں گے؟

مجھے کوئی خوشخبری سنائیں گے؟

یہاں تک کہ وہ سلطان کی آرام گاہ میں پہونچ گئی اس وقت سلطان مسرور نظر آرہا تھا۔ ذرا بھی نحوست نظر نہیں آرہا تھا۔ سامنے امیر معین الدین بیٹھا تھا، وہ بھی مسکرا رہا تھا۔ ابھی ابھی شاید اس نے کوئی لطیفہ سنایا تھا جس سے خوش ہو کر سلطان مسکرا رہا تھا۔

نائلہ جب سامنے پہونچی تو معین الدین سے آنکھیں چار ہوئیں!

وہ بھی مسکرا رہی تھیں!

پھر سلطان سے آنکھیں ملیں

اس کے تبسم میں التفات اور توجہ کی جھلک تھی!

سلطان نے فرمایا۔

"تم آگئیں نائلہ"!

نائلہ :۔ آگئی میرے آقا! حکم ملا۔ اور کنیز چلی آئی۔

خوارزم شاہ :۔ بہت دنوں سے ہم نے تمہارا گانا نہیں سنا!

نائلہ :۔ یہ کنیز کی بدقسمتی ہے!

خوارزم شاہ :۔ نہیں یہ تمہاری نہیں ہماری بدقسمتی ہے، مہمات سلطنت اور امور مملکت ہمیں سر اٹھانے کی مہلت نہیں دیتے، اندرونی شورشیں اور بیرونی یورشیں ہمیں کچھ سوچنے کا ذرا بھی موقع نہیں دیتیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اب چنگ و رباب سے ہماری دلچسپی تقریباً ختم ہو چکی ہے، تلوار ہی نغمہ کا کام دیتی ہے!

ان باتوں کا نائلہ نے کوئی جواب نہ دیا، وہ سر جھکائے سنتی رہی!

خوارزم شاہ :۔ ہم جانتے ہیں تم اپنے فن میں کتنی کامل ہو، لیکن تمہارے فن کو ہمارے محل میں زنگ لگ رہا ہے، تم حسین و جمیل ہو، شعر و ادب سے واقف ہو، کتنی زبانیں جانتی ہو، لیکن تمہارا کوئی ہنر بھی ہمارے کام نہیں آرہا ہے!

نائلہ بدستور خاموش تھی!

خوارزم شاہ :۔ ہم نے سوچا ہے تمہیں امیر معین الدین کے حوالہ کر دیں، وہ تمہیں بہت آرام اور سکھ سے رکھیں گے!

یہ سنکر نائلہ کا خون خشک ہو گیا!

خوارزم شاہ :۔ کیوں نائلہ ہماری تجویز منظور ہے نہیں!

نائلہ :۔ ایک کنیز آقا کی کسی تجویز کو رد نہیں کر سکتی!

خوارزم شاہ :۔ نہیں نہیں بتاؤ، ہمارا یہ فیصلہ تمہیں ناگوار تو نہیں ——؟

دفعتاً نائلہ کا دل مضبوط ہو گیا! اب تک اس کی گھگھی بندھی ہوئی تھی اب اس میں بولنے کی طاقت پیدا ہو گئی، اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا

نائلہ :۔ میرے آقا مجھے یہ آپ کی تجویز منظور نہیں۔

یہ سنکر معین الدین کے تلووں کے نیچے سے زمین نکل گئی!

خوارزم شاہ :۔ تم معین الدین کو ناپسند کرتی ہو!

نائلہ :۔ میں کسی کو پسند نہیں کرتی، میں صرف ——————

اور یہ کہتے کہتے وہ رونے لگی

خوارزم شاہ کو ترس آگیا!

اور سے قدر رونے لگیں ـــــ اچھا ہم تمہیں آزاد کرتے ہیں، جہاں چاہو جاؤ جہاں چاہو رہو جو چاہو کرو، جتنی قیمت پر ہم نے تمہیں خریدا تھا، اتنا ہی روپیہ ہم عطا کرتے ہیں، تم اپنی زندگی کی مالک ہو، جس طرح چاہو اسے بتا دو

(مسکرا کر) غالباً ہماری اس تجویز سے تمہیں اتفاق ہوگا ـــــ

فائقہ: کیا اب بھی آپ کنیز کی رائے لے رہے ہیں؟

خوارزم شاہ: ہاں ـــ کیا اختلاف ہے تمہیں؟

فائقہ: (لرزتی آواز سے) میرے آقا! اتنا ہی شدید اختلاف جتنا پہلی تجویز سے تھا!

خوارزم شاہ: (حیرت سے) تم آزاد ہونا بھی نہیں چاہتیں؟

فائقہ: نہیں میرے آقا ہرگز نہیں۔

خوارزم شاہ: پھر آخر تم کیا چاہتی ہو؟

فائقہ: آپ کے قدموں میں رہنا چاہتی ہوں۔ آپ کی کنیز بنی رہنا چاہتی ہوں، مجھ سے سب کچھ چھین لیجئے مگر یہ نعمت نہ چھینئے۔

خوارزم شاہ: (متحیر ہو کر) تم غلامی کو نعمت کہہ رہی ہو؟

فائقہ: آپ کی غلامی کو! ـــــ میں آپ کی غلامی سے آزاد ہونا نہیں چاہتی!

جلال الدین: آخر کیوں؟ ـــــ ایسی باتیں ہم نے کسی سے آج تک نہیں سنیں!

فائقہ پھر خاموش ہو گئی!

سلطان نے معین الدین کو مخاطب کیا،

ہم نے تمہاری خوشی پوری کرنی چاہی تھی لیکن اب ہم مجبور ہیں!

معین الدین کا دل اچھا! فائقہ کا ساتھ چاہتے لیکن سلطان کے سامنے بے بس تھا!

خوارزم شاہ: ہم محل کی ... جس کنیز کو چاہو لے لو، ہماری طرف سے اجازت ہے لیکن فائقہ اگر نہیں جانا چاہتی تو ہم اس پر جبر نہیں کر سکتے ـــــ یہ انسانیت کے خلاف ہے۔ اس کی باتوں سے ہم اس وقت بہت متاثر ہوئے۔

پھر خوارزم شاہ فائقہ سے مخاطب ہوا،

اب تم جا سکتی ہو!

وہ مسکراتی ہوئی چلی گئی!

اس نے سب سے بڑی نعمت پا لی تھی!

راضیہ اور فائقہ

خوارزم شاہ کے فیصلے سے فائقہ کو بڑی تسکین ہوئی اس کے دل کا بوجھ اتر گیا وہ محسوس کرنے لگی۔ میری محبت کا صلہ مجھے مل گیا ——

یہ کیا کم ہے کہ جس کی محبت کے شرارے دل میں اٹھ رہے ہیں، سامنے قرب کی نعمت حاصل رہے گی، اس کے قدموں سے لگی رہوں گی، اس کے حضور میں حاضر ہوتی رہوں گی اس کی باتیں سنتی رہوں گی ——

پھر وہ سوچنے لگی

بس یہی ہے، اس سے زیادہ مجھے اور کچھ نہیں چاہیئے۔

کلاہ گوشۂ دہقاں بہ آفتاب رسید

وہ جب جلال الدین خوارزم شاہ کے ایوان زرنگار سے اپنے حسرت کدہ میں واپس آئی تو وفور مسرت سے اسکی باچھیں کھلی جا رہی تھیں، ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے کوئی بہت بڑی نعمت مل گئی ہو،

راضیہ اس کے انتظار میں تھی —— وہ دیکھ رہی تھی آج فائقہ بہت

ملول اور غمگین ہے، خاموش اور افسردہ ہے۔ دربار شاہی میں جاتے وقت اسکے چہرے پر پژمردگی چھائی ہوئی تھی، لیکن واپس آئی تو مسرت اور انبساط کی کیفیت اس پر طاری تھی، پاؤں دھرتی کہیں تھی پڑتے کہیں تھے، اس انقلاب پر راضیہ کو بہت تعجب ہوا اس نے کہا

راضیہ :- بڑی خوش نظر آرہی ہو .... جیسے کوئی بہت بڑی نعمت مل گئی ہو!

فائقہ :- (خوش و مسرت کیسا تھا) ہاں ملی تو ہے نعمت، مگر تمہیں کیوں جلن ہو رہی ہو؟

راضیہ :- خدا نہ کرے، میں کیوں جلنے لگی، میں تو تمہیں اپنی بہن سمجھتی ہوں تمہاری خوشی میری خوشی ہے، تمہاری ترقی میری ترقی ہے —— سچ کہنا کیا سرفرازی ہوئی!

فائقہ :- کچھ نہیں —— جیسی گئی تھی ویسی ہی واپس آگئی!

راضیہ :- پھر اتنی خوش کیوں ہو، باچھیں کھلی جا رہی ہیں، ہنوز قہقہے ٹوٹے جا رہے ہیں —— ہم سے چھپاؤگی؟ نہیں بتاؤگی؟

فائقہ :- کچھ لگی ہوئی ہے، تجھ سے کیا چھپاؤں گی؟

راضیہ :- تو پھر بتاؤ، دربار میں کیا ہوا؟

فائقہ :- بتاؤں، لیکن تجھے خوشی نہ ہوگی، افسوس ہوگا!

راضیہ :- ایسی بات پر مسرور نظر آرہی ہو جو میرے لئے غم کا سبب بن سکتی ہے؟

فائقہ :- ہاں! خدا نہ کرے، ایسا ممکن ہے کہیں!

راضیہ :- پھر مجھے افسوس کیوں ہو گا؟

rekhta

فائقہ: وہ بات ہی ایسی ہے، ایک پہلو ایسا ہے جس سے تم خوش ہو گی اور دوسرا
ایسا ہے، جس سے تمہیں صدمہ ہو گا!

راضیہ: کچھ بھی ہو، میں سننے کو تیار ہوں۔ بتاؤ کیا بات ہے؟

فائقہ: جانتی ہو سلطان نے مجھے کیوں یاد فرمایا تھا؟

راضیہ: نہیں ـــ جانتی ہوتی تو پوچھتی کیوں؟

فائقہ: سلطان نے اس لئے بلایا تھا کہ مجھے امیر معین الدین کی کنیز میں دے دیں،

راضیہ: (متحیر ہو کر) اوہ ـــ یہ سلطان کو کیا سوجھی؟ کیا صرف امیر
معین الدین ہی اس عطیے کے قابل رہ گئے تھے؟

فائقہ: سلطان اس لئے امیر الدین کے حوالے کر رہے تھے کہ خود امیر معین الدین
نے یہ استدعا کی تھی!

راضیہ: (رنجیدہ ہو کر) سچ کہو،

فائقہ: تیرے سر کی قسم سچ ـــ وہ تو میرے اور سلطان کے پیچھے
پڑے ہوئے تھے۔ لیکن میں راضی نہیں ہوئی!

راضیہ: لیکن تمہاری نارضامندی سے کیا ہوتا ہے، سلطان تو راضی ہو گئے!
امیر نے تو التجا کی!

فائقہ: لیکن میں نے یہ التجا ٹھکرا دی،

راضیہ: لیکن سلطان کو کیا کرو گی تم؟ ـــ ان کے سامنے زبان کھل سکے
گی تمہاری؟

فائقہ: کیوں نہیں کھلے گی؟ ـــ کھلے گی، کھلی، اور میں نے دل کی بات کہہ دی!

راضیہ: (ذرا حیران سے) کیا کیا تم نے؟

فائقہ: میں نے کہہ دیا، میں امیر کے ساتھ نہیں جانا چاہتی؟

راضیہ: پھر سلطان نے کیا کہا؟

فائقہ: سلطان نے فرمایا تو ہم بھی مجبور نہیں کر سکتے، تمہیں اختیار ہے جہاں چاہو رہو۔

راضیہ: اب میں سمجھی یہ بات ہے!

فائقہ: ہاں دیکھ لیا اپنے امیر کو؟

راضیہ: دیکھ لیا ـــ

پھر اس نے ٹھنڈی سانس لی، آنکھوں میں آنسو بھر آئے!

فائقہ نے اس کے آنسو پونچھے اور کہا

"یہ دنیا ہے یہاں ہر روز اسی طرح کے کھیل ہوتے رہتے ہیں، تقدیر اور
مشیت کے سامنے کسی کی نہیں چلتی!"

راضیہ ابھی جواب میں کچھ کہنے پائی تھی کہ امیر معین الدین آتا ہوا نظر آیا۔
اسے آتا دیکھ کر راضیہ اٹھی اور اپنی آرام گاہ کی طرف روانہ ہو گئی۔ فائقہ سوچنے لگی
دیکھئے اب کیا گل کھلاتا ہے؟

نکاح کی تجویز

معین الدین نے راضیہ کی سنجیدگی یا افسردگی پر ذرا بھی توجہ نہیں کی، وہ سیدھا فائقہ کے پاس گیا۔ فائقہ نے گرمجوشی کے ساتھ اس کا استقبال کیا اور مسکراتے ہوئے کہا!

فائقہ:۔ اس وقت کیسے تشریف لے آئے آپ؟

معین الدین:۔ کیا تمہیں میرا آنا بھی گوارہ نہیں؟ ——— اگر ناگوار ہو تو چلا جاؤں؟

فائقہ:۔ ایسی بے ادبی کی بات تو میں نہیں کہہ سکتی ——— تشریف رکھئے!

معین الدین:۔ فائقہ تم نے آج یہ اچھا نہ کیا .... تم نے میری توہین کی۔

فائقہ:۔ جانتی ہوں آپ میر کبیر ہیں، سلطان کے معتمد علیہ ہیں۔ آپ کی بات چلتی ہے، آپ کا سکہ چلتا ہے، آپ سیاہ کو سفید، اور سفید کو سیاہ کر سکتے ہیں، بہت سے لوگوں کی زندگی آپ کے ہاتھ میں ہے۔ آپ کے ایک اشارہ پہ گردنیں کٹ سکتی ہیں، اور جلاد کی تلوار کند ہو سکتی ہے ———

لیکن اتنے اقتدار و اختیار کے باوجود آپ میں یہ قدرت نہیں کہ کسی کا دل بدل سکیں۔

معین الدین:۔ ہاں میں دل نہیں بدل سکتا، لیکن مزاج بدل سکتا ہوں!

فائقہ:۔ آپ مزاج ہی نہیں زندگی بھی بدل سکتے ہیں ——— ضرور بدل دیجئے میں ہر سزا بھگتنے کے لئے تیار ہوں!

معین الدین:۔ نہیں میں سزا نہیں دے سکتا، لیکن آج کا واقعہ بھول بھی نہیں سکتا! میں پھر کہتا ہوں تم نے میری توہین کی اور یہ اچھا نہ کیا!

فائقہ:۔ میں آپ کی توہین کرنے کی جرأت نہیں کر سکتی ...... کیسے یہ جرأت کر سکتی ہوں بھلا؟

معین الدین:۔ تم نے مجھے ٹھکرایا، تم نے مجھے سلطان کے سامنے ذلیل کیا!

فائقہ:۔ میں نے آپ کو ٹھکرایا نہ میں نے آپ کو ذلیل کیا۔ بس صرف یہ کیا کہ دل کی بات زبان پر لے آئی!

معین الدین:۔ یعنی مجھے نامنظور کر دیا .... سوچو تو کیا کہا ہوگا سلطان نے اپنے دل میں؟

فائقہ:۔ صرف یہ کہا ہوگا کہ یہ فائقہ ایک ایسی کنیز ہے جس کا دماغی توازن درست نہیں جو حد سے زیادہ بے وقوف ہے جسے آزادی دی گئی لیکن اس نے آزاد ہونے سے انکار کر دیا، جسے مملکت کے ایک بڑے رئیس کو سونپا گیا لیکن اس کی کنیزی قبول کی اور اس نے اپنے شاندار مستقبل پر لات مار دی ——— اور کیا کہا ہوگا؟

معین الدین:۔ تمہیں کبھی اس کا احساس ہوگا کہ اپنے شاندار مستقبل کو تم نے ٹھکرا دیا؟

فائقہ:۔ بے شک ہے ...... حقیقت بہرحال حقیقت ہے!

معین الدین:۔ اگر اب بھی تم اپنے رویّے، اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی کرو، تو بگڑی بات آسانی سے بن سکتی ہے۔

فائقہ:۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر اپنے معروضات پیش کئے تھے!

معین الدین:۔ اب میں ایک دوسری تجویز لے کر آیا ہوں اس پر غور کرو گی؟

فائقہ:۔ ضرور ...... فرمائیے، وہ نئی تجویز کون سی ہے؟

معین الدین:۔ میں اس پر تیار ہوں کہ سلطان تمہیں آزاد کر دیں، اور میں تم سے نکاح کر لوں، جو رقم انہوں نے بطور انعام تمہیں دی ہے وہ واپس نہ لی جائے۔

فائقہ:۔ آپ نے تین باتیں کہی ہیں تینوں کا جواب الگ دوں گی!

مجھے آزادی نہیں چاہیئے!

اس لئے کہ آزادی کی تمنا اسے ہوتی ہے جس کے دل میں امنگ ہو، ولولہ ہو آرزو ہو، کچھ کرنے کی لگن ہو، زندگی کا کوئی پروگرام اس کے پیشِ نظر ہو ...... جب یہ کچھ نہیں تو آزادی لے کر کیا کروں گی؟

میں نکاح کرنا بھی نہیں چاہتی!

اس لئے کہ نکاح اس کو کرنا چاہیئے جو گھریلو زندگی بسر کرنے کی شائق ہو میرے دل میں آج تک یہ جذبہ نہیں پیدا ہوا۔

رہی انعام کی رقم

تو میرے دل میں اس کی کوئی اہمیت نہیں، میں نے اسے صرف اسلئے

قبول کر لیا کہ عطیہ سلطانی تھا! اور سلطانی عطیہ کو رد کرنا بدتمیزی اور گستاخی ہے ــــ باقی وہ رقم میرے کس کام کی ہے؟

یوں ہی پڑے رہیں گے میرے پاس، جسے ضرورت ہو وہ لے جائے!

اب جائیے؛ ــــ اب کیا کہتے ہیں آپ؟

معین الدین:۔ یہ کہ واقعی تم یا پاگل ہو یا بے وقوف ...... اور یہ دونوں صورتیں افسوسناک ہیں ..... تمہارا جو جی چاہے کرو، میں جاتا ہوں۔

معین الدین چلا گیا اور فائقہ اس وقت تک اسے مسکرا کر دیکھتی رہی جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو گیا۔

چنگیز اور تمن خان!

علاؤالدین خوارزم شاہ کی وفات کے بعد سے اب تک چنگیز خاں خوارزم شاہی سلطنت پر کئی حملے کر چکا تھا لیکن ان حملوں کو معمولی جھڑپوں سے زیادہ اہمیت نہیں دی جا سکتی۔ ان حملوں کا مقصد فیصلہ کن جنگ نہیں تھی، صرف اپنی شوکت کا اظہار اور دولت خوارزمیہ کو مرعوب کرنا تھا۔ اس طرح کافی مدت گذر چکی تھی۔ اور چنگیز سوچنے لگا تھا کہیں تمن خان نے مجھے بے وقوف تو نہیں بنایا۔ وہ فیصلہ کن حملے کی رائے کیوں نہیں دیتا۔

وہ اسی طرح پیچ و تاب میں بیٹھا ہوا تھا کہ تمن خان آگیا۔ چنگیز خاں نے اسے شیر کی طرح گھور کر دیکھا اور بلند آواز میں کہا۔

تمن خان مجھے افسوس ہوتا ہے کہ میں نے تمہاری احمقانہ تجویز پر عمل کیوں کیا؟

تمن خاں۔ عالیجاہ غلام ایک خطا کار انسان ہے، لیکن اگر اس سے اسکی خطا معلوم ہو جاتی ——

چنگیز خاں۔ کیا تم نے ہمیں یہ رائے نہیں دی تھی کہ علاؤالدین خوارزم شاہ کو مہلت دی جائے؟

کیا تم نے یہی نہیں کہا تھا کہ علاؤالدین کے بیٹوں میں خونریزی کا انتظار کر لیا جائے؟

کیا وہ تم ہی نہیں ہو جس نے ہمیں مشورہ دیا تھا کہ فیصلہ کن لڑائی کا آغاز کرنے میں عجلت نہ کریں؟

تم نے ہمیں یہ احمقانہ مشورہ دیا اور ہم نے مان لیا۔

جانتے ہو اس مشورہ پر عمل کرنے کا انجام کیا ہوا؟

ہماری تلواریں زنگ آلود ہوتی جا رہی ہیں،

ہمارے سپاہیوں میں سستی اور تکان پیدا ہوتی جا رہی ہے،

ہماری فتوحات کا سلسلہ رک سا گیا ہے؛

اب ہم انتظار نہیں کر سکتے .... تمن خاں فوج کو آراستہ کرو۔ تیاری کا حکم دو، ہم بہت جلد کوچ کریں گے .... ہم اس کا انتظار نہیں کر سکتے کہ خوارزم شاہی حکومت زیادہ سے زیادہ کمزور ہو جائے تب حملہ آور ہوں گے، ہم کمزور نہیں ہیں ہم اپنی قوت و طاقت سے واقف ہیں۔ ہم ساری مسلمان قوم سے بیک وقت لڑنے کو تیار ہیں، کیا تم ہمیں بزدل سمجھتے ہو کہ ——

تمن خاں: کانپ کر، نہیں عالیجاہ آپ کے لشکر کا کتا بھی شیروں اور ہاتھیوں کا مقابلہ کر سکتا ہے؛

چنگیز خاں: تم نے خوارزم شاہی حکومت میں پتا کرنے جاسوس بھی نہیں بھیجے۔

تمن خاں۔ بہت سے بھیج چکا ہوں ہمارے جاسوسوں کا جال بچھا ہوا ہے وہاں

........ہمیں دم بدم کی خبریں مل رہی ہیں!

چنگیز خاں:۔ پھر وہ دم بدم کی خبریں ہم تک کیوں نہیں پہنچتیں؟

تمن خاں:۔ اس لئے کہ ان میں کوئی ندرت نہیں۔ کوئی خاص بات نہیں۔

چنگیز خاں:۔ ان خبروں کا خلاصہ کیا ہے؟ .... جلال الدین کی تیاریوں کا کیا عالم ہے؟ مسلمانوں کی جذبہ جہاد کی کیفیت کیا ہے؟

تمن خاں:۔ یہ سب پرانی باتیں ہیں۔ نہ مسلمانوں میں وہ دم خم ہے نہ جلال الدین میں سکت ہے۔ ہم جب چاہیں دولت خوارزمیہ کا قلع قمع کر سکتے ہیں!

چنگیز خاں:۔ پھر انتظار کیوں؟ ــــ تاخیر کس لئے؟

تمن خاں:۔ صرف ایک بات غلام کو قدم آگے بڑھانے سے روکتی ہے!

چنگیز خاں:۔ کون سی بات؟ ــــ؟

تمن خاں:۔ یہ کہ اگر ابھی ہم نے حملہ کر دیا تو خلافت عباسیہ چوکنا ہو جائے گی، مشرق کی دوسری اسلامی سلطنتوں میں بیداری پیدا ہو جائے گی، خوارزم شاہی رعایا میں جہاد و جنگ کا جذبہ پیدا ہو جائے گا۔ لیکن اگر ہم تھوڑا سا اور انتظار کر لیں تو ــــــــ

چنگیز خاں:۔ (قطع کلام کرتے ہوئے) تو کیا ہوگا؟

تمن خاں:۔ خلافت عباسیہ اور دولت خوارزمیہ سے ٹھن چکی ہوگی، جن شہروں پر علاؤالدین کے بیٹے قابض ہیں ان کی رعایا ان سے بہت زیادہ نالاں اور بیزار ہو چکی ہوگی، مشرق کی دوسری اسلامی حکومتیں خواب خرگوش میں ہو چکی ہوں گی ــــ پھر ہمارا حملہ کامیاب ہوگا، اور ایک ہی ماہ

میں ہم اپنے ہر دشمن کا خاتمہ کر چکے ہوں گے

چنگیز خاں سر جھکا کر کچھ سوچنے لگا۔ پھر اس نے کہا

چنگیز خاں:۔ بہر حال ہمارا یہ فیصلہ ہے کہ آج سے ٹھیک ایک ماہ بعد ہمارا لشکر دشمن پر ٹوٹ پڑنے کیلئے بڑھے گا ــــــ نتیجہ اور انجام سے بے پرواہ ہو کر ــــ اس سے زیادہ ہم انتظار نہیں کر سکتے، ہمارا پیمانہ صبر اب لبریز ہو چکا ہے!

تمن خاں:۔ عالیجاہ ــــ آج سے ٹھیک ایک ماہ بعد تاتاری ٹڈی دل خوارزم شاہ اور اس کی سلطنت کے پرخچے اڑانے کے لئے صبح صبح یہاں سے کوچ کر رہا ہوگا!

پھر بھی میں لڑوں گا

جلال الدین خوارزم شاہ اگرچہ خاندانی اور ملکی مصائب میں گرفتار تھا، لیکن عقاب کی سی نگاہ رکھتا تھا، ہر بات پر، ہر پہلو، ہر مسئلہ پر بڑی گہری نظر رکھتا تھا کوئی بات ایسی نہیں تھی جو پیش آنے والی ہو، اور اس کے علم میں نہ ہو، وہ اپنی فکر و تدبر، شجاعت، دلیری، جہانبانی، اور جہانداری، دانش، بینش اور اعتدال و توازن کی بنا پر، بے مثال معاصرین میں یگانہ اور منفرد تھا

حالات ناساعد تھے، فضا ناموافق تھی، دوست دشمن ہو رہے تھے وہ تخت حکومت کو بنا حق سمجھتے تھے امرا، دولت اور اعیان ملک کی بھی ایک جماعت خفیہ طور سازشوں میں دن رات مصروف رہتی تھی۔ تاتاریوں کی نہ ختم ہونے والی یورش اور حملوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری تھا یہ کبھی ہلکے ہوتے تھے، کبھی سخت لیکن ان کے تواتر اور تسلسل میں فرق نہیں آتا تھا، بلکہ کچھ دنوں سے ان کی سنگینی اور زیادہ بڑھ گئی تھی .... اور جلال الدین بڑی سنجیدگی سے اس خطرہ کی کمیت اور کیفیت پر غور کر رہا تھا۔ وہ اپنے دوسرے بھائیوں کی طرح نہیں تھا جن کی زندگی

کا مقصد وحید یہ تھا کہ زندگی کے مزے لوٹیں،

خوش باش دمے کہ زندگانی ایں است

اس کے سوا دنیا کے کسی اور مسئلہ پر وہ غور کرنے کے .. شائستہ توجہ سمجھتے تھے

ایک روز خوارزم شاہ جلال الدین نے اپنے سپہ سالاروں، دوستوں، ساتھیوں ملک کے امیروں اور بااثر اصحاب کو حاضر دربار ہونے کا حکم دیا، سب لوگ خاموشی اور ادب کے ساتھ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے، کسی کو نہیں معلوم تھا خوارزم شاہ نے کیوں بلایا ہے؟ کیا کہے گا؟

جلال الدین اپنے ایوان زرنگار سے برآمد ہوا تو سب نے سروقد کھڑے ہو کر تعظیم دی۔ خوارزم شاہ نے اشارہ سے سب کو بیٹھنے کا حکم دیا، خود کھڑا رہا، پھر اس نے مخاطب کرتے ہوئے ان سب کو کہا۔

جلال الدین خوارزم شاہ: دوستو، عزیزو اور ساتھیو!

حالات کی نزاکت کتنی بڑھ چکی ہے، مجھے امید ہے تمہیں اس کا احساس ہوگا آج ہر طرف سے ہماری حکومت پر یورش ہو رہی ہے، خاص طور پر تاتاریوں نے گھیرا ڈال لیا ہے، اور وہ چاروں طرف سے بڑھتے ہیں، نہ بیٹھنے دیتے ہیں،

ایک درباری اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے کہا

سلطان عالم! ——— حالات کی نزاکت کا ہمیں پورا احساس ہے!

خوارزم شاہ: اور تم سے یہ بات بھی پوشیدہ نہیں ہے کہ میرے بھائی میرے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں، میرے دوست دشمنوں کے آلۂ کار بنے ہوئے ہیں، میرے ساتھی میرا ساتھ چھوڑتے جا رہے ہیں، بلا اگر میں کہوں کہ میرے

ہاتھ پاؤں میرے دشمن ہیں تو ذرا بھی مبالغہ نہ ہوگا۔
یہ کہتے کہتے جلال الدین خوارزم شاہ کی آواز بھرا گئی۔
ایک دوسرا درباری اٹھا، اس نے عرض کیا۔
"سلطانِ عالم کا ایک ایک لفظ حقیقت کی منہ بولتی تصویر ہے!"

ایک اور درباری۔ (دبے ہوئے انداز میں) اور پھر بالائے ستم کم بخت تاتاریوں کی یورش!

خوارزم شاہ۔ (ڈپٹ کر) کیا کہا تم نے؟ ــــ کیا کہا؟

درباری۔ (ڈر کر) سلطانِ عالم!

خوارزم شاہ۔ ہم سننا چاہتے ہیں کیا کہہ رہے تھے تم؟ ...... کیا کہنا چاہتے تھے

درباری۔ (لرزتی ہوئی آواز میں) تاتاری ایک آن چین نہیں لینے دیتے، اپنے بے پناہ لشکر کے ساتھ برابر جنگ و جہاد کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں......
ان کی قوت اتنی بڑھ چکی ہے ... عوام پر اپنی دہشت کچھ اس طرح انہوں نے قائم کر لی ہے کہ اب ان سے نپٹنا آسان کام نہیں رہا۔

خوارزم شاہ۔ میں جانتا ہوں تاتاری انسان نہیں درندے ہیں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے وہ بے پناہ قوت و شوکت کے مالک ہیں، اس حقیقت سے بھی بے خبر نہیں کہ ان کا نام لوگوں پر دہشت اور سراسیمگی کی کیفیت طاری کر دیتا ہے
ــــ پھر بھی میں لڑوں گا!

درباری۔ (خوفزدہ آواز میں) پھر بھی آپ لڑیں گے؟

خوارزم شاہ۔ ہاں لڑوں گا!

آخری وقت تک،
آخری سانس تک،
آخری قطرۂ خون تک،
میں جنگ جاری رکھوں گا۔ لڑتا رہوں گا۔ خواہ میرے ہاتھ شل ہو جائیں، میری طاقت جواب دے جائے، کوئی میرا ساتھ نہ دے۔ میری ہمت نہیں ٹوٹ سکتی، میرے عزم و استقامت میں فرق نہیں آ سکتا!

معین الدین۔ بے شک ہے شک، سلطانِ عالم بالکل بجا فرما رہے ہیں: تاتاری خواہ کتنی ہی طاقتور ہوں، لیکن وہ ہمارے عزم و حوصلہ کو شکست نہیں دے سکتے ہم سلطانِ عالم کے جاں نثار ہیں اور زندگی کے آخری لمحے تک اپنے مسلک پر قائم رہیں گے!

خوارزم شاہ۔ میں دیکھتا ہوں تاتاریوں سے مقابلہ کا نام سن کر تمہارے سرخ و سفید چہرے زرد ہو گئے تم پر مردنی چھا گئی، تمہارا نظام تنفس درہم برہم ہو گیا، اگر یہی بات ہے تو شوق سے تم گھروں میں بیٹھ رہو، میں تمہیں مجبور نہیں کرتا!

معین الدین۔ حاشا و کلا یہ کیسے ہو سکتا ہے، ہم اپنے آقا اور مالک کے ساتھ ہیں اور اس کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتے ہم اس کے قدموں سے لپٹے رہیں گے اس کے ایک اشارہ پر اپنی جان قربان کر دیں گے۔

خوارزم شاہ۔ یہ تم اپنی طرف سے کہہ رہے ہو یا سب کی طرف سے

معین الدین۔ سب کی طرف سے سلطانِ عالم!

خوارزم شاہ:۔ تمہیں تم اپنی طرف سے کہہ رہے ہو۔ اور تنہا مجھ سے اس دعوے کو تم تسلیم کرتے ہیں، دوسرے لوگ گونگے نہیں ہیں، وہ خود اپنی رائے قائم کر سکتے ہیں۔ تمہیں بولنے دو، تم بیٹھ جاؤ۔

معین:۔ چپ بیٹھ گیا

خوارزم شاہ:۔ آپ سب حضرات ابھی اپنی رائے کا اظہار فرمائیں، میں سنوں گا میں غور کروں گا!

لیکن خوارزم شاہ کی آواز کے جواب میں کوئی آواز بلند نہیں ہوئی!

خوارزم شاہ:۔ تم خاموش ہو جواب دینے کی ہمت نہیں رکھتے کوئی مضائقہ نہیں تم محلوں میں بیٹھے رہو، صرف مجھ اکیلے کو میدان جنگ میں جانے دو، میں اکیلا اگر سب کچھ نہیں کر سکتا، مر تو سکتا ہوں، تاتاری شہروں کو ویران کر سکتے ہیں لیکن جلال الدین کے عزم و استقامت کی دنیا ویران نہیں کر سکتے، ان کی تلوار لوگوں کی گردن کاٹ سکتی ہے، لیکن جلال الدین کی دلیری اور شجاعت کو ذبح نہیں کر سکتی، وہ بادشاہوں کو شکستیں دے کر حکومتوں کو کچل سکتے ہیں، لیکن جلال الدین کی عزت نفس اور خودداری کو تاراج نہیں کر سکتے، وہ جلال الدین کی گردن کاٹ سکتے ہیں، لیکن جلال الدین کی روح کو کچل نہیں سکتے، کاش تم سب متحد ہوتے، اگر تم سب متحد ہو جاؤ، اگر باہمی اختلافات ترک کر دو، خود غرضی مفاد پرستی، جاہ طلبی اور اقتدار و اختیار کی بھوک ہمیشہ کے لئے نہیں، صرف تاتاری یورش کا مقابلہ کرنے تک کے لئے کم ہو جائے تو میں دعویٰ کرتا ہوں کہ تاتاریوں کو چیونٹی کی طرح مسل

کر رکھ دوں گا ——— لیکن اگر تم متفق نہیں ہوتے، اختلافات کی گرم بازاری جاری رکھنے پر مصر ہو، دوستوں کو نقصان پہنچانے اور دشمنوں کو مدد دیتے رہتے ہوئے ہو تو بھی میں پروا نہیں کرتا، تو بھی میری ہمت اور عزم میں کوئی فرق نہیں آ سکتا، تمہیں خدا کے حوالے کروں گا اور اپنے مٹھی بھر فدا کاروں اور جاں نثاروں کے ساتھ اس سیلاب کا مقابلہ کرتا رہوں گا، یہاں تک کہ

یا تن رسد بجاناں یا جاں ز تن برآید

میں گوشت پوست کے بنے ہوئے پتلوں پر اور فولاد کے بنے ہوئے ہتھیاروں پر فنا ہو جانے والی اور نا پائیدار، بہنے والی دولت پر بھروسہ نہیں کرتا، میرا بھروسہ صرف خدا پر ہے، اس خدا پر جس نے خود فرمایا ہے

فاذا عزمت فتوکل علی اللہ

(جب عزم کر لو تو خدا پر توکل کر کے اسے پورا کرو)

میں نے عزم کر لیا ہے، اور خدا کے بھروسے پر اس عزم کو عملی جامہ پہنا کر رہوں گا!

ایک مصاحب:۔ لیکن سلطان ———

خوارزم شاہ:۔ لیکن وقت گزر چکا ہے،

مصاحب:۔ میرے عرض کرنے کا مقصد

خوارزم شاہ:۔ عرض و معروض کا بھی وقت گزر گیا، اب صرف عمل کا وقت ہے، وقت کی اہمیت پکار پکار کر کہہ رہی ہے، غفلت اور خود فراموشی ہیں

سوچنے کا وقت گزر چکا ہے۔ اب تلافی مافات کی صرف یہ صورت ہے کہ عمل کی سرگرمی سے کوتاہی کا داغ دھویا جائے ——— میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں عزت کی موت یا ذلت کی زندگی میں سے تم کیا اختیار کرتے ہو؟

تم سے کہنا چاہتا ہوں کہ اگر عزت کی موت منظور ہو تو میرا ساتھ دو، میرے ساتھ چلو اور کٹ مرو۔ ذلت کی موت مرنا چاہتے ہو تو تاتاریوں کی اطاعت قبول کر لو۔ ذلت کی موت میں نے اس لئے یاد دلائی کہ جو لوگ تاتاریوں کی اطاعت قبول کر لیتے ہیں، وہ انہیں بھی زندہ نہیں چھوڑتے، طرح طرح کی ذلتیں دے دے کر ان کی جان لیتے ہیں...... بتاؤ کیا چاہتے ہو؟

خوارزم شاہ نے منتظر نگاہوں سے سب کو دیکھا!

مگر کسی طرف سے جواب نہ ملا!

سب ساکت و صامت بیٹھے تھے ——— کسی میں یارائے تکلم نہ تھا۔

خوارزم شاہ نے پھر پوچھا

بتاؤ کیا فیصلہ کیا تم نے؟

مگر اب بھی سب خاموش تھے!

خوارزم شاہ نے پھر کہا

میں تمہارا فیصلہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ تمہاری رائے معلوم کرنا چاہتا ہوں تم بولتے کیوں نہیں؟ جواب کیوں نہیں دیتے؟ خاموش کیوں ہو؟ تمہاری زبان کیوں نہیں کھلتی؟

لیکن ان پیہم سوالوں کا جواب ایک بھی کسی طرف سے نہ ملا۔

خوارزم شاہ نے پھر کہا،

میں تمہارے حوصلے تولنا چاہتا ہوں

تمہاری امنگوں کا اندازہ کرنا چاہتا ہوں۔ تمہاری غیرت اور حمیت کو پرکھنا اور تولنا چاہتا ہوں۔ لیکن تم اس طرح خاموش ہو جیسے سانپ سونگھ گیا ہو، بولو بتاؤ کچھ کہو؟

خوارزم شاہ کی ان چبھتی ہوئی باتوں کا کس کے پاس جواب تھا کہ وہ منہ کھولتا؟ کوئی کچھ نہ بولا، سب خاموش رہے!

یہ کیفیت دیکھ کر وہ بولا،

خوارزم شاہ درد انگیز اور یاسیت آمیز لہجے میں ہاں میں سمجھ گیا!

تم میں وہ ولولہ نہیں رہا جس نے کبھی تمہیں سربلند کر کے ہفت اقلیم کا فرمانروا بنا دیا تھا۔ تم میں اب وہ خودی باقی نہیں جس نے تمہاری دھاک سارے عالم پر بٹھا دی۔ تم میں وہ زندگی باقی نہیں رہی، جو کبھی پہلی صفت سے عبارت تھی، آہ ——— !

تم اب دوبارہ انحطاط کے راستے پر کھڑے ہو اور اسی راستے سے ہٹنا نہیں چاہتے۔ تم میں اب زندگی کی امنگ اور تڑپ باقی نہیں رہی۔ وہ امنگ جو کارناموں کی تخلیق کرتی ہے، وہ تڑپ جو تاریخ کے صفحات پر یادگار رہ جاتی ہے!

تمہیں زندگی عزیز نہیں!

تم موت کی طرف آمادہ اور اشتیاق کے ساتھ لپک رہے ہو!

میں تمہیں کس طرح یقین دلاؤں، بہادری کی موت، سب سے اچھی اور ستھری زندگی ہے۔

بزدلی کی زندگی بدترین موت ہے، جو کسی بزدل شخص پر طاری ہو سکتی ہے!

آہ —!

بجھی عشق کی آگ اندھیرا ہے
مسلماں نہیں خاک ڈھیرا ہے

آج سے میرا اور تمہارا راستہ الگ ہے — بالکل الگ — تم اب جا سکتے ہو، جاؤ، اور گھروں میں جا کر دبک جاؤ، لیکن دیکھو گھروں کو ایسا مضبوط بنا لینا کہ چنگیز کے بیٹے انہیں مسمار نہ کر سکیں، کیونکہ وہ گھر میں بیٹھنے والوں کو بھی امان نہیں دیتا، وہ کسی کے ساتھ رعایت نہیں کرتا!

ایک درباری: ہم دل سے سلطان کی عزت کرتے ہیں، لیکن ہم اپنی حقیقت سے واقف ہیں — ہم تاتاریوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے ہمیں اپنی قوت اور طاقت کا اندازہ ہے —

خوارزم شاہ: ...... تمہیں اپنی قوت کا اندازہ ہے طاقت کا اندازہ ہے!
تاتاریوں کی قوت اور طاقت کا بھی تمہیں پورا پورا اندازہ ہے!
لیکن شاید خدا کی قوت و طاقت کا اندازہ تم بالکل نہیں رکھتے
مجھے ہے اور اسی کے بھروسے پر میں تاتاریوں سے جنگ جاری رکھوں گا

خوشی کے آنسو

لیکن جلال الدین کو خوارزم نے امان دینے سے انکار کر دیا، اس کی بادشاہت تسلیم نہیں کی، اسے مجبور کیا کہ وہ خوارزم سے ترک تعلق کر لے، نکل جائے، کہیں اور چلا جائے۔

یہ بڑا دل دوز سانحہ تھا!

دشمن کی تلوار اور سنگین سے جو زخم آتا ہے اس میں وہ تپک اور کسک نہیں ہوتی جو اپنوں کی دلخراش باتوں میں ہوتی ہے، جلال الدین کو تاتاریوں سے وہ صدمہ نہیں پہونچا جو خوارزم کے اپنے اور یگانوں سے پہونچ گیا!

آسمان دور تھا، زمین سخت تھی، طاقت اور جمعیت کا راستہ مسدود تھا، دشمنی اور عداوت کے طوفان اٹھ رہے تھے — زمین سخت تھی آسمان دور تھا!

وہ اسی فکر اور پریشانی میں کھویا ہوا تھا کہ یک اس نے گردن اٹھائی دیکھا سامنے فاطمہ کھڑی ہے، فاطمہ کو دیکھ کر خلاف معمول وہ مسکرایا، اس نے کہا

فاطمہ...... کوئی ایسا گیت سناؤ کہ میں اپنی پریشانیاں، دردمندیاں
فراموش کر دوں ـــ تیری آواز میں رس بھی ہے، اور درد بھی، سوز بھی اور
ساز بھی، تو ہی میرے زخم کا مرہم بن سکتی ہے اس وقت:

یہ درد بھرے بول سن کر فاطمہ کی بڑی بڑی آنکھوں میں آنسو بھر آئے،
اس نے کہا،

• میرے آقا، میرے مالک آخر وہ کون سی فکر ہے جس نے آپ کو پریشان
کر رکھا ہے؟

جلال الدین نے پہلو بدلتے ہوئے کہا،

• وہ ایسی پریشانی ہے، جسے نہ تو سمجھ سکتی ہے نہ محسوس کر سکتی ہے ـــــ
تو میرے سر پر تاج شہریاری دیکھ رہی ہے، نہیں یہ تاج شہریاری نہیں، کانٹوں
کا تاج ہے، اس تاج نے میرے سر کو ـــــ صرف سر ہی کو نہیں، دل کو بھی بلکہ اور سچ
کہو تو روح کو بھی چھلنی کر دیا ہے، میں، اس تاج کا جویا نہیں تھا، لیکن حالات نے
مجبور کر دیا کہ اسے پہنوں اور پہنے رہوں، جب تک والد مرحوم کی وصیت پر عمل پورا کر
لوں تاتاریوں کا قلع قمع نہ کر لوں، اس وقت تک اسے نہیں اتار سکتا، نہیں اتار سکتا!

فاطمہ بولی

• لیکن میرے مالک کس میں ہمت ہے کہ وہ آپ سے یہ تاج چھین سکے؟

جلال الدین نے ایک آہ سرد بھر کر کہا

• میرے بھائیوں میں، عزیزوں میں، میرے دوستوں میں ـــــ
تاتاریوں میں نہیں، چنگیز میں نہیں۔

فاطمہ لاجواب ہو گئی

اس حقیقت کی تردید وہ کس طرح کرتی، کس دلیل سے کرتی؟

اتنے میں معین الدین آ گیا، اسے دیکھ کر جلال الدین سنبھل بیٹھا

• کہو کوئی نئی خبر؟

معین الدین نے منہ بنا کر کہا:

• حالات کی رفتار بہت جلد بہتر ہوتی جا رہی ہے ـــــ آپ جس چیز سے
اجتناب کر رہے تھے، وہ ـــــ میرا خیال ہے ـــــ ہو کر رہے گی!

جلال الدین نے پوچھا

• تم کیا کہنا چاہتے ہو؟

معین الدین نے جواب دیا۔

• میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ خانہ جنگی سے اب گریز نہیں کیا جا سکتا!

جلال الدین: جب تک میں زندہ ہوں ہرگز خانہ جنگی نہیں ہونے پائے گی!

معین الدین: ایک ہاتھ سے تالی نہیں بجتی، آپ لاکھ چاہیں صرف آپ کے چاہنے سے
کیا ہوتا ہے... خانہ جنگی تو ہم پر مسلط کی جا رہی ہے

جلال الدین: اگر یہ بات ہے تو میں خوارزم کی اقامت تک ترک کر دوں گا، چلا جاؤں گا
یہاں سے!

معین الدین (حیرت سے) آپ خوارزم کی اقامت ترک کر دیں گے؟ چلے جائیں گے
یہاں سے؟

جلال الدین: ہاں ـــــ اس لیے کہ میں خانہ جنگی نہیں چاہتا، اس لیے کہ میں اپنوں

rekhta

کا خون بہانا نہیں چاہتا، اس لئے کہ میں اپنے ہم قوموں اور ہم مذہبوں
سے لڑنا نہیں چاہتا — میری تلوار کی کاٹ میرے ہی بھائی بندوں
پر نہیں آزمائی جا سکتی، اس کیلئے تاتاریوں کی گردن روزِ ازل سے
مقرر ہو چکا ہے!...... جلال الدین کی تلوار کسی مسلمان پر نہیں اٹھ سکتی!

معین الدین: خواہ کوئی مسلمان جلال الدین پر تلوار چلا دے

جلال الدین: اگر کوئی ایسا کرے گا —

معین الدین: یہ تو ہو رہا ہے —

جلال الدین: ہاں ہو رہا ہے، اور اس کا جواب بھی یہ ہے کہ میں راستے سے ہٹ جاؤں!

معین الدین: پھر کیا کریں گے؟

جلال الدین: کہیں اور قسمت آزمائی کروں گا

ملک خدا تنگ نیست
پائے مرا لنگ نیست

معین الدین: ہم خادمانِ خاص اور جاں نثارانِ قدیم کو تو یہ معلوم ہونا چاہئے
کیا ارادہ ہے؟

جلال الدین: ارادہ تو میں نے بتا دیا۔

معین الدین: کہاں کا قصد ہے؟

جلال الدین: بار بار سوچنے کے بعد غزنی کے نام پر طبیعت جمتی ہے!

معین الدین: آپ کے ساتھ کون کون جائیگا؟

جلال الدین: جس کا جی چاہے — باقی میرے خاصہ کی سپاہ جو تقریباً

آٹھ نو سو نفوس پر مشتمل ہے میرا خیال ہے ضرور میرے ساتھ جائے گی۔

معین الدین: کوئی نہ جائے، وہ لوگ ضرور جائیں گے ...... اپنے آقا اور سردار
کے نام پر جان دیتے ہیں ...... اور ان کی تعداد آٹھ نو سو نہیں خدا کے
فضل سے پوری ایک ہزار ہے ...... کل ہی میں نے گنتی کی تھی.

جلال الدین: خدا کا شکر ہے ...... مجھے ان پر بھروسہ ہے یہ لوگ جہاں
جائیں گے!

معین الدین: میرے بارے میں کیا حکم ہے؟

جلال الدین: سنجیدگی سے اطمینان سے فیصلہ کرو۔

معین الدین: میں تو فیصلہ کر چکا ہوں آپ کا حکم معلوم ہونا چاہیئے۔

جلال الدین: میں جانتا ہوں کہ تم کو مجھ سے کتنا تعلق خاطر ہے اور یہ بھی جانتا ہوں کہ میرے
دل میں تمہاری کتنی عزت ہے لیکن اس کے باوجود صرف یہ کہ میں کوئی حکم نہیں
دوں گا بلکہ مشورہ بھی نہیں دوں گا۔

معین الدین: اس سے قبل تو آپ کا یہ برتاؤ میرے ساتھ نہ تھا

جلال الدین: ہاں نہیں تھا، لیکن اب دیکھ رہا ہوں کہ حالات کیا ہیں، گوشت اور ناخن
میں جدائی ہو رہی ہے، اپنے اپنے رشتے کچے دھاگے کی طرح ٹوٹ رہے ہیں
عزیز داری اور قرابت اور خون کا تعلق ختم ہو رہا ہے پھر میں کیسے حکم دے سکتا
ہوں!..... نہیں تم اپنا معاملہ تو مجھ سے دور رکھو۔

معین الدین: لیکن میں چلوں گا۔ میں ہمرکاب رہوں گا، میں زندگی کے آخری سانس
تک آپ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔

جلال الدین:۔ ہاں: سرداری پر تم اپنا حق سمجھتے ہو، لیکن سوچ لو، یہ جان جوکھوں کا کام ہے

معین الدین:۔ میں جان ہتھیلی پر لے چکا ہوں

جلال الدین:۔ خوب، بسم اللہ ...... کل صبح ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے

معین الدین:۔ کل صبح ...... اس قدر جلد؟

جلال الدین:۔ ہاں کیوں؟ کچھ مہلت چاہیئے؟

معین الدین:۔ مہلت نہیں، لیکن ......

جلال الدین:۔ سپاہ کیلئے؟ میری خاص فوج کے لئے ...... یہی نا؟

معین الدین:۔ یہی میرا مقصد بھی ہے ...... میں یہی عرض کرنا چاہتا تھا

جلال الدین:۔ تم غلطی پر ہو ...... ممکن ہے تمہیں تیار ہونے میں کچھ دیر لگے ——
لیکن میری سپاہ ہر وقت چوکس رہتی ہے، وہ ایک اشارہ پر کوچ کرنے کو تیار
رہتی ہے ...... اگر تم چاہو تو تمہیں کچھ مہلت دے دوں

معین الدین:۔ (شرمندہ ہو کر) نہیں مجھے مہلت نہیں چاہیئے!

جلال الدین:۔ اسی وقت جا کر میرے سپاہ خاصہ کو بھی میرا حکم سنا دو!

معین الدین:۔ ابھی تعمیل ہو گی اس ارشاد کی

معین الدین جانے لگا۔ وہ دروازے تک پہنچ چکا تھا کہ جلال الدین نے پھر
بلایا اور کہا۔

"ایک بات کا خیال رکھنا، ہمارے ساتھ صرف وہی مال و اسباب جائے گا جو صرف
ہمارا ہے، یعنی ہمارا ذاتی!

معین الدین:۔ لیکن وہ کون چیز ہے جو میرے آقا کی نہیں؟

جلال الدین:۔ ہر وہ چیز جو اس محل کے اس حصے سے باہر ہو جہاں ہم رہتے ہیں!

معین الدین:۔ آپ کا حق خزانہ شاہی پر بھی ہے اور محلات کے مال و اسباب پر بھی
ہے ......؟

جلال الدین:۔ ہو گا ...... لیکن فی الحال میں اس سے دستبردار ہوتا ہوں!

معین الدین:۔ لیکن اگر اس طرح ہم گئے تو بہت کم چیزیں ہمارے ساتھ ہوں گی

جلال الدین:۔ کوئی مضائقہ نہیں ...... چیزیں کم ہوں لیکن اپنی ہوں، یہ اس سے بہتر ہے
کہ چیزیں زیادہ ہوں لیکن دوسروں کی ہوں! ......
اس معاملہ پر گفتگو ختم کر دو، جاؤ وہ کرو جو ہم نے کہا ہے، جس کی ہم نے ہدایت
کی ہے!

معین الدین:۔ لیکن میرے آقا، اس بے سرو سامانی کے عالم میں ہجرت کر کے، ترک وطن اور
ترک علائق کر کے جب ہم غزنی پہنچیں گے تو کیا کریں گے؟

جلال الدین:۔ اس کی فکر تم سے زیادہ مجھے ہونی چاہیئے ...... میں یہاں سے
کوئی ایسی چیز نہیں لے جانا چاہتا جو والد مرحوم کی زندگی میں میری نہ رہ چکی ہو

معین الدین:۔ بڑا اچھا خیال ہے ...... لیکن ہم غزنی کیوں جا رہے ہیں؟
کیا اس لئے نہیں کہ جنگ کی تیاری کریں، تاتاری یورش کی مدافعت کا انتظام
کریں؟

جلال الدین:۔ ہاں صرف اسی لئے!

معین الدین:۔ پھر تو ضرورت ہے کہ ہم ہر طرح کے ساز و سامان سے لیس ہو کر جائیں!

جلال الدین:۔ (مسکرا کر) نہیں ...... اگر نیت نیک اور ارادہ خالص ہے تو ہم طرح

تو ہر حالت میں ہم کامیاب ہوں گے!

معین الدین نے کوئی جواب نہیں دیا، گردن جھکائی۔۔۔ واپس جانے کے لئے مڑا:

جلال الدین نے اس سے کہا

- میرے دوست فکر نہ کرو، بھروسہ رکھو، وہ ان لوگوں کو کبھی مایوس نہیں کرتا جو اس سے لو لگاتے ہیں!

معین الدین یہ الفاظ سنتے ہوئے چلا گیا!

معین الدین کے جانے کے بعد فائقہ نے کہا۔

- کیا میں جاؤں؟

جلال الدین نے کہا

- ہاں تم جا سکتی ہو!

وہ جاتے جاتے ٹھٹکی۔ اور اس نے بصورت سوال بن کر پوچھا:

- میرے بارے میں کیا ارشاد ہوتا ہے؟

جلال الدین کچھ سوچنے لگا، پھر اس نے پوچھا:

- تمہارے بارے میں؟ ——

فائقہ بول پڑی۔

میں بھی ہمرکاب چلوں گی!

جلال الدین نے انکار میں گردن ہلاتے ہوئے کہا

- جی نہیں ——

لیکن جب فائقہ، بڑی ادا سے بے ساختہ اس کے منہ سے نکل گیا۔

- ارے تم پھر رونے لگیں؟ .... اچھا تم بھی تیاری کرو!

فائقہ خوش ہو گئی .... اس کی آنکھوں میں اب بھی آنسو لبالب بھرے تھے لیکن یہ خوشی کے آنسو تھے!

کر رہا تھا ——— نئی نئی سکیمیں۔ نئے نئے فتنے سر نکالنے لگے۔

ہراول دستے کو یوں پریشانی کے عالم میں آتا دیکھ کر جلال الدین چونک پڑا۔

اس نے معین الدین سے کہا۔

"یہ کیا ہو ——— یہ ہراول دستہ اتنی گھبراہٹ کے عالم میں کیوں آ رہا ہے ——— ضرور کوئی بات ہے۔"

معین الدین نے سر اٹھایا، اور دیکھنے لگا۔ اتنے میں وہ دستہ قریب آ گیا اور جلال الدین کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"کیا بات ہے تم لوگ اتنے سہمے ہوئے کیوں ہو؟"

ایک آدمی بولا

"حضور عالی جاہ، جہاں پناہ، سلامت ———"

جلال الدین، "بے وقوف ——— کہتے کیوں نہیں؟"

وہی شخص گویا ہوا۔

"چند کوس کے فاصلے پر تاتاریوں کا ایک عظیم لشکر فروکش ہے۔"

جلال الدین، "شاید وہ خوارزم پر حملے کے ارادے سے آئے ہیں!"

ہراول دستے کے آدمی نے کہا

"جی جہاں پناہ یہی بات ہے ——— بہت بڑا لشکر ہے، حد نظر تک آدمی ہی آدمی دکھائی دیتے ہیں، تلواروں پر صیقل ہو رہی ہے، ہر ہر آدمی جنگ میں لڑنے کے لئے بے قرار اور مضطرب ہے! ———"

شب خون

جلال الدین اپنے ساتھ ناظرہ کو نہیں لے جانا چاہتا تھا، لیکن اس کے آنسو دیکھ کر اس کا دل پسیج گیا۔ وہ خوش خوش اپنے کمرے میں ہو لی اور سامان سفر تیار کرنے لگی تھی اسے اپنے آنسوؤں پر ناز تھا... کتنے قیمتی تھے یہ آنسو!!

دوسرے روز حسب قرارداد جلال الدین خوارزم پر حسرت و یاس کی نگاہ ڈالتا ہوا اپنے محل سے نکلا اور تھوڑی سی سپاہ کے ساتھ روانہ ہو گیا...... رخ غزنی کی طرف تھا، اب وہ اپنی قسمت آزمائی کرنا چاہتا تھا!

خوارزم سے بڑی بے سر و سامانی اور آشفتہ خاطری کے عالم میں نکلا۔ ایک ہزار افراد کے سپاہی اس کے ساتھ تھے۔ وہ بار بار سوچتا تھا۔ یہ لاکھ سرفروش اور جاں نثار ہوں مگر تاتاریوں کے ٹڈی دل لشکر کا کیا مقابلہ کر سکیں گے!

قافلہ مشکل سے تین چار منزل گیا ہو گا کہ ایک روز ایک ہراول دستہ نازل دشمن اس خیمہ گاہ کی طرف بڑھتا نظر آیا۔ جلال الدین اس وقت جس مقام پر خیمہ زن تھا یہ بڑا اور روح پرور مقام تھا۔ اس وقت وہ معین سے بیٹھا آئندہ کے پروگرام

جلال الدین، خاموش .... !

وہ آدمی تو خاموش ہو گیا پھر جلال الدین نے سیف الدین سے کہا

"ہماری فوج کو کوچ کے لئے آمادہ کرو۔ دن ختم ہو رہا ہے ہم چنگیز کی فوجوں پر شب خون ماریں گے۔"

اس حوصلہ کو دیکھ کر سیف الدین گھبرا گیا صرف ایک ہزار نفوس کے ساتھ چنگیز کے خون آشام لشکر پر شب خون مارنے کا ارادہ! یہ جلال الدین ہی کی ہمت تھی یہ کام وہی کر سکتا تھا!

اس نے ڈرتے ڈرتے کہا

"چنگیز خوارزم پر حملہ کرنے جا رہا ہے ...... جانے دیجئے وہاں کی حکومت نپٹ لے گی!"

جلال الدین نے بگڑ کر کہا

"نہیں! ہمیں دشمنوں کے مقابلہ میں بہرحال خوارزم عزیز ہیں، ہم ان کی کچھ اور مدد نہیں کر سکتے تو کم از کم اتنا تو کر سکتے ہیں کہ شب خون مار کر دشمن کو بتا دیں کہ ہم موم نہیں ہیں۔ تم میری رائے سے اب بھی متفق نہیں ہوئے!"

سیف الدین نے عرض کیا

"غلام تو حکم کا بندہ ہے۔ ویسے بظاہر تو بہتر یہ معلوم ہوتا تھا کہ ہم تاتاریوں سے کترا کر غزنی کی طرف بڑھتے چلے جاتے، وہاں پہنچ کر ہماری تیاریاں مکمل ہو جاتیں تو دشمن پر ٹوٹ پڑتے!"

جلال الدین ہنس پڑا،

"دشمن پر ٹوٹ پڑنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہیئے، خواہ تیاریاں مکمل ہوں یا نامکمل!"

اب سیف الدین کیا کہہ سکتا تھا؟ حکم حاکم مرگ مفاجات!

شام ہوتے ہوتے خوارزم شاہ کا چھوٹا سا قافلہ کمین گاہ سے نکل کر تاتاریوں کے لشکر گراں کی طرف بڑھا!

اس حوصلہ کو دیکھئے اور ہمت کو دیکھئے

خاصہ کی سپاہ کو بھی نہیں معلوم تھا کہ اتنے ناوقت ہم کہاں جا رہے ہیں ہماری منزل مقصود کدھر ہے!

قافلہ چلتا رہا، چلتا رہا! ــــ؛

یہاں تک کہ نصف شب گزر گئی ...... چنگیز کا لشکر وہ سامنے نظر آ رہا تھا طلایہ دار پہرہ دے رہے تھے۔ سپاہیوں کا بڑا حصہ خواب خرگوش میں مبتلا تھا جو سپاہی جاگ رہے تھے وہ اپنے خیموں میں بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے چنگیز کا خیمہ وسط لشکر میں تھا، اور گرد پہرے دار مستعدی اور چوکسی سے پہرہ دے رہے تھے اور وہ آرام کر رہا تھا کہ صبح صبح تازہ دم ہو کر خوارزم کی طرف بڑھے!

خوارزم شاہ کی سپاہ جب چنگیز کے لشکر کے قریب پہونچی تو اس نے چلتے چلتے اپنے سپاہیوں کو روک لیا اور کہا،

"دوستو! عزیزو! رفیقو!!

وہ سامنے تمہیں آدمیوں کا ایک جنگل نظر آ رہا ہے، وہی جہاں سے روشنی کے دیئے ٹمٹماتے ہوئے نظر آ رہے ہیں! جانتے ہو یہ کیا

ہے! میں بتادوں! ——— یہ چنگیز کا لشکر ہے، وہ لشکر
جس پر چنگیز کو ناز ہے جو مسلمانوں کی انفرادیت ختم کرنے کا تہیہ کر
چکا ہے جو خوارزم شاہی حکومت کا تختہ الٹنے کا ارمان دل میں لئے
بیٹھا ہے جو چاہتا ہے کوئی مسلمان حکومت پنپنے نہ پائے جس کی
یہ تمنا بھی ہے کہ بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادے۔ خلافت اسلامیہ کا
خاتمہ کر دے!

میں خوارزم سے کنارہ کش ہو چکا ہوں، میں ایک نئی دنیا بسانے
کے لئے! ایک نئی زندگی حاصل کرنے کے لئے، ایک نیا خواب دیکھنے
کے لئے غزنی کی طرف کوچ کر رہا ہوں تاکہ وہاں جا کر اپنی بکھری
ہوئی قوت مجتمع کروں، اپنے دوستوں اور ساتھیوں کا جائزہ لوں
اپنی قوت بڑھاؤں!

لیکن میں قوت کیوں بڑھانا چاہتا ہوں؟

اس لئے نہیں کہ ملک گیری کی ہوس رکھتا ہوں صرف اس لئے کہ
چنگیز کی قوت کو، اس کے غرور کو، اس کے دبدبہ کو اس کی دہشت کو
اس کے غلبہ کو شکست دوں!

لیکن یہ تمنا نہ جانے کب تک پوری ہو ——!

اس میں دن لگیں گے،

وقت صرف ہوگا،

ماہ و سال گزر جائیں گے،

ممکن ہے زندگی بیت جائے،

لہٰذا میں انتظار نہیں کر سکتا صبر نہیں کر سکتا ——
آج بھی چنگیز میرے سامنے ہے، اس کا لشکر میرے سامنے ہے میں
اسے شکست نہیں دے سکتا، یہ جانتا ہوں اس وقت میں اس کا قلع
قمع نہیں کر سکتا، یہ بھی اچھی طرح جانتا ہوں .... لیکن میں
نہیں کر سکتا، مگر زخم ضرور لگا سکتا ہوں!

میرا ارادہ یہ ہے کہ ہم کڑی کمان کے تیر کی طرح چنگیز کے لشکر
پر گریں اور جو سامنے آئے اسے چھیدتے ہوئے اس سرے سے
اس سرے تک نکل جائیں گے، جب تک چنگیز کا لشکر سنبھلے سنبھلے
ہم بہت دور جا چکے ہوں گے ..... اس کی دست رس سے بہت دور"
یہ میرا حوصلہ ہے!

کیا تم میرا ساتھ دو گے؟

یہ جان جوکھوں کا معاملہ ہے .... ممکن ہے ہم سب
دھوکا کھانے میں کام آجائیں، ہم میں سے کوئی بھی زندہ نہ بچے
پھر بھی میں فیصلہ کر چکا ہوں اور اپنے فیصلہ پر قائم ہوں
بتاؤ!

کیا تم میرا ساتھ دو گے؟

پوری صفائی کے ساتھ اپنے عندیہ کا اظہار کر دو۔
یہاں سے راستہ کٹ سکتا ہے تم خوارزم یا غزنی کی طرف آسانی

سے جا سکتے ہو!

یہ سنتے ہی خوارزم شاہ کے سپاہیوں نے بڑے جوش
اور ولولے کے ساتھ نعرہ لگایا۔
خوارزم شاہ زندہ باد!
ہم دشمن پر ضرور حملہ کریں گے!
جلال الدین نے کہا
شاباش، میرے بہادرو..... مجھے تم سے یہی امید تھی!
بس اب نعرے نہ لگاؤ، جوش نہ دکھاؤ، اپنے عمل سے اپنے جوش کو ثابت کرو! دیکھو میں بڑھ رہا ہوں
آؤ میرے پیچھے پیچھے!

یہ کہہ کر خوارزم شاہ بجلی کی سی تیزی سے اپنے گھوڑے کو دوڑاتا چنگیز کے لشکر پر شہاب ثاقب کی طرح گرا۔

چنگیز خود بھی چوکنا رہتا تھا، اور اس کے سپاہی بھی غفلت کو اپنے پاس نہیں آنے دیتے تھے، لیکن آج عین غفلت کے عالم میں جلال الدین خوارزم شاہ اپنے دلاور رفیقوں کو لیے ہوئے اس طرح ٹوٹ کر گرا، کہ واقعی لوگ نہ سمجھ سکے یہ کیا ہو رہا ہے۔

جلال الدین اپنے ایک ہزار سپاہیوں کے ساتھ چنگیز کے لشکر پر گرا اور جس طرح شیر پانی کے دھارے کو کاٹتا ہوا ناک کی سیدھ بڑھتا ہے اور بڑھتا رہتا ہے، اسی

طرح جلال الدین بھی ناک کی سیدھ پر چنگیز کے لشکریوں کے خیموں میں قیامت برپا کرتا سپاہیوں کو کاٹتا اور سامنے آنے والوں کی گردن قلم کرتا ہوا ایک سیلاب رواں کی طرح بڑھتا رہا یہاں تک کہ جس سرے سے چلا تھا اسے کاٹ کر دوسرے سرے پر پہنچ گیا اور یہاں سے برق خاطف کی طرح اپنی چمک دکھا کر غزنی کے راستے پر ہو لیا!

چنگیز کے لشکر میں اس سانحے سے قیامت برپا ہو گئی۔ بہت سے لوگ زخمی ہو گئے بہت سے ہلاک ہو گئے، اندھیرے میں کسی کو پتہ نہ چل سکا۔ یہ کیا ہو رہا ہے، کون حملہ آور ہے، دشمن کون ہے اور کدھر ہے، یہاں تک کہ جلال الدین خوارزم شاہ چنگیز کے لشکر سے بہت دور نکل گیا، مگر چنگیز کے سپاہی خود آپس میں لڑنے لگے۔ اندھیرے میں جو سامنے آیا اسے دشمن سمجھ کر وار کر بیٹھے یہ نہ سمجھے کہ اپنا ہی آدمی ہے۔ اتنی دیر میں چنگیز خان جاگ گیا۔ قتن خان بھی بیدار ہو گیا۔ لشکر کے دوسرے امرا اور سردار بھی خیمے سے باہر نکل آئے اور روشنی کا حکم دیا گیا۔ تھوڑی دیر میں مشعلیں روشن ہو گئیں، اندھیرا غائب ہو گیا اور روشنی پھیل گئی

اب معلوم ہوا دشمن جا چکا ہے اور تاتاری خود آپس میں لڑ رہے ہیں، فوراً لڑائی بند کی گئی، زخمیوں کی مرہم پٹی کی گئی، جو ہلاک ہو گئے تھے، انہیں ٹھکانے لگایا گیا اور امن قائم ہو گیا۔

یہ کیا ہوا؟ --- یہ کون تھا؟
قتن خان نے لرزتے ہوئے کہا
غلام بہت جلد تحقیق احوال کر کے عالم پناہ کو مطلع کرے گا...
چنگیز: کیا چنگیز کی اس سے بڑی توہین ہو سکتی ہے؟

تمن خاں گردن جھکائے مجرم کی طرح کھڑا رہا۔ کچھ جواب نہ دے سکا

چنگیز خاں: ہمیں جلد از جلد معلوم ہونا چاہیئے، یہ جرأت کس کی تھی؟ ....

یہ معلوم کرلیں تب ہی ہم قدم آگے قدم بڑھا سکتے ہیں۔

تمن خاں: غلام کو صرف چند گھنٹوں کی مہلت ہو، پھر سارا سراغ لگ جائیگا!

چنگیز خاں: مہلت دی جاتی ہے ـــ آج کا سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے

ہمیں حقیقت حال معلوم ہوجانی ہے!

تمن خاں: آقائے نامدار، آج کا سورج غروب ہونے سے پہلے یہ کام انجام دے دیا جائیگا

تمن خاں اس عجیب و غریب دشمن کا سراغ لگانے اپنے جاں نثاروں کے ساتھ روانہ ہوگیا، اور چنگیز خاں افسردگی حیرت اور اضمحلال کے عالم میں اپنے خیمے کے اندر بیٹھ گیا۔ اس کی زندگی میں کبھی اس طرح کا واقعہ نہیں پیش آیا تھا، وہ سوچ رہا تھا کہ یہ کون دشمن ہے جو میرے گھر آیا اور میرے منہ پر طمانچہ مار کر نکل گیا۔ لیکن وہ جہاں بھی ہوگا، میں بجلی بن کر پہنچوں گا اور اس کے نخل حیات کو جلا کر راکھ کر دونگا!

راکھ کا ڈھیر

چنگیز کی آنکھوں سے شرارے نکل رہے تھے، اس کا چہرہ غصے سے بھبھوکا ہو رہا تھا اس کا جوڑ جوڑ کانپ رہا تھا، جب سے وہ پیدا ہوا تھا آج تک اتنا بڑا دھچکا اسے نہیں لگا تھا جب سے اس نے ہوش سنبھالا تھا۔ اب تک کسی نے اتنا بھرپور وار نہیں کیا تھا اس پر، جب سے وہ برسر اقتدار آیا تھا آج تک کسی بڑے سے بڑے تاجدار اور شہریار نے بھی یہ جرأت نہیں کی تھی کہ اس طرح اس کے منہ میں کالک لگا کر چلا جاتا، یہ اس کی سب سے بڑی توہین تھی۔ یہ ایسا واقعہ تھا جو کسی حالت میں اور کبھی فراموش نہیں ہو سکتا تھا وہ مار دم بریدہ کی طرح پیچ و تاب کھا رہا تھا اور ٹہل رہا تھا، سامنے تمن خاں کھڑا تھر تھر کانپ رہا تھا!

چنگیز خاں نے ہاتھی کی طرح دھاڑتے اور شیر کی طرح گرجتے ہوئے کہا

تو یہ حرکت جلال الدین خوارزم شاہ کی تھی؟

تمن خاں نے کانپ کر عرض کیا،

عالیجاہ وہی کی ...... اس نے یہ نادر جسارت کا مظاہرہ کیا ہے

اور اس کو سزا ملنی چاہئے!

چنگیز خاں: ہاں ملے گی ...... صرف اسی کو نہیں اس کی قوم کو بھی، اس کے وطن کو بھی اور اس کے شہر کو بھی .... ایسی عبرت انگیز سزا ملے گی کہ لوگ پشتوں تک یاد کریں گے۔ چنگیز کا انتقام کیا ہوتا ہے، کیا ہوتا ہے!

تمن خاں: بے شک یاد کریں گے اور سر پر ہاتھ رکھ کر روئیں گے، انکی حالت عبرت انگیز ہوگی!

چنگیز خاں: میں انہیں بتاؤں گا، انتقام کس طرح لیا جاتا ہے۔

تمن خاں: عالیجاہ اس کام میں دیر نہ ہونی چاہئے۔ خوارزم شاہ غزنی کی طرف گیا ہے .... کیا ہم اسی طرف کوچ کریں گے؟

چنگیز خاں: ادھر کوچ نہیں ...

تمن خاں پھر کانپ گیا، کچھ نہ کہہ سکا!

چنگیز خاں نے پھر بڑے زور سے کہا۔

ہم خوارزم٭ کی طرف کوچ کریں گے! ..... خوارزم کی طرف!

تمن خاں: بہت خوب ..... ہم خوارزم کی طرف کوچ کریں گے۔ خوارزم کی طرف!

چنگیز خاں: لیکن کب .....؟

٭ یعنی خوارزم آج کل خیوا کہلاتا ہے اور روس کے زیر نگیں ہے۔

تمن خاں: جیسے حکم عالی ہو!

چنگیز: کوچ ..... ابھی ..... اسی وقت!

تمن خاں: میرے آقا ہم اسی وقت چلیں گے!

چنگیز خاں: نہیں تو میں تیار ہو کر باہر نکلتا ہوں ..... تم جاؤ!

تمن خاں باہر چلا گیا۔ چنگیز نے اسلحہ جنگ زیب جسم کئے اور تھوڑی دیر میں ہی تیار ہو کر باہر آگیا۔ گھوڑا جو سازوسامان سے آراستہ تھا خیمہ کے دروازے پر کھڑا اپنے سوار کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ اچک کر اس پر بیٹھا، اتنی دیر میں ایک گھوڑے پر سوار تمن خاں بھی آگیا۔ تمن خاں اکیلا تھا اور بھی بہت سے سردار ان لشکر تھے۔ چنگیز کسی سے مخاطب نہیں ہوا۔ سب پر ایک نظر ڈالی، گھوڑے کو ایڑ لگائی اور خوارزم کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے روانہ ہوتے دیکھ کر دوسرے امراء نے بھی ، اور ان کی پیروی میں تمام سواروں نے اپنے گھوڑے ڈال دیئے اور یہ لشکر بڑے جاہ و جلال اور تزک و احتشام کے ساتھ خوارزم کی طرف ایک سیل رواں کی صورت میں روانہ ہو گیا!

خوارزم پر جلال الدین کا بھائی قطب الدین حکمرانی کر رہا تھا۔ درحقیقت اسی کی چالوں کے باعث جلال الدین کو خوارزم سے رخصت سفر باندھنا پڑا تھا۔ وہ ہرگز اس پر آمادہ نہیں تھا کہ اپنے بھائی سے لڑے، اپنے بھائی کا خون بہائے، اپنے ہم قوموں سے معرکہ آرا ہو۔ قطب الدین ابن الوقت، ڈرپوک اور بے تدبیر حکمران تھا، اس میں نہ حوصلہ تھا نہ امنگ، نہ جوش تھا نہ ولولہ، نہ ہمت نہ تدبیر، نہ فراست نہ دانشمندی، نہ بصیرت نہ تدبر۔ اسے صرف ایک ہی بات کی فکر تھی کہ کسی طرح عنان حکومت ہاتھ میں آجائے!

اسے چنگیز کا خطرہ نہیں، وہ تاتاریوں سے دہشت زدہ کہا کرتا تھا،
جو لوگ سپاہیوں سے زیادہ طاقتور لوگوں سے لڑتے ہیں، وہ احمق ہوتے ہیں جلال الدین
احمق ہے جو تاتاریوں سے لڑنے کے خواب دیکھتا ہے۔ مجھے معلوم ہے چنگیز خان سے
لڑائی ہوتے ہی کئی ہنسی کھیل کی ماں دونوں ہاتھوں سے کھیلتی ہے۔ جب میں اس سے بچا ہو
تو چنگیز کیوں لڑنے لگا۔ اور اگر پھر بھی وہ لڑنے پر آمادہ ہوا تو میں اس کی ہر شرط
بخوشی مان لوں گا۔ تو سارا جھگڑا ختم ہو جائے گا!

اور جب چنگیز کا لشکر خوارزم کی شہر پناہ کے پاس پہونچ گیا قطب الدین
ازلاق کو اس کی اطلاع پہونچی تو وہ ذرا بھی ہراساں یا پریشان نہیں ہوا اس نے
اپنے وزیر بختیار کو بلایا اور اس سے کہا۔

جاؤ ہماری طرف سے چنگیز سے ملو اسے اطمینان دلاؤ کہ ہم ہرگز اس سے
لڑنا نہیں چاہتے ہم اس سے دوستی کے طالب ہیں، ہم اس کی مہمان داری کریں گے
اس کی خاطر داشت کریں گے، اس کی خدمت میں کچھ زر پیش کریں گے اس کی جناب
میں تحائف نادرہ پیش کریں گے۔ اور یہ سب ہر سال کرتے رہیں گے وہ صرف
کھائے تحائف لے اور چلا جائے!

بختیار بھی

وزیرے چنیں شہریارے چناں

کا مصداق تھا، وہ فوراً راضی ہو گیا اور ایک گھوڑے پر سفید جھنڈا اس کا لہراتا
ہوا چنگیز کے لشکر میں پہونچا وہاں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا قتن خان نے اسے فوراً چنگیز
کے خیمہ میں پہونچایا، جو جو باتیں اس نے قطب الدین ازلاق نے کہی تھیں وہ

سب سے بڑی فصاحت اور بلاغت کے ساتھ اس کے سامنے دہرائیں، وہ
غور اور توجہ سے بختیار کی باتیں سنتا رہا اور عین اس وقت جب بختیار تقریر کر رہا
تھا کہ اب وہ خلعت فاخرہ سے نوازا جائے گا۔ وہ اپنے بادشاہ کی خدمت میں امن و صلح
کی خوشخبری لے کر روانہ ہوگا۔ چنگیز نے بلند آواز سے کہا،

ہم قطب الدین کا سر چاہتے ہیں ...... اگر تم خود زندہ رہنا چاہتے ہو
تو جاؤ اس کا سر کاٹ کر ہمارے حضور پیش کرو!

یہ سنتے ہی بختیار کے ہوش جاتے رہے... اس نے کانپتی ہوئی
آواز میں کہا،

میں اپنے بادشاہ تک آپ کا پیام پہونچا دوں گا!

چنگیز خان کا حکم ہوا،

جاؤ ...!

بختیار لرزاں و ترساں واپس آیا۔ قطب الدین اس کے انتظار میں ماہی بے
آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی لپکا اور پوچھا،

کہو کیا خبر لائے؟

بختیار نے کہا

وہ آپ کا سر چاہتا ہے ...... اس سے کم پر صلح نہیں ہو سکتی!

اور پھر اس نے ساری روداد اول تا آخر سنا دی۔

یہ خوفناک باتیں سنکر قطب الدین گھبرا گیا، اس نے کہا

پھر جاؤ اور کہو قطب الدین آپ کا خادم ہے۔ وہ آپ کے حق میں

بادشاہت سے دستبردار ہوتا ہے۔ تشریف لایئے اور شہر پر قبضہ کر لیجئے
صرف اس کی جان بخشی کر دیجئے، ورنہ کہیں بھی نکل جائے گا۔۔۔۔۔۔ جاؤ بختیار
ہر قیمت پر اس سے امان طلب کرو تم خود کہہ چکے ہو، اس کا لشکر حد شمار سے
خارج ہے ـــــ ہم اس سے کیونکر عہدہ برآ ہو سکیں گے؟"

بختیار پھر ایلچی بن کر پہنچا اور اس نے چنگیز کے حضور میں پہنچ کے
جو پھر ساری رام کہانی کہہ سنائی آخر میں اپنی اور قطب الدین کی طرف سے کہا

"اہل شہر آپ کا استقبال کرنے کو بے تاب ہو رہے ہیں۔ آپ کب تشریف
لائیں گے کہ وہ اپنی حسرت پوری کریں؟"

چنگیز خلاف عادت مسکرایا۔

"تم چلو، ہم آتے ہیں!"

بختیار خوشی خوشی ازلاق کے پاس واپس آیا اور کہا

"بڑی مشکل سے چنگیز نے یہ بات مانی ہے ..... شکر ہے آپ کی جان
بچ گئی اب وہ اپنے لشکر سمیت شہر میں آ رہا ہے اس کے استقبال کا انتظام کیجئے!"

قطب الدین ازلاق یہ مژدہ جانفزا سنکر خوش ہو گیا۔ فوراً چنگیز کے استقبال
کی تیاریاں ہونے لگیں، تھوڑی دیر میں ہر طرف سے آہ و بکا اور فریاد الغیاث کے
نعرے بلند ہونے لگے، ازلاق گھبرا گیا۔ اس نے بختیار سے پوچھا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟ ـــــ؟"

بختیار باہر آ گیا اور تھوڑی دیر میں آ کر خبر دی کہ چنگیز ... گیا۔
یہ سنکر ازلاق کے حواس جاتے رہے۔ وہ شہر والوں ...

پیشوائی کو گئے، محل کے دروازے تک اپنے خدم و حشم کے ساتھ پہنچا چنگیز نے
میان سے تلوار نکال کر ایک ہی وار میں ازلاق کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے ساتھ جو اس کے
مصاحب اور امرا تھے، انہیں بھی تہ تیغ کیا گیا پھر سارے شہر میں پوری سفاکی کے ساتھ
اس کے سپاہیوں نے کاٹ مار شروع کر دی۔ خوارزم بڑا وسیع شہر تھا
آبادی بہت گنجان تھی، ہر محلہ ایک مستقل بستی کا حکم رکھتا تھا۔ خوارزم کے باشندوں
نے یہ دست درازی دیکھ کر مقابلہ کرنا چاہا، تاتاری جلتے ہوئے تو تھے ہی سارے شہر
میں آگ لگا دی۔ بہت سے محلے جل کر راکھ کے ڈھیر بن گئے، تاتاریوں نے
ایک ایک محلہ پر دھاوا بولا۔ سارے شہر پر قبضہ کر لیا، آبادی کو فصیل سے باہر
لے جا کر ایک وسیع اور کشادہ میدان میں کھینچ لیا ایک لاکھ اہل خوارزم کو تاتار بھیجنے
کے لئے چھانٹ کر باقی آدمیوں کو فوج میں تقسیم کر دیا۔ شہر کی ایک ایک چیز لوٹ لی گئی

ﻪ یہ ساری تفصیل تاریخی ہے۔
مشہور مؤرخ ابن اثیر نے تباہی کی ایک دوسری داستان لکھی ہے
تاتاریوں نے شہر فتح کرنے کے بعد بند کو جس کے ذریعہ شہر میں پانی آتا تھا توڑ
دیا اور ساری آبادی مع شہر کے غرق آب ہو گیا!

فائقہ کا مشورہ

غزنی پہونچنے کے بعد سب سے اہم اور پیچیدہ سوال جلال الدین خوارزم شاہ کے سامنے یہ تھا کہ کیا کرے؟ .... یہاں پہونچنے کو تو پہونچ گیا تھا لیکن وسائل کامیابی اسے مسدود تر نظر آتے تھے، یہاں کے عوام نے اسکا استقبال کیا، ایسے جوش و خروش کے ساتھ دیدہ و دل فرش راہ کر دیئے۔ لیکن عوام کے پاس دیدہ و دل کے سوا اور ہوتا ہی کیا ہے؟ خواص بھی اس کی شخصیت کی جولانی سے واقف تھے، آنے والے خطرات کا بھی کسی حد تک اندازہ تھا، اس لئے جہاں تک تعلق ہے وہ بھی عوام سے پیچھے نہیں رہے۔ لیکن اس کے آگے؟ — ؟

اب کیا کیا جائے؟

بادشاہت تو موروثی تھی، وہ جہاں بھی جائے، جس حال میں بھی ہو پیچھے

بہرحال وہ بادشاہ تھا!

صدر ہر جا کہ نشیند صدر است!

لیکن خالی صدارت سے تو کام نہیں چلتا، اسکے ساتھ جو ایک ہزار سوار خاص تھے

چنگیز کے لشکر پر شب خون کے سلسلے میں ان کی تعداد — بہت مختصر سہی — لیکن کم ہو گئی تھی، اور رہتی بھی ہوتی تو کیا یہ ایک ہزار مردان خدا بھی چنگیز کے لشکر کا مقابلہ کر سکتے تھے؟

ناممکن! —!

ضرورت تھی کہ یہاں حالات ایسے پیدا کئے جائیں کہ اگر چنگیز ادھر کا رخ کرے تو منہ کی کھائے، لیکن کیونکر؟ — کیسے؟ — کس طرح؟

جلال الدین اسی فکر میں حیران و پریشان، مغموم و دل گرفتہ بیٹھا تھا، کچھ درباری بھی موجود تھے۔ شمس الدین بھی حاضرین میں شامل تھا!

جلال الدین نے کہا

- ہم یہاں آ گئے — لیکن اب؟

ایک درباری نے عرض کیا

- جہاں پناہ یہاں پہونچ گئے، عوام نے خیر مقدم کیا، خواص نے ترانے گائے، نئی حکومت قائم ہو گئی —

جلال الدین خوارزم شاہ: لیکن میں نئی حکومت قائم کرنے نہیں آیا ہوں، میں اس لئے آیا ہوں کہ وہ وسائل مہیا کروں کہ چنگیز کا منہ توڑ سکوں، اسکا سر پر غرور جھکا سکوں! — یہ میرا مقصد نئی حکومت قائم کرنا نہیں۔

وہی درباری بولا،

- چنگیز ادھر آنے کی جرأت نہیں کر سکتا!

جلال الدین بھڑک گیا

کیوں نہیں آسکتی؟ ...... کیا اس کے پاؤں میں مہندی لگی ہے؟

معین الدین نے کہا

اسے کیا معلوم ہم کہاں ہیں؟

جلال الدین: اس کا انتظام اچھا سا کیا ہے۔ ممکن ہے ضرور معلوم ہو چکا ہو گا شب جان کس نے ... تھا اور وہ کہاں گیا

معین الدین: پھر بھی اسے آتے آتے کیا دو دن لگیں گے

خوارزم شاہ: کیوں لگے گی؟ ...... اسے تیاری تو کرنی نہیں ہے۔ اس کا لشکر اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو وہ اس کا انتظار نہیں کرے گا کہ ہم لشکر کشی کر کے تیار ہو لیں تب وہ آئے ...... وہ تو ہماری کمزوری سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا چاہتا ہے، وہ چاہتا ہے ہم یک پچھاڑ لے اور وہ وار کر گذرے، ویسے دشمن کے بارے میں تم سمجھے ہو یہاں آنے میں اسے دیر لگے گی ...... حسن ظن کی انتہا ہے!

معین الدین: تو پھر ہمیں جنگی تیاریاں شروع کر دینی چاہئیں!

خوارزم شاہ: ضرور ایک لمحہ کا توقف کئے بغیر لیکن وہ تیاریاں کیا ہیں جنہیں ہم انجام دیں گے؟ ...... روپیہ ہمارے پاس نہیں، سامان جنگ سے ہم محروم، سپاہیوں کی تعداد ہمارے پاس قدرے قلیل!

اب ہم ان چیزوں کو کس طرح بڑھائیں!

ایک اور درباری بول اٹھا،

رعایا پر ٹیکس لگا کر!

خوارزم نے جھڑک دیا،

رعایا ویسے ہی پریشان ہے، اس وقت ٹیکس لگانے کے معنی یہ ہیں کہ اسے لوٹا جائے، اور میں اس کے لئے تیار نہیں کہ لوگ مجھے لٹیرا کہیں!

معین الدین: تو جہاں پناہ پھر ہم اس بے سروسامانی اور غربت کے عالم میں کیا کر سکتے ہیں؟

خوارزم شاہ: یہی میں بھی سوچ رہا ہوں ...... آج ایک بات عائلہ نے ایسی کہی جو ہمیں بہت پسند آئی، ہم چاہتے ہیں اسی پر عمل کریں۔

معین الدین: وہ کون سی بات جہاں پناہ؟

خوارزم شاہ: ہمیں ملول و افسردہ دیکھ کر اس نے سبب دریافت کیا، وجہ یہ کیا بات تھی کہ ہم نے اپنی ساری پریشانی اس سے کہہ دیں، آدمی جب زیادہ پریشان ہوتا ہے تو وہ ہر شخص کو شریک مشورہ بنا لیتا ہے ——

معین الدین: بجا ارشاد ہوا جہاں پناہ!

خوارزم شاہ: اس نے ہمیں مشورہ دیا کہ ہم خلیفۃ المسلمین کی خدمت میں سفارت بھیجیں ......

معین الدین: لیکن اس سے حاصل ——؟

خوارزم شاہ: اور خلیفۃ المسلمین سے استدعا کریں کہ وہ چنگیز کے خطرہ کو محسوس کریں اس کی اہمیت اور وقعت کو نظر انداز نہ کریں چھوٹی چھوٹی اسلامی حکومتوں کو ختم کر کے وہ ضرور بغداد کی طرف رخ کرے گا!

معین الدین:۔ جیسا ارشاد ہوا۔

خوارزم شاہ:۔ وہ کہتے تھے اگر خلیفۃ المسلمین اسے محسوس کر لیں ہماری سرپرستی کریں، ہماری مدد کریں تو اس سے ہمیں بڑی مدد ملے گی۔ بڑا سہارا ملے گا ——

کیا غور کیا اس پر؟

معین الدین:۔ بہت ٹھیک کہا جہاں پناہ .... وہ تھی بڑی اچھی اور قابل غور تجویز ہے۔

خوارزم شاہ:۔ غور تو ہم نے کر لیا ——!

معین الدین:۔ تو ارشاد ہو تاکہ اس کی تعمیل کی جائے!

خوارزم شاہ:۔ ہم وہاں جلد از جلد اپنی سفارت بھیجنا چاہتے ہیں —— کیا تم جانے کے لئے تیار ہو؟

معین الدین:۔ غلاموں سے مشورہ نہیں کیا جاتا انہیں حکم دیا جاتا ہے اور سر و دھڑ کی بازی لگا کر اس کی تعمیل کرتے ہیں۔

خوارزم شاہ:۔ ہمیں تمہاری وفاداری پر ناز ہے۔ تمہارے اخلاص کی قدر ہے۔ تمہاری جان نثاری پر بھروسہ ہے!

معین الدین:۔ بندہ بجا، یہی ہے آقائے عالم پناہ کی!

خوارزم شاہ:۔ تو پھر کب رخصت سفر باندھنے کا ارادہ ہے؟

معین الدین:۔ جب ارشاد ہو ... اگر منشا سب یہ ہو تو کل ہی سہی

خوارزم شاہ:۔ ہاں ہم بھی یہی چاہتے ہیں!

یہ کہہ کر خوارزم شاہ نے مجلس برخاست کر دی۔ معین الدین اپنے خاص خیمہ میں پہونچا جو

سب کے آرام کرنے کا کام دیتا تھا۔ یہاں فائقہ موجود تھی۔ اپنے آقا کو آتا دیکھ کر وہ سرو قد کھڑی ہو گئی۔ خوارزم شاہ نے اسے التفات کی نظروں سے دیکھا اور کہا

۔ فائقہ ہم نے تمہارے مشورہ پر غور کیا اور اس پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے!

فائقہ پھول کی طرح کھل گئی۔ جذبۂ مسرت کو چھپاتے ہوئے عرض کیا

۔۔ کون سا مشورہ تھا عالم پناہ، کنیز کو تو یاد بھی نہیں!

جلال الدین:۔ ذہانت کے ساتھ بھولی بھی ...... عجیب بات ہے!

کیا تم نے ہمیں صلاح نہیں دی تھی کہ خلیفۃ المسلمین کی خدمت میں ہم بھی سفارت بھیجیں۔

فائقہ:۔ یاد آگیا، عالم پناہ کنیز نے یہ عرض کیا تھا!

جلال الدین:۔ کل صبح ہماری سفارت بغداد جا رہی ہے!

فائقہ:۔ کاش اس سفارت میں کنیز بھی جا سکتی —— میں خلیفۃ المسلمین کو بتاتی کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ اور کیا کرنا چاہئیے!

جلال الدین:۔ (مسکرا کر) نہیں تمہیں جانے کی ضرورت نہیں۔ تم یہیں رہ کر ہمیں اچھے اچھے مشورے دے سکتی ہو!

شبِ غم

اے شبِ غم تری سحر بھی ہے ؟

(۱)

بغداد پر ناصر الدین اللہ کا پرچم شان و شکوہ کے ساتھ لہرا رہا تھا۔ اگرچہ ہارون الرشید اور مامون الرشید اور معتصم کا یہ جانشین اس ہیبت اور جلال کو کھو چکا تھا جس نے قیصرِ روم کو لرزہ براندام کر رکھا تھا۔ اگرچہ وہ دبدبہ اور طنطنہ رخصت ہو گیا تھا جس نے سارے مشرق پر خلافتِ عباسیہ کی دھاک بٹھا رکھی تھی۔ اگرچہ وہ دم خم ختم ہو چکا تھا۔ جس کا تصور بھی دشمنوں پر ہیبت اور ہراس طاری کر دیتا تھا۔ پھر بھی خلافتِ عباسیہ کی سطوت اور جلالت کم نہ ہوئی تھی۔ ابھی تک فساد، جنگیوں، سازشوں اور شرارتوں کے باوجود بھرم قائم تھا۔ ترکی غلاموں کی سرکشی، سلجوقی طاقت اور اسلامی حکومت کی مداخلت، اور سربراہی، نیز اقتدار و ثروت کے باوجود خلیفہ کی ذات اب تک مرجع انام تھی۔ اور خلافت کا وجود، خلیفہ کی ذات اب تک دوستوں کیلئے باعثِ تسکین اور دشمنوں کیلئے موجبِ ملال تھی۔ درخت اندر سے کھوکھلا ہوتا جا رہا ہے۔ اسکا اندازہ تو

کو تھا لیکن بالکل کھوکھلا ہو چکا ہے۔ آثار اور شواہد کے باوجود اسے ماننے کے لئے بڑے سے بڑے طاقتور حریف بھی تیار نہیں تھا یہی وجہ تھی کہ ہر طرح کی کمزوری اور ناکامیوں کے باوجود، خلافت کی ساکھ میں فرق نہ آیا تھا۔ خلیفہ کے احترام میں کمی نہ ہوئی تھی۔

بدقسمتی کی ایک اور بات یہ تھی کہ عباسی خاندان میں اب کوئی ایسا مرد کار بھی نہیں نظر آتا تھا جو اپنی ہمت اور صلاحیت سے کام لیکر دشمنوں کو کچلتا۔ حالات پر قابو پاتا اور سلطنت کے ڈگمگاتے ہوئے سفینہ کو ساحلِ مقصود کی طرف رواں دواں لے جاتا۔ امیر المومنین کی حرم سرا رنگ رلیوں، عیش و عشرت کا مرکز تھی اور دربار سازشوں اور جوڑ توڑ کے لئے وقف تھا۔ حرم سرا میں ناؤ نوش اور چنگ و رباب اور رقص و سرود کی محفلیں برپا ہوتی تھیں اور دنیائے عالم کی حسین و جمیل طرحدار سیمتن کنیزوں کا جمگھٹ تھا۔ دن عید تھا اور رات شب برات۔ نہ اس سے غرض تھی کہ حکام و عمال اور عوام کے درمیان کیسی خلیج روز بروز پیدا ہوتی جاتی ہے۔ ہارون الرشید کی سی وہ اولوالعزمی اور فرض شناسی تھی کہ راتوں کی تاریکی میں خلیفہ بھیس بدل کر باہر نکلے اور قوم کے ظاہر و باطن کا مطالعہ کرے۔ نہ یہ احساس تھا کہ حدودِ مملکت جب تو سیع ہو کہ اللہ کی سر بلندی کے لئے کام کیا جائے۔ دشمنوں کا اس طنطنہ کے ساتھ مقابلہ کیا جائے کہ ان کا پتہ پانی ہو جائے۔ دیکھنا یہ تھا کہ بگڑتے ہوئے حالات یا تو لیپا پوتی میں سدھار لئے جائیں، خلوت کی محفلیں رنگین رہیں اور خزانہ بادشاہوں کے جمگھٹ نے اس قابل ہی نہ رکھا تھا کہ عیش کے سوا کسی اور چیز پر غور کیا جائے۔

اور بادشاہی ـــــ ؟

دربار کا حال سب سے ابتر تھا!

یوں تو بڑے بڑے امرا تھے، حکام عالی مقام تھے، وزرائے عالی مرتبت تھے، دولت کی فراوانی تھی، اقتدار کا دبدبہ تھا۔ سب کچھ تھا لیکن دربار میں اب بین الملی معاملات و مسائل پر اس سنجیدگی اور ہم آہنگی سے غور نہیں ہوتا تھا جس سنجیدگی اور ہم آہنگی سے تماشا و طرب کے پروگرام بنتے تھے۔

ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی آئینہ بنی تھیں!——

باہمی جوڑ توڑ، سازش اور سرگرمی کاری کی ساری قوت صرف اس بات پر صرف ہوتی تھی کہ اسے کس طرح امیر المومنین کی نظروں سے گرا دیا جائے، اسے کیونکر امیر المومنین کا معتمد خاص بنا دیا جائے۔

شاعر اور سازندوں کا بھی ایک گروہ موجود تھا۔

اس گروہ کی زندگی کا مقصد صرف یہ تھا کہ خلیفہ اور شاہزادوں کو جہاں تک ہو سکے امور مملکت سے بے خبر، اور عیش و عشرت میں منہمک رکھا جائے!——

کیونکہ بغیر اس کے نہ جاگیریں مل سکتی تھیں، نہ سیم و زر سے بھری ہوئی تھیلیاں بخشی جا سکتی تھیں۔ پُرکشش اندام اور زہرہ جمال لونڈیاں عیش و عشرت کیلئے تحفے کے طور پر حاصل کی جا سکتی تھیں...... جو خلیفہ جتنا زیادہ امور مملکت سے غافل اور امور طرب سے شاغل بنتا تھا، یہ دل سے اس کی درازی عمر و اقبال کی دعائیں مانگتے تھے۔ اپنی ساری فنکاری اس کی شان میں جھوٹے لیکن پرزور قصیدے لکھنے میں صرف کر دیتے تھے اور دربار کے حکام و امرا اسامرا اور وزرا بھی ان کی حوصلہ افزائی کرتے تھے، انہیں شہ دیتے تھے اور ان کی پیٹھ پر ہاتھ دھرتے تھے۔ بلکہ اگر موقع ہو تو اپنی

جیب خاص سے بھی سرپرستی اور مدد کے طور پر زرِ سرخ کی تھیلیاں بھی عطا دیتے تھے۔

ناصر الدین اللہ میں جتنی ذاتی صلاحیتیں اور اچھائیاں تھیں وہ ان مصاحبوں نے غارت کر کے رکھ دی تھیں۔ وہ اپنے اقتدار اور اپنے آرام کے سوا کسی مسئلہ پر سنجیدگی سے غور نہیں کرتا تھا۔ مصاحبوں اور خوشامد خوروں نے اس کی اس عادت میں اور زیادہ استحکام پیدا کر دیا تھا، وہ اپنی رائے سے بہت کم کام لیتا تھا، دوسروں کی رائے کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دیتا تھا۔ جس نے اپنی زندگی دوسروں کے رحم و کرم پر ڈال دی ہو، وہ کس طرح خود رائی سے کام لے کر اپنی خودی کو بیدار اور خود شناسی کو مستحکم کر سکتا ہے!

جلال الدین خوارزم شاہ کی سفارت معین الدین کی سرکردگی میں بغداد پہنچ چکی تھی۔ لیکن اب تک اسے شرف باریابی نہیں حاصل ہوا تھا۔

یہ عام معمول تھا کہ ممالک غیر سے جو سفرا حاضر ہوتے تھے انہیں دربار خلافت میں کئی کئی ماہ بلکہ اکثر اوقات سال سال، دو دو سال بعد حاضری کی اجازت ملتی تھی تاکہ وہ دربار حکومت کے دبدبے سے زیادہ سے زیادہ متاثر اور مرعوب ہو جائیں، پھر جب انہیں حاضری کا موقع ملتا تھا تو اس موقع پر اس شان سے بھی نمائش ہوتی تھی، جس شان سے امیر المومنین کا جلوس نکلتا تھا اس شان سے دربار میں تشریف فرما ہوتے تھے، ایسے پرتکلف طریقہ پر دربار کو سجایا جاتا تھا اور سونے و جواہرات کے ایسے ایسے بیش بہا تحفے دریا کی طرح بہا کر لے جاتے تھے کہ جب سفیر اپنی آنکھوں سے جاہ و جلال اور کر و فر کا یہ منظر دیکھتا تھا تو دل میں قائل ہو جاتا تھا کہ واقعی دنیا کے

کے پاس وہ بے ایسی باجرأت، طاقت ور اور عظیم حکومت نہیں:
یہی ساری باتیں اب جلال الدین خوارزم شاہ کی سفارت میں بھی پیش نظر تھیں،
خوارزم شاہ کی سفارت آچکی تھی،
لیکن مصالح پرستوں نے اب تک اسے حاضرِ دربار ہونے کی اجازت نہیں دی تھی!
بلکہ خلیفہ کے علم و اطلاع میں بھی یہ بات نہیں آئی تھی کہ خوارزم شاہ کی
کوئی سفارت بغداد پہنچ چکی ہے!

(۲)

ایک روز خلیفہ مجلس شبینہ کی تیاریاں کر رہا تھا کہ اطلاع ملی: وزیرِ اعظم اسی وقت
شرفِ باریابی حاصل کرنے کا متمنی ہے!
خلیفہ کو تعجب تو ہوا لیکن اس نے اجازت دے دی۔ دوسرے ہی لمحے وزیرِ اعظم حاضر ہوا،
خلیفہ نے پوچھا،
خلیفہ ناصر: کیوں خیریت تو ہے؟ ——— اس وقت تم کیسے آئے؟
وزیرِ اعظم: امیر المومنین جلال الدین خوارزم شاہ کی ایک سفارت عرصے سے حاضر ہے
اور شرفِ حضوری حاصل کرنے کی تمنا کر رہی ہے .... میں اب تک
ٹالتا رہا لیکن خوارزم کے سفیر نے آج یہ تک کہہ دیا کہ اگر اسے خلیفہ
کی خدمت میں فوراً نہ پیش کیا گیا تو .... !
خلیفہ ناصر: تو کیا؟ ——— کیا خوارزم شاہ کا سفیر نہیں جانتا کہ ہمارے
دربار میں حاضر ہونے کے آداب و شرائط کیا ہیں؟
وزیرِ اعظم: جانتا ہے، لیکن حالات کچھ ایسے ہیں کہ اب وہ صبر نہیں کر سکتا ....

بلکہ وہ تو یہ کہہ رہا تھا کہ اب کی تجویز بغداد سے وہ امیر المومنین کا دامن پکڑ کر
کھڑا ہو جائے گا!
خلیفہ ناصر: آخر وہ ایسے کیا حالات ہیں کہ سفیر کی بے صبری اور اتنی بے تابی بڑھی ہوئی
ہے؟
وزیرِ اعظم: بات یہ ہے امیر المومنین کہ ———
خلیفہ: ہاں ...... کہتے کیوں نہیں؟
وزیرِ اعظم: بات یہ ہے امیر المومنین کہ
جب دیا رنج بتوں نے تو خدا یاد آیا
یہ کہہ کر وزیرِ اعظم نے ہونٹ دانتوں سے دبا لئے .... جنہیں ضبط کرنا
مشکل ہو رہی تھی۔
خلیفہ ناصر: یہ تم نے ایسی بات کہی ہے جو تشریح طلب ہے، بتاؤ تم کیا کہنا چاہتے
ہو!
وزیرِ اعظم: تاتاریوں نے خوارزم شاہ کو زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا کر دیا
ہے!
خلیفہ ناصر: ہمیں معلوم ہوا تھا، چنگیز کسی بات پر خوارزم شاہ سے بگڑ گیا ہے۔
وزیرِ اعظم: اور پھر چنگیز نے بھوکے تاتاری ٹوٹ پڑے کہ اسی غم میں علاء الدین خوارزم شاہ
مر گیا، اب اس کے فرزند ارجمند جلال الدین خود چنگیز خان سے الجھ
رہے ہیں۔
خلیفہ ناصر: لیکن ہمیں تو یہ بتایا گیا تھا کہ علاء الدین کے بعد تختِ حکومت پر قطب الدین

اس وقت تخت پر بیٹھا ہے، پھر جلال الدین کہاں سے آگیا ——— خانہ جنگی
ہوئی ہوگی شاید!؟

وزیر اعظم: تخت نشین تو بیشک قطب الدین ازلاق ہوا تھا، لیکن وہ تو چنگیز کے ہاتھوں
مارڈالا گیا ———

خلیفہ ناصر: مارڈالا گیا ———؟

وزیر اعظم: جی! ——— اور جلال الدین کو بھی خوارزم سے بھاگ کر ایک دوسرے شہر
میں پناہ لینی پڑی!

خلیفہ ناصر: یہ برا ہوا ———!

وزیر اعظم: بہت برا ہوا ——— ! امیر المومنین۔

خلیفہ ناصر: چنگیز کی یہ چیرہ دستیاں دہشت انگیز طور پر بڑھ رہی ہیں ———
ان کا سد باب ہونا چاہیئے!

وزیر اعظم: بجا ارشاد ہوا ——— لیکن چنگیز سے ہمیں تو کوئی خطرہ نہیں ہے

خلیفہ ناصر: ہاں آج نہیں ہے لیکن کیا کل بھی نہیں ہوگا؟

وزیر اعظم: کبھی نہیں ہوگا ——— !

خلیفہ ناصر: اس حسن ظن کی وجہ؟ ——— دلیل؟

وزیر اعظم: نہ ہم اسے چھیڑیں گے نہ وہ ہمیں چھیڑے گا!

خلیفہ ناصر: تو کیا خوارزم شاہ نے چنگیز کی دعوت ٹھکرا دے کر حماقت کا ثبوت دیا تھا!

وزیر اعظم: بالکل یہی بات ہے سلطان عالم پناہ ——— خوارزم شاہ خود اس سے بھڑا تھا!

خلیفہ ناصر: تو اب اپنی حماقتوں کا خمیازہ بھگت رہا ہے ——— بہرحال وہ ہم سے
کیا چاہتا ہے؟

وزیر اعظم: امداد ——— وہ چاہتا ہے خلیفۃ المسلمین اور امیر المومنین اس کی امداد
فرمائیں

خلیفہ ناصر: ہمیں خوارزم شاہ سے ہمدردی ہے ———

وزیر اعظم: جب امیر المومنین کو اس سے ہمدردی ہے تو ہم خدام بارگاہ کو بھی ہے بلکہ
ہر مسلمان کو ہے!

خلیفہ ناصر: ہونی ہی چاہیئے، ضرور ہونی چاہیئے!

وزیر اعظم: لیکن قبل اس کے کہ یہ ہمدردی عملی جامہ پہنے، مسئلہ کے بعض پہلو ایسے ہیں کہ
ان پر ضرور غور کر لینا چاہیئے، ورنہ نتائج خطرناک ہوں گے۔

خلیفہ ناصر: شاید تم چاہتے ہو کہ ہم خوارزم شاہ کی مدد نہ کریں!

وزیر اعظم: میں وہی چاہتا ہوں جو امیر المومنین کی مرضی ہو، لیکن یہ ضرور چاہتا ہوں
کہ حقائق سے امیر المومنین کو باخبر کر دوں!

خلیفہ ناصر: تمہیں اجازت ہے ——— کہو!

وزیر اعظم: پہلی بات تو یہ ہے کہ خوارزم شاہ ہمارا دوست نہیں ہے، کبھی بھی نہیں
تھا، اس خاندان کے ہاتھوں خلافت عباسیہ کے وقار کو صدمہ پہونچ چکا
ہے ——— یہی خاندان تھا جس کے ہاتھوں خلافت عباسیہ کے
اقتدار پر بھی کاری ضرب لگ چکی ہے ———!

نہ جانے کس طرح اس کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ وہ خاقان کا
خان یعنی خاقان ہے۔

وہ خدا کو نہیں مانتا۔ لیکن کہتا ہے جس طرح سورج ایک ہے، چاند ایک
ہے اسی طرح ساری دنیا کا بادشاہ بھی ایک ہونا چاہیئے!

خلیفہ ناصر: (مسکرا کر) گویا نصف خدا بننے کی کوشش بھی کر رہا ہے؟

وزیر اعظم: اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اکثر اوقات وہ یہ سمجھتا ہے کہ خدا اس کی مدد بھی
کر رہا ہے!

خلیفہ ناصر: یہ کیسے جانا تم نے؟

وزیر اعظم: چنگیز آج تک نہیں ہارا اس نے ہر مقابل کو شکست دی، اس کی قوت کی
کوئی انتہا نہیں، اس کی فوج حد شمار سے خارج ہے اس کے اسلحہ جنگ
اپنا جواب نہیں رکھتے، اس کے سپاہی اتنے ظالم، سفاک ہیں کہ وہ مغلوب
مفتوح قوم کے اسیروں کا بے دردی سے خون بہاتے ہیں، گردنیں کاٹتے
ہیں اور مسکراتے ہیں، عصمتیں لوٹتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں، جان لیتے
اور خوشی لوٹتے ہیں۔ ان کے ظلم، سفاکی، شقاوت اور سنگدلی کے تصور
سے روح کانپتی ہے۔ وہ دنیا میں قہر خداوندی کا نمونہ ہیں، وہ اتنے خونی
آدم خور ہیں کہ دنیا میں آج تک کوئی ایسا نہیں پیدا ہوا!

خلیفہ ناصر: (متوحش ہو کر) ہاں یہ سب ہم سن چکے ہیں،

---

۱ ہیرلڈ نے اپنی کتاب میں تفصیل سے یہ بات لکھی ہے۔

خلیفہ ناصر: ہاں ...... ماضی کی تلخ یادیں ہمارے دماغ پر بھی ابھر رہی ہیں۔ ان
ان تلخ یادوں کے ساتھ کتنی کش مکش، مخالفت، قومیت، افتراق، یہ
سب باتیں یاد آ رہی ہیں اور انہیں یاد کر کے ہماری طبیعت منغض ہو
رہی ہے۔

وزیر اعظم: بجا ارشاد ہوا ــــــ میں بھی یہی عرض کرنا چاہتا تھا ....
میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں ہم ایسے شخص کی مدد کریں جو خاندان خلافت کی
توہین کر چکا ہے، اقتدار، خلافت کو مجروح کر چکا ہے، قوت کے بل پر
خلافت عباسیہ کے معاملات میں مداخلت کر چکا ہے ــــــ
آج جلال الدین پر دنیا تنگ ہو رہی ہے وہ ہم سے امداد کا طالب ہے، لیکن
کل جب مصائب کے بادل چھٹ جائیں گے وہ چنگیز کی فکر سے آزاد ہو
جائے گا تو قوت و طاقت حاصل کرنے کے بعد کیا وہ ہمارے لئے ایک کھنچی
ہوئی تلوار بن جائے گا؟ کیا وہ ایک ایسے خطرہ کی صورت نہیں اختیار کر لے گا
جس کا مقابلہ کرنا ہمارا ناممکن ہو جائے گا؟
کیا ماضی کے تلخ اور ناقابل فراموش واقعات ہمیں سبق نہیں دیتے، غور نہیں
کرتے؟

خلیفہ ناصر: ہاں تم ٹھیک کہتے ہو،

وزیر اعظم: بس میں یہی عرض کر رہا تھا!

خلیفہ ناصر: یہ تو ایک بات ہوئی۔ اور دوسری بات؟ ــــــ؟

وزیر اعظم: دوسری بات یہ کہ چنگیز ایک وحشی اور درندہ صفت قربانی روا ہے

وزیر اعظم:۔ امیرالمومنین چنگیز کو طاقت، تازیانۂ الٰہی[ل] کے نام پکارتے ہیں!

خلیفہ ناصر:۔ واقعی وہ تازیانۂ الٰہی ہے۔ خدا اس کے شر سے ہر شخص کو محفوظ رکھے!

وزیر اعظم:۔ امیرالمومنین اس کے شر سے محفوظ رہنے کی صرف ایک صورت ہے

خلیفہ ناصر:۔ (چونک کر) وہ کیا ــــ؟

وزیر اعظم:۔ یہ کہ ہم اسے نہ چھیڑیں اسے دعوت پیکار نہ دیں۔ اس کے معاملات میں حصہ نہ لیں۔ اسے اس کے راستے چلنے دیں۔ پھر وہ بیشک ہمارے معاملات میں بھی دخیل نہیں ہوگا۔

خلیفہ ناصر:۔ لیکن اس کی ضمانت کیا ہے؟

وزیر اعظم:۔ ہماری امن پسندی، ہماری شرافت، ہماری غیر جانبداری!

خلیفہ ناصر:۔ ہمیں تمہاری رائے سے اتفاق ہے ــــ واقعی! [illegible] انسان سے الجھنا مناسب نہیں۔

وزیر اعظم:۔ اور ظل اللہ کے شایان شان بھی نہیں!

خلیفہ:۔ ٹھیک کہتے ہو، درست کہتے ہو تمہاری اصابت فکر و رائے سے ہم متاثر ہوئے۔

وزیر اعظم:۔ ظل اللہ کی بندہ نوازی ہے، کرم گستری ہے، نوازش ہے [illegible]

خلیفہ ناصر:۔ ہم یہ بھی سوچتے ہیں جس سے ہمیں نفرت ہے جس سے ہمارے ذہن و دماغ کو اذیت پہنچی اس کی مدد ہم کریں بھی تو کیوں؟

ل دیکھو ہیرلڈ لیمب کی کتاب "چنگیز"۔

وزیر اعظم:۔ بجا ارشاد ہوا امیرالمومنین!

خلیفہ ناصر:۔ تو پھر خوارزم شاہ کے سفیر کو کیوں ٹھہرا رکھا ہے، کیوں نہ اسے رخصت کر دو!

وزیر اعظم:۔ نہیں امیرالمومنین یہ بات آداب سفارت کے خلاف ہوگی!

خلیفہ:۔ تو تم چاہتے ہو ہم اس سے ملیں، ملاقات کریں؟ اسے عرض حال کا موقع دیں؟

وزیر اعظم:۔ امیرالمومنین غلام کی یہی رائے ہے ــــ اسی طرح آداب سفارت قائم رہیں گے!

خلیفہ ناصر:۔ تو اسے اذن باریابی دو ــــ ہم خود اس سے گفتگو کریں گے اور بتا دیں گے کہ وہ اس قابل نہیں کہ اس کی مدد کی جائے!

وزیر اعظم:۔ یہی مناسب تر صورت ہے امیرالمومنین!

خلیفہ ناصر:۔ تم اسے اطلاع دے دو کہ وہ دوشنبہ کے روز حاضر دربار ہو!

وزیر اعظم:۔ غلام اس حکم کی ابھی تعمیل کرے گا ظل اللہ!

خلیفہ ناصر:۔ اسے بتا دو کہ ہمارے دربار کے آداب کیا ہیں؟

وزیر اعظم:۔ اس حکم کی بھی فوری تعمیل ہوگی ظل اللہ!

(۳)

خلیفہ نے مسند پر بیٹھے بیٹھے پاؤں پھیلا دیئے یہ گویا اس بات کا اشارہ تھا کہ جا سکتے ہو۔ وزیر اعظم وہاں سے رخصت ہوا اور دوسرے دن صبح صبح وہ معین الدین کے پاس پہنچا اور اسے اطلاع دے دی کہ امیرالمومنین ازراہ نوازش

شاہزادہ سلطان خسرو اور دوسرے شہزادے کے روبرو، ظل سبحانی جناب کے دو گھڑی بعد شرف باریابی عطا فرمائیں گے" معین الدین یہ مژدہ جانفزا سن کر!

جان نذر دینی بھول گیا اضطراب میں!

اسے بڑی خوشی ہوئی! اس نے شکر گزارانہ لہجہ میں وزیر اعظم سے کہا۔

معین الدین:۔ میں آپ کی کرم گستری کا شکر گزار ہوں

وزیر اعظم:۔ جناب! اس میں شکر گزاری کی کیا بات ہے۔ یہ تو میرا فرض تھا،

معین الدین:۔ میرا جی چاہتا ہے کہ آپ سے معذرت کروں!

وزیر اعظم:۔ معذرت؟ — معذرت کا ہے کی؟

معین الدین:۔ کل جو آپ سے گفتگو ہوئی تھی، میں اس وقت اپنی محرومی اور مایوسی سے بہت متاثر تھا۔ ممکن ہے میرے منہ سے کچھ الفاظ نکلے ہوں جو آپ کی طبیعت پر گراں گزرے ہوں!

وزیر اعظم:۔ آپ بھی کیسی باتیں کرتے ہیں۔ آپ کی کوئی بات مجھے ناگوار نہیں گزری۔ میں آپ کے دکھ درد اور پریشانی کو سمجھتا ہوں۔ مجھے آپ سے ہمدردی ہے۔ میں آپ کی کامیابی کا دعاگو ہوں!

معین الدین:۔ مجھے آپ کی حمیت ملی، جذبہ دینی، اور غیرت قومی سے یہی امید تھی!

وزیر اعظم:۔ آپ کے ساتھ ہمدردی کرنے میں صرف حمیت ملی، جذبۂ دینی اور غیرت قومی ہی کام نہیں کر رہی۔ ایک اور چیز بھی ہے!

معین الدین:۔ فرمایئے — وہ کون سی چیز ہے؟

وزیر اعظم:۔ خود غرضی ——

یہ کہہ کر وہ مسکرا دیا!

معین الدین:۔ (حیرت سے) خود غرضی؟ — میں نہیں سمجھا!

وزیر اعظم:۔ بات یہ ہے کہ اگر آج ہم نے آپ سے ہمدردی نہ کی تو کل آپ ہم سے ہمدردی نہیں کریں گے۔ آج ہم نے آپ کا ساتھ نہ دیا۔ تو کل یہ سیلاب جب ہماری طرف بڑھے گا تب ہم کس سے رفاقت کی امید رکھیں گے؟

معین الدین:۔ (متعجب ہو کر) آپ کو اس کا احساس ہے کہ یہ سیلاب بغداد کی طرف بھی رخ کر سکتا ہے؟

وزیر اعظم:۔ کیوں نہیں ہے۔ — چنگیز نہ ہمارا دوست ہے نہ آپ کا نہ کسی کا! — ہم جانتے ہیں۔

آج وہ کل ہماری باری ہے!

اسی لئے ضروری ہے کہ وقت پر اس فتنہ کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سر کچل دیا جائے۔

معین الدین:۔ جزاک اللہ، مرحبا — بہت صحیح بات کہی آپ نے!

وزیر اعظم:۔ میرے بھائی یہ باتوں کا نہیں کام کا وقت ہے:

معین الدین:۔ کام کے بارے میں اچھی طرح یاد رکھئے کام ہم کر لیں گے، اگر دربار خلافت کی طرف سے ہماری پشت پناہی ہو گی!

وزیر اعظم:۔ ضرور ہو گی — کیسے نہ ہو گی؟

معین الدین:۔ اب تو مجھے امید بندھ گئی ہے!

وزیر اعظم:۔ تو کیا پہلے آپ مایوس تھے؟

معین الدین:۔ ہاں بہت زیادہ۔۔

وزیر اعظم:۔ بڑی دلچسپ بات کی آپ نے (مسکرا کر) آخر مایوس کیوں تھے؟

معین الدین:۔ مجھے اور میرے آقا خوارزم شاہ دونوں کو یہ اندیشہ تھا کہیں امداد واعانت کے راستے میں ماضی کی تلخیاں اور بدمزگیاں مانع نہ ہوں!

وزیر اعظم:۔ یہ وقت ماضی کی تلخیوں کو یاد کرنے کا نہیں۔ مستقبل کے بارے میں سوچنے کا ہے۔

معین الدین:۔ بے شک بے شک، بہت صحیح فرمایا آپ نے!

وزیر اعظم:۔ اور ایک بات اور بھی تو سوچئے .... ہم اگر آپ کی مدد کریں گے تو اس لئے نہیں کہ آپ کی مدد کریں بلکہ اس لئے کہ اپنی مدد کریں ——

حقیقت یہ ہے کہ اس موقع پر آپ کی مدد کرنا اپنی مدد کرنا ہے۔ ہم ہرگز اطمینان کی زندگی نہیں بسر کر سکتے اگر اتنا بڑا اور طاقتور دشمن جیسا ہے، دنیا میں موجود

معین الدین:۔ بہت صحیح —— بہت درست!

(۴)

ان ہی باتوں کے بعد وزیر اعظم مسکراتا ہوا اپنے قصر عشرت کی طرف چلا گیا اور

معین الدین کے چہرے پر بھی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔
جب سے وہ خوارزم شاہ سے جدا ہوا تھا آج پہلی بار مسکرایا تھا!

خلیفہ کا دربار!

آج بغداد کی سجاوٹ دیکھنے کے قابل تھی!

خلیفہ ناصر الدین اللہ کے دربار گوہربار کی رونق آج قابل دید تھی!

آج جلال الدین خوارزم شاہ کی سفارت دربار خلافت میں باریاب ہو رہی تھی!

معین الدین کے دل سے دہشت کافور ہو چکی تھی —— اب دہشت کی جگہ امید لے چکی تھی —— بے چینی اور بیقراری کا دور ختم ہو چکا تھا اب سکون اور اطمینان کی کار فرمائی تھی —— اندیشہ ہائے دور دراز اور فکر و وسوسہ کا ختم ہونے والا دور رخصت ہو چکا تھا۔ اب جو صلہ مندی تھی امنگ تھی، ولولہ تھا!

دربار کے در و دیوار پر جواہرات کی جوت اور آئینوں کی چمک سے جگمگاہٹ کا عجیب عالم طاری تھا!

معین الدین کے چہرے پر امید کا نور جگمگا رہا تھا۔ اب زیادہ کس بات کی جھجک باقی تھی!

معین الدین کو اگر اضطراب تھا تو صرف یہ کہ وہ وقت کب آئیگا جب وہ

خلافت پناہ کی بارگاہ و فلک پارگاہ میں حاضر ہوگا؟ —— خلیفہ اب تک حرم سرا سے
برآمد نہیں ہوا تھا!

یکایک نقاروں پر چوٹ پڑنے لگی۔

آسمان کانپ اٹھا، زمین دہل اٹھی!

طبل پر پھر ایک چوٹ پڑی ——!

دربار کے ایک گوشے سے چوبدار نے صدا لگائی!

یا امیر المومنین۔ خلیفۃ المسلمین خلیفہ ناصر الدین اللہ کا دربار ہے قصر خلافت
سے امیر المومنین کی سواری باد بہاری روانہ ہو چکی ہے!

یہ سنتے ہی چوبدار نے پھر نعرہ لگایا،

۔ ہوشیار، خبردار! —— امیر المومنین تشریف فرما ہو رہے ہیں!

تھوڑی دیر کے بعد پاؤں کی چاپ کی آواز آئی سراپردہ میں جنبش سی پیدا ہوئی

دو چوبداروں نے بیک وقت زور سے کہا۔

۔ نصر من اللہ و فتح قریب!۔

ایک دوسرا چوبدار زور سے چلایا

۔ امیر المومنین ——!

ان آوازوں نے ایک عجیب با ہیبت سناٹا طاری کر دیا تھا!

اتنے میں پردہ ہٹا اور امیر المومنین دربار میں رونق افروز ہوئے!——
امیر المومنین کو جیسے ہی نمودار ہوتے حاضرین دربار نے دیکھا، سر خم کر لئے
آنکھیں چھپا لیں اور عبودیت کی پوری شان اپنے اندر پیدا کر لی،

امیر المومنین وقار و جلال کے ساتھ مسند پر متمکن ہوئے۔ پھر انھوں نے فرمایا
خلیفہ ناصر:۔ ہمیں معلوم ہوا ہے جلال الدین خوارزم شاہ کا قاصد شرف باریابی حاصل
کرنا چاہتا ہے؛

وزیر اعظم:۔ امیر المومنین خوارزم شاہ کا قاصد دربار میں حاضر ہے!

خلیفہ ناصر:۔ حاضر کیا جائے!

وزیر اعظم نے اٹھ کر معین الدین کو خلافت پناہ کے سامنے لا کھڑا کر دیا
معین الدین خلیفہ کے سامنے پہونچتے ہی وہ تمام آداب و مراسم بجا لایا۔
جو ایسے موقع پر سفراء کے لئے لازمی تھے۔

خلیفہ نے ایک نظر قاصد پر ڈالی، پھر کہا

خلیفہ ناصر:۔ تم ہو جلال الدین خوارزم شاہ کے قاصد؟

معین الدین:۔ امیر المومنین غلام ہی کو یہ اعزاز حاصل ہے!

خلیفہ ناصر:۔ کیا پیام بھیجا ہے اس نے ہمارے حضور میں؟

معین الدین:۔ امیر المومنین کی نگاہ باخبر سے یہ بات پوشیدہ نہ ہوگی کہ تاتاریوں
نے سر اٹھایا ہے، وہ اسلام کے دشمن ہیں، وہ مسلمانوں کے دشمن ہیں——

خلیفہ ناصر:۔ نہیں —— یوں کہو وہ خوارزم شاہ کے دشمن ہیں،

معین الدین:۔ امیر المومنین —— وہ میرے آقا خوارزم شاہ کے بھی دشمن ہیں
انھوں نے شہر لوٹ لئے آبادیاں ہلاک کر دیں، وہ جہاں ہیں وہ مملکت
خوں آشام ہیں، اجڈ اور گنوار ہیں ان کے ہاتھوں انسانیت کا خون بہہ رہا ہے
اور —— اور تہذیب و تمدن، ثقافت، حضارت، اور عمرانیت کے گلے پر بھی چھری

پھر رہی ہے، وہ عمارتوں کو ڈھاتے ہیں، مسجدوں میں آگ لگا دیتے ہیں، مکاتب اور مدارس کو خاکستر بنا دیتے ہیں، باغوں کو اجاڑ دیتے ہیں کھیتیوں کو کچل ڈالتے ہیں۔ دنیا ان کی بیہودگی، شرارت اور خباثت دیکھ رہی ہے مگر بات نہیں کرتی، ایک میرا آقا جلال الدین خوارزم شاہ ہے جو ہر خطرہ سے بے نیاز ہو کر ان تاتاریوں کے مقابلہ میں کوہ الوند کی طرح ڈٹا ہوا ہے۔ جس نے تاتاریوں کے چھکے چھڑا دیئے ہیں۔ جو ناموافق حالات، نامساعد فضا، اور ناسازگار ماحول میں بھی ڈٹا ہوا ہے

خلیفہ ناصر:- ہماری طرف سے اسے ان کارناموں پر اسے شاباش دینا!

معین الدین:- امیر المومنین، میرا آقا صرف حوصلہ افزائی نہیں چاہتا امداد بھی چاہتا ہے!۔۔

خلیفہ ناصر:- کیا کہا خوارزم شاہ ہم سے مدد چاہتا ہے؟

معین الدین:- امیر المومنین ———

خلیفہ ناصر:- (زہر خند کے ساتھ) نہیں، جلال الدین ہماری امداد کا محتاج نہیں جو تاتاریوں کی یورش کا تنہا مقابلہ کر سکتا ہے اسے کسی سے مدد طلب کرنے کی کیا ضرورت پیش آ سکتی ہے، جلال الدین خود ایک فاتح ہے کشور کشا ہے، فرماں روا ہے شہنشاہ ہے، اس سے دوسرے مدد طلب کر سکتے ہیں وہ کسی کی مدد کا محتاج نہیں ہو سکتا یہ اسکا انکسار ہے جو اس نے تمہیں یہاں بھیجا ——— ہم نے اس انکسار سے لطف لیا

معین الدین:- امیر المومنین، میرے آقا نے عرض کیا تھا کہ وہ تن تنہا تاتاریوں کی یورش کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

خلیفہ ناصر:- پھر کس طرح کر سکتا ہے

معین الدین:- ممالک اسلامیہ کے اتحاد، تعاون سے، اشتراک اور یکجہتی سے!

خلیفہ ناصر:- ہوں ———!

معین الدین:- میرے آقا نے امیر المومنین کی دعائے درازی عمر و اقبال کے بعد عرض کیا تھا کہ وہ تاتاریوں کو کچل سکتا ہے، ان کے کس بل نکال سکتا ہے، انکی وحشت اور درندگی کا ترکی بترکی جواب دے سکتا ہے،

خلیفہ ناصر:- پھر ویسا کیوں نہیں کرتا؟

معین الدین:- امیر المومنین میرے آقا نے عرض کیا تھا کہ تاتاریوں کا فتنہ بہت بڑا بہت ہولناک اور بے انتہا تباہ کن ہے، تاتاری علوم و فنون کے دشمن ہیں دین و مذہب کے دشمن ہیں، وہ آج دولت خوارزم شاہی کی تباہی و بربادی کے درپے ہو رہے ہیں۔ کل جب انہیں موقع ملے گا تو ———

خلیفہ ناصر:- تو وہ بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے، یہی نا، کیوں یہی کہنا چاہتے تھے تم؟

معین الدین:- میں یہی عرض کرنا چاہتا تھا، میرے آقا نے حکم دیا تھا کہ میں صاف صاف عرض کر دوں ———

خلیفہ ناصر:- ہم نے سن لیا اس نے کیا کہلوایا تھا، اور تم نے کیا کہا ——— بس یا کچھ اور بھی؟

معین الدین:- میرے آقا نے عرض کیا تھا کہ امیر المومنین امداد و دستگیری فرمائیں تاکہ وہ تاتاری فتنہ کا سر کچل سکے ——— یہ فتنہ ہر روز مہیب سے مہیب تر

صورت اختیار کرتا چلا جا رہا ہے ۔۔۔ ضرورت ہے کہ جلد از جلد ہمیشہ
ہمیشہ کے لئے اس کا سر کچل دیا جائے !

خلیفہ ناصر: خوارزم شاہ سے کہہ دیا گیا کہ ان بلند پایہ نصائح کیلئے ہم اس کے شکر گزار ہیں!

معین الدین: اور درخواست اعانت کا جواب ؟

خلیفہ ناصر: کہہ دیا ہم بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنا نہیں چاہتے۔ جب تاتاری ہم سے
برسرِ پیکار نہیں کہ ہم انہیں اپنا دشمن بنالیں ؟

معین الدین: لیکن امیر المومنین، وہ اسلام دشمن !

خلیفہ ناصر: غلط ۔۔۔ جلال الدین اور اسلام دو الگ الگ چیزیں ہیں۔

معین الدین: امیر المومنین۔ وہ ہر مسلمان کے دشمن جاں ہیں !

خلیفہ ناصر: یہ بھی غلط ۔۔۔ وہ صرف جلال الدین خوارزم شاہ کے دشمن
ہیں۔

معین الدین: امیر المومنین ۔۔۔ اور کل جب وہ خوارزم شاہ کو پامال کر چکیں گے تو ان کی
منزل مقصود صحرائے گوبی نہیں، شام، عراق اور بغداد ہوگی، امیر المومنین ۔۔۔

خلیفہ ناصر: زیادہ غلط بیانی سے کام مت لو۔

معین الدین: غلام ایک بات سچ عرض کر رہا ہے .... اور کل اس کی
صداقت خود آشکار ہو جائے گی ۔۔۔ حضور !

خلیفہ ناصر: تم جھوٹ بولتے ۔۔۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے ہماری فوجیں جانتی
ہیں کہ بغداد کی حفاظت کس طرح کرنا چاہیئے ۔۔۔۔۔۔

عساکر خلافت اس بات سے واقف ہیں کہ دشمن آگے بڑھے تو کس طرح
پیچھے دھکیلا جا سکتا ہے ۔۔۔ تاتاری اتنے احمق نہیں ہیں کہ خلافت
اسلامیہ سے ٹکر لیں۔ خلیفۃ المسلمین سے نبرد آزما ہوں، بغداد کا رخ
کریں !

معین الدین: امیر المومنین ۔۔۔ امیر المومنین ۔۔۔

خلیفہ ناصر: جلال الدین سے کہہ دیا ہم اس کی مدد کرنے سے قاصر ہیں اور اگر کبھی ہم پر
وقت پڑا تو ہم بھی اس سے مدد طلب نہیں کریں گے۔

معین الدین: امیر المومنین ۔۔۔ کیا اس فیصلہ پر نظر ثانی نہیں فرما سکتے ؟

خلیفہ ناصر: ہرگز نہیں ۔۔۔ ہم اس کے عادی نہیں۔

معین الدین: یہ ایک شخص کا نہیں پوری قوم کے مستقبل کا فیصلہ ہے !

خلیفہ ناصر: ہاں ۔۔۔ ہم اپنی ذمہ داریوں کو اچھی طرح جانتے ہیں ۔۔۔۔۔۔
جاؤ ہم نے جو کچھ کہا ہے وہ جلال الدین کو بتا دو ! ۔۔۔
دربار برخاست ہو گیا ! !

انتظار کا خاتمہ

جلال الدین خوارزم شاہ کی سفارت بغداد گئے ہوئے عرصہ ہو چکا تھا مگر اب تک اس کی کامیابی یا ناکامی کی کوئی اطلاع نہیں ملی تھی!

ہر روز خوارزم شاہ انتظار کرتا تھا۔ دور دور تک لوگوں کو خبر لینے کیلئے بھیجتا تھا اور ہر روز اسے مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا تھا!

وہ تنگ آ گیا تھا انتظار کرتے کرتے۔ آخر معین الدین کب آئے گا؟

بارگاہ خلافت کا فیصلہ کب صادر ہوگا؟ —— یہ فیصلہ میرے لئے موت اور زندگی کا فیصلہ بن چکا ہے۔ میرا ہی نہیں مشرق کی تمام اسلامی حکومتوں اور ایشیا کی تمام آزاد مملکتوں کی زندگی اور موت کا سوال ہے اور اس سوال کا جواب صرف امیر المومنین کے پاس ہے!

وہ سر جھکائے بیٹھا تھا اور فکر و خیال کی وادی میں بھٹک رہا تھا!

بار بار ذہن و دماغ کے صفحہ پر ایک ہی سوال ابھرتا تھا۔

اب کیا ہوگا؟ —— اب کیا ہوگا؟

اور اس سوال کا جواب کسی کے پاس نہ تھا اور ان لوگوں کے پاس تو خاص طور پر نہ تھا جو اپنے آقا کے خیمے میں بیٹھے ہوئے حالات کا جائزہ لے رہے تھے یا وہ اس سوال کو حل کرنے کی حقیقی کوششیں کرتے تاتا ہی مسئلہ اور زیادہ پیچیدہ ہو جاتا تھا

عین اسی عالم میں خوارزم شاہ کو اس کے سرہنگوں نے آ کر دعائے درازی عمر و اقبال کی دعا دی اور عرض کیا

- معین الدین آ گیا!۔

یہ سنکر خوارزم شاہ اچھل پڑا۔ بے تابی کے ساتھ اس نے بھی یہی الفاظ دہرائے

- معین الدین آ گیا؟ ——؟

سرہنگ نے گردن جھکا کر عرض کیا،

- وہ در دولت پر حاضر ہے؟

خوارزم شاہ اٹھ کھڑا ہوا اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا

- تخلیہ —— ہم تخلیہ چاہتے ہیں!

یہ سنتے ہی تمام حاضرین مجلس ایک ایک کر کے اٹھ گئے۔ ان کے جانے کے بعد خوارزم شاہ نے سرہنگ سے کہا

- معین الدین کو حاضر کرو!

چند لمحوں کے اندر اندر آقا کا جاں نثار خادم حضوری میں حاضر ہو گیا۔ خوارزم شاہ نے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا اور محبت بھرے لہجے میں کہا،

- تم آ گئے —— ہم بہت دنوں سے تمہارا انتظار کر رہے تھے۔ اگر یہ کہیں کہ انتظار [illegible] تو ذرا بھی مبالغہ نہ ہوگا

معین الدین نے عقیدت اور فدا کاری کے نشے سے سرشار ہو کر کہا
۔ غلام حاضر ہو گیا، واقعی بہت دیر لگی، لیکن کیا کرتا حالات پر اختیار نہ تھا

خوارزم شاہ: خیر کوئی مضائقہ نہیں ——— مجھے معلوم ہے دربار خلافت میں باریابی کتنی مشکل ہے اور کتنی دیر میں ہوتی ہے۔ یہ بتاؤ کیا رہا؟ کیا ہوا؟ کیسی گزری؟

معین الدین: (غم انگیز آواز میں) کیا عرض کروں آقائے ولی نعمت!

خوارزم شاہ: (چونک کر) کیوں کیا ہوا؟ ——— ناکامی

معین الدین: جہاں پناہ ناکامی!

خوارزم شاہ: امیر المومنین نے امداد سے انکار کر دیا؟

معین الدین: صاف انکار - صاف جواب، بلکہ انھوں نے ———

خوارزم شاہ: (جھجک سے کام لے کر) ہاں کہو انہوں نے کیا فرمایا؟

معین الدین: انھوں نے ہمارے سلطان عالم کا مذاق اڑایا۔

خوارزم شاہ: لیکن یہ سوال تنہا میری ذات کا تو نہیں تھا .... تم نے گفتگو کے اس نقطہ کو صاف نہیں کیا؟

معین الدین: میں نے بڑی صفائی سے گفتگو کی اور وہ تمام باتیں عرض کر دیں جو جہاں پناہ نے فرمائی تھیں ———

خوارزم شاہ: پھر ——— لیکن تم نے کہا کیا تھا؟

معین الدین: میں نے تاتاریوں کی ذہنیت، کردار اور سیرت بیان کرنے میں پوری تفصیل سے کام لیا، میں نے ان کی درندگی اور شقاوت کے واقعات بتائے

اس خطرہ کی وسعت اور ہیبت کی طرف انہیں متوجہ کیا، میں نے اسلام کا واسطہ دیا، میں نے قومیت کے نام پر اپیل کی، میں نے ان کے جذبۂ ملی کو ابھارا، لیکن سب رائیگاں، سب بیکار، انہوں نے صاف الفاظ میں کہہ دیا چنگیز خوارزم شاہ کا دشمن ہے ہمارا نہیں اور اگر اس نے ہم سے دشمنی کی تو ہم بھگت لیں گے ہم آج خوارزم شاہ کی مدد کرنے سے انکار کرتے ہیں، کل جب ہم پر وقت پڑے تو یہی حق اسے بھی ہوگا ——— امیر المومنین نے یہ فرمایا۔

خوارزم شاہ: جواب اگرچہ خلاف توقع نہیں لیکن تکلیف دہ ضرور ہے!

معین الدین: تکلیف دہ بھی اور بہت مشکن بھی حوصلہ فرسا بھی!

خوارزم شاہ: نہیں معین الدین یہ نہ کہو، صرف تکلیف دہ کہہ سکتے ہو بس اس سے زیادہ نہیں۔ شاید خدا ہمیں آزما رہا ہے۔ ہم نے غلطی کی، خدا کے بجائے مخلوق کی طرف رجوع کیا۔ شاید یہی بات خدا کو بری لگی، بہرحال ہم اس غلطی سے تائب ہوتے ہیں، اب ہمارا سہارا نہ امیر المومنین کی ذات ہے، نہ دربار خلافت اب ہمارا بھروسہ جو کچھ ہے وہ صرف خدا پر ہے، اسی کے ہاتھ میں زندگی اور موت ہے، اسی کے اختیار میں اقتدار اور حکومت ہے اسی کے قبضہ میں انقلاب اور تغیر ہے جو وہ چاہتا ہے وہی ہوگا، جو اس کی مرضی ہوگی وہ بہرحال پوری ہوگی۔

معین الدین: لیکن جہاں پناہ اب ہمارا ارادہ کیا ہوگا؟

خوارزم شاہ: کچھ نہیں، صرف عزیمت اور استقامت، ہم اپنا کام جاری رکھیں گے

معین الدین: کام جاری رکھیں گے، لیکن کس طرح؟ ——— کیوں کر؟

خوارزم شاہ: غزنی فی الحال ہمارے درد کا مداوا نہیں بن سکتا۔

معین الدین: تو کیا ہم یہاں سے پھر رخت سفر باندھیں گے کہیں اور جائیں گے؟

خوارزم شاہ: ہاں — میرا ارادہ ہے ہم یہاں سے ترمذ چلیں!

معین الدین: جہاں پناہ کا ارشاد ہے تو ضرور اس کی تعمیل ہو گی لیکن سوال یہ ہے کہ وہاں جا کر ہم کیا کریں گے؟

خوارزم شاہ: جو یہاں نہیں کر سکے؟

معین الدین: کیا جہاں پناہ کا خیال ہے، وہاں حالات زیادہ سازگار ہیں؟

خوارزم شاہ: ہاں ہمارا خیال یہی ہے!

معین الدین: لیکن تاتاری لشکر جس طرح یہاں پہنچ سکتا ہے وہاں بھی پہنچ سکتا ہے اگر ہم یہاں مزاحمت نہیں کر سکے تو وہاں کس طرح مزاحمت کر سکیں گے

خوارزم شاہ: تم نہیں جانتے .... ہم غزنی سے اس لئے نہیں جا رہے ہیں کہ یہاں تاتاریوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے، اگر ہم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ تاتاریوں کا مقابلہ کریں تو ضرور ہم ہر جگہ مقابلہ کر سکتے ہیں، یہاں بھی، وہاں بھی کہیں بھی — بات جو کچھ ہے وہ صرف اتنی ہے کہ ترمذ میں ہمیں تیاری کا زیادہ موقع مل سکے گا۔ اس وقت جو کچھ سوال ہے: وہ صرف یہی ہے اور کچھ نہیں۔

معین الدین: بہتر ہے — یہی سہی!

خوارزم شاہ: ایک بات جنگی نقطہ نظر سے اور بھی قابل غور ہے

معین الدین: وہ کون سی بات جہاں پناہ؟

خوارزم شاہ: تاتاری موجودہ حالت میں جس تیزی کے ساتھ یہاں آ سکتے ہیں، وہاں نہیں آ سکتے۔ لہٰذا ہم اپنے جنگی نقشہ پر اطمینان سے عمل درآمد کر سکیں گے

معین الدین: امیر المومنین نے جواب صاف دیا، جہاں پناہ میں سوچتا ہوں کسی اور سے عرض فرمائیں کیوں نہ ہم دستگیری کی التماس کریں؟

خوارزم شاہ: تم امیر المومنین کے انکار سے ہراساں ہو گئے ہو۔ ایسا نہیں ہونا چاہئے امیر المومنین ہوں یا اور کوئی بزرگ اب ہم کسی سے امداد کی درخواست نہیں کریں گے۔ خدا کافی ہے۔ اگر ہم حق پر ہیں تو پھر وہ ہماری مدد کرے گا ناحق پر ہیں تو پھر ہمیں مٹ ہی جانا چاہئے!

معین الدین: حق اور ناحق کا فیصلہ میدان جنگ میں نہیں ہوتا جہاں پناہ!

خوارزم شاہ: کہنا کیا چاہتے ہو تم ....؟

معین الدین: غلام یہ عرض کرنا چاہتا ہے کہ ہم ضرور حق پر ہیں، لیکن میدان جنگ میں فیصلہ جو ہوتا ہے وہ صرف قوت و طاقت کے بل پر ہوتا ہے، اگر ہم کمزور ہیں تو ہار جائیں گے طاقتور ہیں تو جیتیں گے

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

یہ فطرت کا اٹل قانون ہے اسے کوئی نہیں بدل سکتا۔

خوارزم شاہ: لیکن خود فطرت تو بدل سکتی ہے، اور جس نے تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا ہے وہ اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ عہد اول میں مسلمان اپنی بے بضاعتی کے باوجود کمی تعداد کے باوجود، قلت اسلحہ کے باوجود اپنے سے کئی گنا افواج کے مقابلہ میں اپنے سے کئی گنا زیادہ طاقتور حکومتوں کے مقابلہ میں کامیاب ہوئے

کہاں ایران کی عظیم الشان حکومت کہاں عرب کے صحرا نشین کہاں روم کی وسیع و عریض مملکت۔ کہاں عرب کو ہاں۔ لیکن وہ جیتے یا نہیں؟

معین الدین:۔ لیکن وہ مسلمان اب کہاں ہیں؟

خوارزم شاہ:۔ ہاں نہیں ہے۔ لیکن خدا کی رحمت کیا تم اس سے بھی مایوس ہو؟ جاؤ ہمت سے کام لو اور ترمذ چلنے کی تیاریاں کرو۔ ..... شاباش

ترمذ کا انجام

خلیفہ ناصر الدین اللہ کے انکار اور معاندانہ رویے نے بہتوں کو سراسیمہ اور حواس باختہ کر دیا لیکن جلال الدین خوارزم شاہ کی جبین استقامت پر بل بھی نہیں آیا یہ بات نہیں تھی کہ اس واقعہ کا اسے صدمہ نہ ہوا ہو اسے صدمہ ہوا، اس کے دل کو تکلیف پہنچی اس کے جذبات مجروح ہوئے لیکن اس کی عزیمت اور استقامت میں جنبش بھی نہیں ہوئی اس نے اپنے دل سے کہا

یہ میری حماقت تھی کہ میں نے غیر اللہ پر بھروسہ کیا، غیر اللہ سے مدد چاہی، غیر اللہ کی طرف التجا بھری نظروں سے دیکھا۔ مجھے اسی وقت کی سزا مل گئی اب میں صرف خدا سے لو لگاؤں گا، اسی سے مانگوں گا، اسی کے حضور میں سر جھکاؤں گا، اور اسی سے صرف اسی سے امداد و اعانت کی التجا کروں گا، وہ خدا ایسا تو ہے جو سب کی مدد کرتا ہے۔ ناصر الدین اللہ بھی اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتا وہ بھی اسی وقت تک سر پر آرائے خلافت ہے، جب تک خدا کی مرضی ہے، پھر میں اسکے سامنے دست طلب دراز کروں جو نہیں دیتا ہے جس کے وہ محتاج ہیں اسکے کیوں نہ مانگوں جو سب کا پالنہار ہے

جو سب کو دے سکتا ہے۔ جو خود کہتا ہے مجھ سے مانگو میں دوں گا پھر اس سے بڑھ کر بدقسمتی اور کیا ہو سکتی ہے کہ اسکا در چھوڑ کر دوسرے بندوں کے سامنے گڑگڑاؤں اور مانگوں!! اس خیال نے جلال الدین کے عزم میں اور تازگی پیدا کر دی۔ کتنی عجیب بات ہے جو واقعات دوسروں کو حواس باختہ اور سراسیمہ کر دینے کیلئے کافی تھے وہی واقعات خوارزم شاہ کے عقیدے اور ایمان کو پہلے سے کہیں زیادہ استحکام پیدا کر دیتے تھے

دوسری طرف چنگیز تھا! ـــــ جو طوفان رعد و برق کی طرح کڑک اور چمک رہا تھا وہ رواں دواں تھا۔ اسے اگرچہ خوارزم شاہ کی تلاش تھی۔ اگرچہ وہ خوارزم شاہ کا دشمن تھا۔ اگرچہ خوارزم شاہ کو قتل کرنا اس نے اپنا مقصد حیات بنا لیا تھا لیکن خوارزم شاہ کا قتل مقصد کا صرف ایک ذریعہ تھا۔ اصل مقصد تو یہ تھا کہ مسلمانوں کا قلع قمع کیا جائے۔ اسلامی سلطنتوں کو ختم کیا جائے، مسلم فرمانرواؤں کو تہ تیغ کیا جائے اور یہ مقصد جلال الدین خوارزم شاہ کو قتل کئے بغیر بھی بدرجہ اتم اسے حاصل ہو رہا تھا وہ بدستور آگے بڑھ رہا تھا!

اور ایک عجیب بات پیدا ہو گئی تھی..........!

چنگیز اگر خوارزم شاہ کا تعاقب کر رہا تھا، تو خود خوارزم شاہ بھی چنگیز کا تعاقب کر رہا تھا یہ دوسری بات تھی کہ چنگیز کے پاس سب کچھ تھا اور خوارزم شاہ کے پاس کچھ نہ تھا ایک کے پاس ساز و سامان جنگ ضرورت سے بہت زیادہ تھا اور دوسرے کے پاس ضرورت سے بہت کم لیکن جو تندی پہلے میں تھی وہی دوسرے میں بھی! چنگیز بگولوں کی طرح ادھر ادھر دوڑ رہا تھا جو ملک جو شہر جو قریہ سامنے آ جاتا تھا جو وہاں جلال الدین پہنچ جاتا ہو وہ اسے زیر نگیں کر لیتا، اور ضروری بندوبست کر کے پھر آگے بڑھ جاتا

تھا اسکے جانے پر خوارزم شاہ وہاں پہنچتا تھا اور اس کے سامنے واقعات کو درہم برہم کر کے رکھ دیتا تھا!

وہ جس طرف کا رخ کرتا تھا، جلال الدین مقابلہ کے لیے موجود ہوتا تھا!

چنگیز نے خوارزم شاہ کو نیچا دکھانے کے لئے اپنے تمام ذرائع اور وسائل ختم کر دیئے اپنی ساری دولت اس پر لگا دی اپنا ٹڈی دل لشکر لے کر مقابلے کی ہوس میں پیش قدمی کرتا رہا۔ اور فتوحات حاصل کرتا رہا،

لیکن وہ جلال الدین خوارزم شاہ کو شکست نہ دے سکا نہ جلال الدین کے حوصلوں کو زیر کر سکا،

وہ جلال الدین کی خودداری عزت نفس شجاعت اور دلیری کو مجروح نہ کر سکا چنگیز کا غصہ بڑھتا جاتا تھا ـــــ ہر ناکامی پر وہ دیوانہ وار غضبناک ہو جاتا تھا، اس کی آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں وہ غصے سے اپنا ہونٹ چبا ڈالتا۔ یہاں تک کہ وہ ترمذ پہنچ گیا!

ترمذ...... وہ خاک پاک جو ایک علم کدہ تھا، جہاں مشائخ تھے، علماء فضلاء تھے، واعظ تھے، شرفاء اور سادات کرام تھے، امراء اور صوفی تھے ــــ جس کے تمدن، تہذیب اور ثقافت میں ایک بانکپن تھا، ایک شان تھی، ایک دبدبہ تھا!

لیکن یہ ساری خصوصیتیں چنگیز کیلئے بے معنی تھیں وہ ان چیزوں کا قدر دان تھا نہ ادا شناس اسے ایک شاندار عمارت کے ڈھانے میں وہی لطف آتا تھا جو ایک معمار کو کسی شاندار عمارت کے بنانے میں آتا ہے، اس کے نزدیک انسانی زندگی کی بھی کوئی قیمت نہ تھی، وہ تمام لوگ جو اس کی قوم سے باہر تھے صرف اسلئے تھے کہ

کر ہلاک کر دیئے جائیں یا غلام بنا لئے جائیں! وہ نہ خدا کو مانتا تھا، نہ اسکی عبادت کرتا تھا.
لہٰذا وہ نہ خدا پرستوں کا لحاظ کرتا تھا، نہ عبادت گاہوں کا احترام، وہ تردد میں تھا!
ان لوگوں کو جو اس کے ملک میں کوئی نہ کوئی کارِ نمایاں انجام دے سکتے تھے، ان عورتوں
کو جو ابھی بوڑھی نہیں ہوئی تھیں غلام اور کنیز بنا لیا، باقی جتنے لوگ تھے، ان سب کو حسب
معمول ایک میدان میں جمع کیا اور تہ تیغ کر دیا، عورتوں کی چیخیں، بچوں کے نالے، بوڑھوں
کی فریادیں، آسمان کو تہ و بالا کر رہی تھیں، کنگرۂ عرش کو ہلا رہی تھیں، لیکن چنگیز پر ان
دلدوز اور جگر شگاف منظر کا کوئی اثر نہیں تھا، وہ صرف مسکرا رہا تھا، اس کے نزدیک قتل عام
ایک دلچسپ منظر تھا جس کی داد مسکرا کر ہی دی جا سکتی تھی

کس میں ہمت تھی کہ چنگیز کے سامنے شفیق بن کر حاضر ہوتا، کس میں جرأت تھی کہ
اس سے جان بخشی کی التجا کرتا؛ اس کا فرمان فوراً نافذ ہوتا تھا، چنانچہ یہ فرمان بھی فوراً
نافذ ہو گیا یعنی غلاموں کے سوا تمام لوگ قتل کر دیئے گئے!

چنگیز قہقہے لگا لگا کر قتل عام کا تماشہ دیکھتا رہا!

قتل عام کے بعد چنگیز نے تلوار کی ٹیک لگاتے لگاتے تمن خاں سے پوچھا۔
"اب تو کوئی باقی نہیں رہا ہے؟"
تمن خاں نے جواب دیا۔
"کوئی نہیں ـــــ قتل ہو گئے!"
بہت اچھا ہوا ـــــ خس کم جہاں پاک ـــــ لیکن ہم نے سنا تھا
کہ خوارزم شاہ کے اہل و عیال یہاں پہنچے، کیا وہ لوگ گرفتار ہوئے؟
تمن خاں: وہ لوگ ہمارے سامنے سے پہلے نکل گئے!

چنگیز خاں: (غصے سے) کیا انہیں یہ معلوم تھا کہ ہم یہاں حملہ آور ہونے کے لئے آ رہے
ہیں؟
تمن خاں: نہیں جہاں پناہ ـــــ
چنگیز: پھر وہ کیسے جان بچا کر چلے گئے؟ ـــــ کیا یہ کوئی سازش
ہے؟
تمن خاں: ہرگز نہیں میرے آقا... کس میں ہمت ہے کہ ہمارے خلاف
سازش کا تصور بھی کر سکے!
چنگیز: پھر یہ کیسے ہوا؟ کیا خوارزم شاہ کے اہل و عیال بھی اتنے ہی دانا و بینا
اور چالاک ہیں جتنا وہ خود؟
تمن خاں: نہیں میرے آقا یہ بات بھی نہیں .... بات یہ ہے کہ خوارزم شاہ
حد سے زیادہ چالاک اور محتاط دشمن ہے ـــــ
چنگیز: یہ تو ہم بھی جانتے ہیں، ہمیں اس کا تجربہ بھی ہے!
تمن خاں: بجا ارشاد ہوا ـــــ لہٰذا جس طرح وہ خود ہمیشہ گردش میں رہتا ہے
اسی طرح اپنے اہل و عیال کو بھی حضور کے ڈر سے ایک شہر سے دوسرے
شہر میں منتقل کرتا رہتا ہے، وہ جانتا ہے حضورِ عالم پناہ کے قبضے میں
وہ یا اس کا کوئی عزیز آ گیا تو پھر زندہ نہیں رہ سکتا!
چنگیز: بے شک زندہ نہیں رہ سکتا، خوارزم شاہ اور اسکے اہل و عیال
زندگی کے حق سے محروم ہو چکے ہیں!
تمن خاں: بس اسی لئے جس طرح وہ صبح کہیں اور شام کہیں گذارتا ہے اسی طرح

اہل و عیال بھی کبھی کسی شہر میں کبھی اس شہر میں چھپتے رہتے ہیں تاکہ وہ
محفوظ رہیں!

چنگیز:۔ لیکن کب تک؟ ——— کہاں تک؟

تمن خاں:۔ جب تک ہو سکے جہاں تک بن پڑے،

چنگیز:۔ (ہنس کر) اس طرح خوارزم شاہ ہم سے کہاں تک لڑ سکے گا؟

تمن خاں:۔ (مسکرا کر) ہاں اب اس کا وقت آیا چاہتا ہے میرا خیال ہے جلد ہی
وہ رومال سے ہاتھ باندھ کر دربار دولت میں حاضر ہوگا اور جان بخشی کی
التجا کرے گا!

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ چنگیز کا ایک سپہ دار ایک نقاب پوش خاتون
کے ساتھ اسی طرف آتا ہوا نظر آیا۔ چنگیز خاں نے تمن خاں سے کہا۔

چنگیز:۔ یہ کون ہے؟ ——— کوئی مسلمان عورت معلوم ہوتی ہے؟

تمن خاں:۔ عالی جاہ یہ کوئی مسلمان ہی عورت معلوم ہوتی ہے ———
لیکن کون ہو سکتی ہے یہ ———؟

اتنے میں وہ سپہ دار، عورت کو لے کر قریب آ گیا، اور آداب سے ہاتھ باندھ
کر چپ چاپ کھڑا ہو گیا۔

چنگیز:۔ تم کس عورت کو پکڑ کر لائے ہو؟ ——— کیا یہ مسلمان نہیں ہے؟

سپہ دار:۔ آقائے کائنات یہ ایک مسلمان عورت ہے،

چنگیز:۔ ہاں ——— یہ ہم نے پہلے ہی محسوس کر لیا تھا، لیکن اگر یہ مسلمان
عورت ہے تو قتل ہونے یا کنیز بننے سے کیوں بچ گئی؟

سپہ دار:۔ یہ ابھی گرفتار ہوئی ہے آقائے آفاق گیر،

چنگیز:۔ ابھی ——— کہاں ملی یہ تمہیں؟

سپہ دار:۔ یہ تو حضور کو معلوم ہوگا خوارزم شاہ کے اہل و عیال یہاں تھے لیکن
بھاگ نکلے ———

چنگیز:۔ (اچنبھے سے) تو کیا یہ انہی میں سے ہے؟

سپہ دار:۔ میرے آقا!

چنگیز:۔ تم نے اسے گرفتار کر لیا؟

سپہ دار:۔ میرے آقا! ———!

چنگیز:۔ بہت اچھا کیا ——— دیکھو تمن خاں جو کام تم سے نہ ہو سکا وہ ہمارے
ایک سپہ دار نے کر لیا... شاباش تم انعام کے مستحق ہو تمہیں انعام
ملے گا، تم نے بہت اچھا کیا۔ اور بہت بڑا کام کیا!

سپہ دار:۔ غلام اپنے آقا کی جو خدمت بھی بجا لائے اس کیلئے باعث فخر ہے!

چنگیز:۔ ہاں تمہاری اس مستعدی سے ہم خوش ہوئے ———
لیکن یہ عورت خوارزم شاہ کے بارے میں کچھ بتاتی ہے؟

سپہ دار:۔ بالکل نہیں ——— صاف انکار کرتی ہے!

چنگیز:۔ صاف انکار کرتی ہے؟ ——— یہ ہمت یہ جرأت!

سپہ دار:۔ میں نے بہت کوشش کی لیکن اس کی زبان پر انکار کے سوا کوئی لفظ نہ آیا

چنگیز:۔ اسے ہمارے خیمہ میں پہنچا دو ——— تمن خاں تم ہمارے
پیچھے پیچھے آؤ!

فائقہ چنگیز کے سامنے

چنگیز خیمے میں پہنچا۔ کچھ خوش بھی تھا، کچھ برہم بھی ۔۔۔ خوش اس لئے تھا کہ خوارزم شاہ کا سراغ لگا چکے ہیں، اس کے خزانے کا اندازہ کر چکے ہیں، اسکے پورے حرم سے واقفیت حاصل کر چکے ہیں۔ آسانی ہوگئی، برہم اس بات پر تھا کہ صرف ایک عورت کیوں لی۔ خوارزم شاہ کو پورے لشکر کیوں نہ مار ڈالا گیا کہ مطلب براری کے بعد اسکا خاتمہ کر دیا جاتا یہی باتیں سوچتے ہوئے وہ خیمے میں پہنچا، وہ عورت بھی سپہ دار کی معیت میں پہنچ چکی تھی قتلق خان تو ساتھ ہی تھا۔ چنگیز نے گھور کر عورت پر نظر ڈالی۔ کسی اور پر یہ نظر پڑتی تو سمجھ وہ کانپ کر گر پڑتی، اس کا پتہ پانی ہو جاتا، وہ لرزنے لگتا، لیکن یہ عجیب قسم کی عورت تھی، اسکے چہرے پر سکون اور سکوت تھا، اسے تو وقت آ گیا ہو۔ ایسا معلوم ہوتا تھا، ایک مرعوب عالم اس عظیم اور وحشت ناک شخص کے سامنے نہیں، کسی معمولی آدمی کے سامنے کھڑی ہے ۔۔۔ خود چنگیز کو بھی اس کے استقلال اور سکون پر حیرت ہوئی۔ اس نے خیال کیا شاید یہ مجھ کو نہیں جانتی، جب پہچان لے گی تو لرزنے لگے گی۔ اس نے گرجدار آواز میں کہا

عورت! تم مجھے نہیں پہچانتی؟

وہ بولی

سپہ دار نے مجھے بتایا تھا، آپ چنگیز ہیں!

چنگیز کا پندار ایک معمولی سی عورت نے ایک آبگینے کی طرح توڑ دیا لیکن چنگیز صرف خونخوار درندہ ہی نہیں تھا، وہ معاملہ فہم سیاست داں اور مدبر بھی تھا! اس نے دل میں فیصلہ کر لیا اس کی شامت آئی ہے، سزا پائے گی لیکن زبان پر کوئی ایسا لفظ نہیں لایا جس سے اس کی برہمی کا اندازہ ہوتا!

چنگیز: تیرا نام ۔۔۔؟

وہ بولی

مجھے فائقہ کہتے ہیں، یہی میرا نام ہے!

چنگیز: تیرا اور خوارزم شاہ کا رشتہ کیا ہے؟

فائقہ: آقا اور کنیز کا!

چنگیز: غلط ۔۔۔ تیرا حسن و جمال، تیری کج ادائی و بے باکی، تیرا لباس، تیرے زیور، تیرا رکھ رکھاؤ، تیری وضع قطع، ان سب سے کچھ اور اندازہ ہوتا ہے تو اپنے تعلق چھپاتی ہے، لیکن اس سے حاصل کیا ہوگا؟

فائقہ: میں آج تک کبھی جھوٹ نہیں بولی، اس لئے کہ میں مسلمان ہوں اور مجھے تعلیم دی گئی ہے کہ مسلمان کو جھوٹ کبھی اور کسی حالت میں نہیں بولنا چاہیے مجھے اس سے بحث نہیں کہ تو مسلمان ہے یا کافر؟ ۔۔۔ بہرحال اگر کبھی یہ ثابت ہو گیا کہ تو جھوٹ بولتی تھی تو ۔۔۔۔

ہر سزا کیلئے تیار ہوں۔

چنگیز :۔ تجھے معلوم ہونا چاہیئے چنگیز کا غضب، خدا کا غضب ہوتا ہے، اور اسی کی نگاہِ لطف انسان کو فرش سے عرش پر پہنچا دیتی ہے!

فائقہ :۔ ہاں میں نے سنا ہے چنگیز کا غضب قہرِ خداوندی کا نمونہ ہوتا ہے لیکن اس کی نگاہِ لطف کے بارے میں کچھ نہیں سُنا!

چنگیز :۔ (مسکرا کر) ہاں ہماری نگاہِ لطف کی شہرت کم ہے ——— لیکن ہم چاہتے ہیں تیرا شمار انہی لوگوں میں ہو جو ہماری نگاہِ لطف و کرم سے فیضیاب ہوتے ہیں!

فائقہ :۔ یہ میری خوش قسمتی کی انتہا ہو گی

چنگیز :۔ ہاں ——— واقعی ——— ہم تجھ سے کچھ سوالات کرنا چاہتے ہیں!

فائقہ :۔ کنیز کے لئے اس سے بڑھ کر فخر کی کیا بات ہو سکتی ہے کہ وہ شہنشاہِ گیتی پناہ کے حضور میں حاضر ہو اور اسے شرفِ تخاطب سے سرفراز کیا جائے!

چنگیز :۔ واقعی تو سمجھدار، دور اندیش اور معاملہ فہم معلوم ہوتی ہے ——— ہم پوچھنا چاہتے ہیں خوارزم شاہ کے خاندان میں یہاں کون کون لوگ تھے؟

فائقہ :۔ بیویاں تھیں، لڑکے تھے، خدام تھے۔ بہت سی کنیزیں تھیں!

چنگیز :۔ گویا پورا خاندان یہاں موجود تھا ——— ؟ کیوں؟

فائقہ :۔ جی بجا ارشاد ہوا۔

چنگیز :۔ یہ لوگ یہاں سے کیوں بھاگ گئے؟

فائقہ :۔ خوارزم شاہ کا حکم ہے کہ اس کے اہلِ خاندان کسی ایک شہر میں مستقل طور

پر بود و باش اس پر شور زمانہ میں نہ اختیار کریں بلکہ

چنگیز :۔ تھوڑے تھوڑے وقفے سے اقامت گاہ بدلتے رہیں!

فائقہ :۔ جی یہی بات ہے۔

چنگیز :۔ ہمیں معلوم ہے ——— ہم سُن چکے ہیں ———!

فائقہ :۔ بس اسی لئے نقل مکانی کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ آج یہاں کل وہاں!

چنگیز :۔ ہوں ——— اور خوارزم شاہ خود بھی کبھی کبھی آتا ہے؟

فائقہ :۔ ہاں ——— یہ بھی ہوتا ہے کہ اپنی معرکہ آرائیوں سے فرصت نکال کر وہ بال بچوں میں جہاں وہ مقیم ہوتے ہیں دو چار روز کے لئے پہنچ جاتا ہے۔ اور ایسا بھی ہوتا ہے دورانِ سفر میں کوئی امن و عافیت کا دلکش اور روح افزا منظر نظر آ جاتا ہے تو وہیں خیمہ زن ہو جاتا ہے اور بال بچوں کو چند روز کے لئے وہاں بلا لیتا ہے!

چنگیز :۔ تمہیں بھی اپنے پاس نہیں رکھتا ——— ؟ کتنا ناقدرداں شخص ہے۔

فائقہ :۔ شہنشاہِ عالم یہ فرماتے ہیں تو اپنے آقا کے پاس مستقل طور پر رہتی تھی ———

چنگیز :۔ پھر یہاں کیسے چلی آئی؟

فائقہ :۔ کچھ دنوں سے میری طبیعت خراب تھی۔ کچھ حرارت سی رہنے لگی تھی، تو میرے آقا نے میری مرضی کے خلاف تبادلۂ آب و ہوا کے لئے مجھے یہاں بھیج دیا تھا

چنگیز :۔ تمہاری مرضی کے خلاف؟ ——— تم کیوں آنا نہیں چاہتی تھیں!

فائقہ: میری خوشی اسی میں تھی کہ وہیں رہوں، لیکن ملکۂ عالم مرگ مفاجات! آقا کا حکم ٹال نہ سکی، یہاں چلی آئی، جب آئی تو دل دھڑک رہا تھا، آنکھ پھڑک رہی تھی ـــ

چنگیز خاں: (مسکرا کر) نتیجہ یہ ہوا کہ محبت تو کیا تھی تم گرفتار ہو گئیں؟

فائقہ: (با چشم پرنم) جی ہاں!

چنگیز خاں: (دل ہی دل میں ہنس کر) نہیں تمہیں یہاں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہونے پائے گی۔ یہاں تمہیں وہی راحت ملے گی جو خوارزم شاہ کے ہاں ملتی تھی!

فائقہ: عنایت، بندہ پروری ـــ!

چنگیز خاں: بلکہ یہاں تم کو وہاں سے زیادہ آزادی، عزت اور راحت حاصل ہو گی!

فائقہ: یہ میری خوش نصیبی کی معراج ہے۔

چنگیز خاں: ہاں تم کچھ بیمار بھی تو تھیں ـــ حرارت آتی ہے تمہیں؟

فائقہ: جی یہی شکایت ہے کنیز کو!

چنگیز خاں: ہم تمہارا علاج کرائیں گے۔ ہمارا طبیب خاص تمہارا معالجہ کرے گا۔

فائقہ: لیکن اب تو میں اپنے آپ کو تندرست اور توانا محسوس کرتی ہوں۔

چنگیز خاں: (مسکرا کر) یہ ہمارے لشکر کی آب و ہوا کا اثر ہے!

فائقہ: ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جہاں پناہ!

چنگیز خاں: تم گانا جانتی ہو؟

فائقہ: بالکل نہیں شہنشاہ گیتی ستاں۔

چنگیز خاں: ناچنا تو ضرور آتا ہو گا تمہیں؟

فائقہ: یہ فن بھی کنیز کو نہیں آتا شہنشاہ!

چنگیز: تعجب ہے ـــــــ شاید خوارزم شاہ تمہاری صورت پہ ریجھ گیا تھا!

فائقہ: یہ میں نہیں کہہ سکتی شہنشاہِ دو عالم!

چنگیز خاں: ہم جانتے ہیں کہ خوارزم شاہ کا انتخاب واقعی بہترین انتخاب تھا۔ اس حسن و جمال کے بعد ضرورت بھی کیا رہ جاتی ہے کسی فن کی؟

فائقہ: کنیز کیا عرض کر سکتی ہے! ـــــــ آقا کی نگاہ جو چاہے کر دے!

چنگیز خاں: یہاں تم اطمینان سے رہو۔ نہ ڈرو نہ گھبراؤ۔

فائقہ: شہنشاہ کی اس عنایت بے نہایت کے بعد تو میں ایسا محسوس کرتی ہوں جیسے واقعی میں کسی غیر جگہ نہیں ہوں۔

چنگیز خاں: ہاں تمہیں یہی محسوس کرنا چاہیے۔ اور ہمیں توقع ہے آئندہ تم اور زیادہ یہاں راحت محسوس کرو گی۔

فائقہ: خیال تو کنیز کا بھی یہی ہے!

چنگیز خاں: تم یہ بتا سکتی ہو خوارزم شاہ اس وقت کہاں ہے؟

فائقہ: نہیں شہنشاہِ معظم!

چنگیز خاں: (تیکھی چتون سے) کیوں ـــ؟

فائقہ: مجھے نہیں معلوم وہ کہاں ہیں اور اگر معلوم ہوتا جب بھی نہ بتاتی۔ مجھے نمک کا پاس ہے میں اپنے آقا سے غداری نہیں کر سکتی! ـــ!

چنگیز کی آنکھوں سے شعلے برسنے لگے، لیکن وہ ضبط کر گیا!

جال اور چال

چنگیز نے ہر طرح فائقہ کو اپنے راستے پر لانے کی کوشش کی، لیکن وہ ناکام ہوا۔ فائقہ بہت سخت تھی اور اس کا جواب صرف ایک تھا:

"ہاں تو تمہیں کچھ بتا نہیں سکتی لیکن اگر جان بھی چلی جائے تو بتا نہیں سکتی۔ جو شاہ میرا آقا ہے، میں اس کی نمک حرامی نہیں کر سکتی۔ آپ چاہیں تو تلوار سے میری گردن کاٹ دیں یا گولی سے میری کھوپڑی اُڑا دو!"

ان الفاظ کو سن کر چنگیز کا خون کھولنے لگتا تھا۔ اس کا جی چاہنے لگتا تھا کہ اپنے ہاتھ سے اس کی گردن اڑا دے، لیکن ہر مرتبہ وہ ضبط کر جاتا تھا۔ وہ سوچتا تھا اس کا قتل کر دینا تو ہر وقت ممکن ہے، لیکن اگر یہ قتل کر دی گئی تو خوارزم شاہ کے بارے میں پھر کوئی بات ہرگز نہیں معلوم ہو سکے گی اور اگر زندہ بچ گئی تو پھر کبھی نہ کبھی آج نہیں تو کل یہ سب معلوم ہو جائے۔

فائقہ: آخر چنگیز نے تنگ آ کر فائقہ کو [illegible] کے حوالے کر دیا۔ اس نے بھی کچھ نہیں [illegible]

[illegible] نہیں [illegible] کہنے لگا۔

تم کتنی بے وقوف ہو۔ تمہاری اس بات پر مجھے ہنسی آتی ہے غصہ تو نہیں سکتا
چنگیز کو چھوڑ کر تم خوارزم شاہ کی لڑکی ہو پر فخر محسوس کر رہی ہو۔ تم نے یہ سوچا خوارزم
شاہ تو ختم ہو چکا ہے۔ اور چنگیز ختم نہیں ہو سکتا۔ ایک کی دنیا اجڑ گئی دوسرا دنیا پہ
غالب ہے۔ خوارزم شاہ بھاگا جا رہا ہے اور چنگیز اس کا تعاقب کر رہا ہے
خوارزم شاہ کی حکومت اب صرف نام کی رہ گئی ہے۔ اور چنگیز دیکھتے دیکھتے آدھی
دنیا پر قابض ہو چکا ہے۔ باقی پر بھی بہت جلد ہو جائے گا ——

فائقہ: ہاں یہ جو کچھ آپ نے کہا میں نے سنا اور سمجھی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ان
باتوں سے آپ کا مطلب کیا ہے؟

تمن خان: یہ تم اب تک نہیں سمجھیں؟ —— مطلب یہ ہے کہ خوارزم شاہ کو
چھوڑ دو اور چنگیز کی ہو جاؤ۔ یہ اور کیا مطلب ہوتا؟

فائقہ: لیکن یہ مطلب تو خود بخود حاصل ہے!

تمن خان: وہ کس طرح؟ ——؟

فائقہ: یوں کہ میں آپ کی قید میں ہوں اور اب اس کا کوئی امکان نہیں ہے کہ
خوارزم شاہ کے پاس واپس جا سکوں!

تمن خان: ہاں ٹھیک کہتی ہو —— لیکن پھر کیوں بے قوفی سے کام لے رہی ہو؟

فائقہ: میری سمجھ میں اب تک نہیں آیا کون سی بے وقوفی سرزد ہوئی مجھ سے؟

تمن خان: بس تو پھر خوارزم شاہ کا خیال نکال دو اور دل سے ہماری اطاعت کر لو

فائقہ: کاش آپ دل دیکھ سکتے!

تمن خان: (کچھ سوچ کر) تو میں یہ سمجھوں کہ تم پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے؟

فائقہ: اس کا صحیح جواب تو مستقبل ہی دے سکتا ہے لیکن میں صرف یہی کہہ سکتی ہوں
کہ مجھے دیکھئے یا اس سے اچھا ہے کہ مجھے غلط سمجھئے!

تمن خان: نہیں ہم تمہیں غلط نہیں سمجھنا چاہتے —— اور فائقہ میں تمہیں ایک
خوشخبری سناؤں؟

فائقہ: (پریشان ہو کر) خوشخبری ——؟

تمن خان: ہاں اور اس سے بڑی اور اچھی خبر نہیں ہو سکتی!

فائقہ: (کچھ سوچتے ہوئے) کہئے فرمائیے!

تمن خان: (مسکرا کر) شہنشاہ عالم پناہ۔ چنگیز خان تمہارے حسن و جمال سے متاثر ہیں اور
واقعی تمہارا حسن ہے بھی قیامت کا! —— میرا خیال ہے وہ تمہیں
جلدی اپنی کنیز ان خاص کے گروہ میں شمار کریں گے پھر تمہارے عروج کی کوئی
انتہا نہیں ہوگی۔ مجھے بھی تمہارا لحاظ کرنا پڑے گا!

فائقہ: (سنجیدگی سے) لیکن میں اپنے تئیں اس قابل نہیں سمجھتی۔ کہاں وہ کہاں میں!
میرے لئے یہ بہت ہے کہ دو وقت کی روٹی اور تن ڈھکنے کیلئے کپڑا ملتا
رہے۔ بس تو آپ تو صرف اس کا انتظام دیکھئے اس سے زیادہ مجھے
کچھ نہیں چاہئے ——!

تمن خان: (زور سے ہنس کر) یہ کم بخت کم عقل نہیں سمجھتی۔ اپنی قسمت سمجھنی
چاہئے۔ اپنے اوپر نازاں ہونا چاہئے کہ دنیا کا سب سے بڑا فاتح اور کشور کشا
تمہارے حسن کا قائل ہو گیا ہے۔ دنیا میں یہ خبر سن کر یقیناً خوش ہوتی
ہوگی لیکن حسینوں کا پندار شہنشاہ ہونے کے پندار سے کم نہیں ہوتا۔ لیکن

یہ کہہ رہا تھا کہ تم ایسے کہ شہنشاہ فلک بارگاہ کی کنیزوں کے زمرہ خاص میں داخل کی جاؤ، نہیں اپنی وفاداری کا ثبوت بھی تو دینا چاہیے

فائقہ: (انتظار و اشتیاق کے ساتھ) آپ مجھ سے کیا ثبوت چاہتے ہیں!

متن خاں: ہم تمہیں رہا کر دیں گے، تم خوارزم شاہ کے لشکر میں جاؤ، اور پھر وہاں سے آ کر اس کی جنگی تیاریوں اور آمنوہ کے پڑاؤ اور سپاہیوں کی تعداد و ساز و سامان جنگ کی کیفیت، ان سب باتوں کے بارے میں ہمیں رپورٹ دو۔

فائقہ: (دل میں خوش ہو کر) لیکن —— لیکن ——

متن خاں: لیکن ویکن میں وقت ضائع نہ کرو —— تم ابھی کہہ رہی تھیں نا کہ تمہیں خوارزم شاہ کے بارے میں کچھ نہیں معلوم؟

فائقہ: ہاں —— اور میں نے سچ کہا تھا!

متن خاں: یقیناً سچ کہا تھا —— اس لئے کہ ایک عورت کو جس طرح جنگی امور سے خالی الذہن ہونا چاہیے تم بھی تھیں ——

فائقہ: اور کیا —— بالکل!

متن خاں: لیکن اب تمہیں موقع دیا جاتا ہے کہ جاؤ دیکھو، معلوم کرو اور واپس آ کر اسی مسند پر باعزاز تمکین مسند نشین ہو جاؤ جو تمہارا انتظار کر رہی ہے، تمہارے انتظار میں سونی پڑی ہے!

فائقہ: (مسکرا کر) احسان معلوم ہو رہا ہے آپ مجھے بناتے ہیں!

متن خاں: تم غلط سمجھ رہی ہو، میں کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ اور یہ تو بیاسوال ہے کہ سچ بولنے پر مجبور ہوں!

فائقہ: خیر سچ ہو یا جھوٹ مجھے منظور ہے، میں جانے کو تیار ہوں۔

متن خاں: بڑی اچھی بات ہے کہ تم نے وہ فیصلہ کیا جو میری مرضی کے مطابق ہے لیکن ایک بات یاد رکھو!

فائقہ: وہ بھی کہہ دیجیے، کون سی بات یاد رکھوں!

متن خاں: اگر تم نے دھوکہ دیا تو چنگیز خوارزم شاہ سے زیادہ تمہارا دشمن ہو جائیگا، اور جس کا وہ دشمن ہو جاتا ہے، پھر اسے دنیا میں کہیں بھی پناہ نہیں مل سکتی! —— اسے ایسی ذلت بخش اور عبرت انگیز سزا دیکھانی ہے کہ ماہیان دریا اور مرغان ہوا کی دہشت کے باعث روح قبض ہونے لگتی ہے!

فائقہ: یہ باتیں تو یہاں آنے سے پہلے ہی مجھے معلوم تھیں!

متن خاں: میں نے اس لئے یاد دلائیں کہ مجھے تمہاری زندگی عزیز ہے۔

فائقہ: شکریہ میں آپ کی اس توجہ اور نوازش کو ہمیشہ یاد رکھوں گی —— لیکن ایک بات مجھے بھی بتا دیجیے۔

متن خاں: شوق سے پوچھو، ایک نہیں دس۔

فائقہ: کیا شہنشاہ عالم پناہ عورتوں پر بھی رحم نہیں فرماتے؟

متن خاں: نہیں —— شہنشاہ عالم پناہ کا یہ عقیدہ ہے کہ رحم بہت بڑی انسانی کمزوری ہے، دنیا میں یہ جتنا فتنہ و فساد نظر آتا ہے اس لئے کہ رحم نامی ایک زہر موجود ہے جو کام کر رہا ہے، اگر یہ رحم شہنشاہ کو مل جائے تو اس کے بھی دو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں، قتل کر دیں اسے۔

فائقہ: لیکن عورت تو بڑی کمزور جنس ہوتی ہے، اس پر ظلم کرنا یا اس سے انتقام لینا

کہاں تک جائز ہے؟

متن خان:۔ واقعی تم بہت بھولی عورت ہو —— جب یہ ثابت ہو گئی کہ رحم کمزوری کا دوسرا نام ہے۔ تو پھر یہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ عورت زد میں آتی ہے یا مرد! بچہ پر کیوا بیتتی ہے! ——

فائقہ:۔ (کانپ کر) بچہ پر بھی! —— ؟

متن خان:۔ تم بچے کو کہتی ہو ہمارے شہنشاہ جب برہم ہوتے ہیں، یا قہر و انتقام پر تل جاتے ہیں تو وہ جانوروں تک کو ——

فائقہ:۔ (بہت زیادہ سہم کر) جانوروں تک کو —— جانوروں تک کو —— ؟

متن خان:۔ جانور تو جانور ہیں پرندوں تک کو نہیں چھوڑتے۔ انہیں بھی تیر انتقام کا ہدف بناتے ہیں، اور وہ پھڑ پھڑاتے رہتے ہیں، اور ان کا کام تمام ہوتا رہتا ہے!

فائقہ:۔ آہ —— یا اللہ رحم!

متن خان:۔ پھر وہی لفظ استعمال —— کیا تم نے جو ہمارے لشکر کے حدود میں دخل نہیں ہو سکتا!

فائقہ:۔ اُف —— اچھا یہ ذکر چھوڑیئے!

متن خان:۔ اچھی بات ہے —— تمہارے چہرے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ باتیں سن کر کافی سہم گئی ہو۔ آخر عورت ہونا

فائقہ:۔ ہاں عورت ہوں، اور یہ سچ ہے کہ ڈر بھی گئی ہوں، لیکن آپکو شاید یہ نہیں

معلوم، عورت جب نڈر ہو جاتی ہے تو وہ کسی سے نہیں ڈرتی، خواہ شیر ہو خواہ پہاڑ!

متن خان:۔ (ہنس کر) لیکن تم تو ان عورتوں میں نہیں ہو!

فائقہ:۔ یہ نہیں کہہ سکتی —— البتہ عورت بہرحال ہوں!

متن خان:۔ تمہاری باتیں بڑی عجیب ہوتی ہیں، اچھا اب میں چلوں اور ہاں تو کب تمہارا سفر سامان تیار کیا جائے؟

فائقہ:۔ جب چاہیئے —— مجھے آپ ہر وقت پا بہ رکاب پائیں گے۔

متن خان:۔ کتنے آدمیوں کا دستہ تمہارے ساتھ جائے گا؟

فائقہ:۔ یہ بھی خوب سوال کیا آپ نے —— بھلا میں کسی کے ساتھ جاؤں گی؟

متن خان:۔ تو اور کیا اکیلی جاؤ گی؟ —— یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

فائقہ:۔ مجھے اکیلے ہی جانے دیجئے، تا کہ وہ یہ سمجھیں کہ میں بھاگ کر آئی ہوں، سپاہیوں کے ساتھ جاؤں گی تو شبہ ہو جائے گا جاسوس بنا کر بھیجی گئی ہوں!

متن خان:۔ شاباش —— تم نے اپنی جان بچالی اس وقت!

فائقہ:۔ (حیران ہو کر) وہ کیسے میری جان کو کیا خطرہ لاحق ہو گیا تھا؟

متن خان:۔ اگر تم ہمارے سواروں کے ساتھ جانے پر رضامند ہو جاتیں، تو اسکا مطلب ہم یہ لیتے کہ تم بھاگ رہی ہو۔ اور اسی وقت تمہاری گردن اڑا دیتے، لیکن تنہا جانے پر رضامند ہو کر تم نے یہ ثابت کر دیا کہ واقعی تم ہماری وفادار اور مخلص ہو —— جاؤ اطمینان سے جاؤ، پھر واپس آؤ اور عیش و عشرت

کی زندگی بسر کرو ..... ہاں تو کب؟

نائلہ: جب آپ کہیں، کل سہی، حکم ہو تو آج بھی جا سکتی ہوں!

محسن خان: نہیں اس قدر جلد نہیں، مجھے شہنشاہ معظم سے بھی مشورہ کرنا ہے، وہاں تک ممکن ہے پھر نہیں بھیجنا ہے!

نائلہ: یہ آپ کا کام ہے، آپ جانیں، میں کچھ نہیں کہتی، صرف اتنا کہتی ہوں کہ مجھے کسی وقت بھی جانے میں انکار نہ ہوگا!

محسن خان نائلہ کے رویہ کو دیکھ کر بہت بے دلی اور تشویش کے ساتھ آیا تھا لیکن جب یہاں سے واپس گیا تو بہت خوش و بشاش تھا اور یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ وہ پورے طور پر مطمئن ہے نائلہ کے رویہ سے۔

دیوانہ ہاتھی

نائلہ صحیح سلامت خوارزم شاہ کے لشکر میں پہنچ گئی اور ہاتھوں ہاتھ لی گئی خود جلال الدین کو اس کی بڑی فکر تھی۔ معین الدین اگرچہ اپنا ہر کام سے دستبردار ہو چکا تھا لیکن حالت یہ تھی کہ اس کا اضطراب دیکھا نہیں جاتا تھا۔ نائلہ کی تلاش میں خوارزم شاہ کے حکم سے مجبور ہو کر اور زیادہ تر اپنے دل کے ہاتھوں بے بس ہو کر اس نے دیوانہ وار جد و جہد کی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا، لیکن وہ نہ ملنا تھا نہ ملی، آخری مرتبہ جب ناکامی کی خبر معین الدین کے منہ سے جلال الدین خوارزم شاہ نے سنی تو ایک آہ سرد کھینچ کر اس نے کہا۔

خوارزم شاہ: وہ بھی قربان ہو گئی ...... وفاداری اور جاں نثاری اس پر ختم تھی!

یہ کہتے کہتے خوارزم شاہ کی آواز بھرا گئی پھر اس نے رکتے رکتے کہا

خوارزم شاہ: افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم کچھ نہ کر سکے، اس کی جان تک کی حفاظت نہ کر سکے ...... یہ اس سے بڑھ کر اور حسرت کی کوئی بات ہو سکتی

بے بہا سے ؟

معین الدین نے با چشم پرنم کہا۔

معین الدین: لیکن میرے آقا، میں نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا

خوارزم شاہ: ہاں ہم جانتے ہیں تم نے کوئی دقیقہ فروگزاشت کیا، تمہاری انتھک جد وجہد اور سعی وکوشش کا ہمارے دل پر گہرا اثر ہے، ہم تمہیں مورد الزام نہیں قرار دیتے، لیکن اپنے آپ کو بڑا الزام بھی نہیں قرار دے سکتے، وہ بیمار تھی کمزور بھی تھی اور آب وہوا کے لئے ہم نے اسے بھیجا تھا، کیا ہم یہ بھی نہیں کر سکتے تھے کہ خود بھی اس کے ساتھ چلے جاتے، یہ اس کی وفاداری اور جاں نثاری کا کم از کم صلہ ہوتا ۔۔۔ افسوس کہ ہم یہ بھی نہ کر سکے، اور اس کا ہمیں افسوس ہے!

معین الدین: لیکن اگر آپ تشریف لے جاتے اس کے ساتھ تو کیا ہوتا، ہونے والی بات ہر حالت میں ہوتی۔

خوارزم شاہ: ہاں ہوتی ۔۔۔ لیکن اتنا ضرور ہوتا کہ ہمارا بھی وہی حشر ہوتا جو اس کا ہوا، ہم بس اتنا ہی چاہتے تھے، اور کچھ نہیں!

اتنے میں حاجب دوڑا دوڑا آیا، اور اس نے اطلاع دی کہ فائقہ آگئی ہے، اور خیمے کے دروازے پر اذن باریابی کو منتظر کھڑی ہے، یہ سنتے ہی خوارزم شاہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور حاجب کو کوئی جواب دیئے بغیر بجلی کی طرح دروازے پر پہنچا

فائقہ سامنے کھڑی تھی!

جلال الدین اس کی طرف لپکا

"تم آگئیں! ۔۔۔ تم آگئیں!

فائقہ: بیتابی کے ساتھ آگے، وہ خوارزم شاہ کے قدموں پر گر پڑی اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا،

"خدا کا شکر ہے میں اپنے آقا کی خدمت میں پہونچ گئی!

بڑی محبت اور شفقت سے خوارزم شاہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا، اور بڑے التفات بھرے لہجہ میں کہا

"ہم نے تمہیں بہت یاد کیا، ہم بہت شرمندہ تھے تمہاری گمشدگی پر اور اب تک شرمندہ ہیں کہ تمہاری حفاظت کا بندوبست جیسا چاہیئے تھا نہ کر سکے

فائقہ: نہیں میرے آقا حفاظت کے بندوبست میں کوئی کوتاہی نہیں تھی، قسمت کی بات جی گھبرایا، اور میں گھوڑے پر سوار ہو کر سیر کرنے نکل گئی، سفر کچھ ایسا سہانا تھا کہ بڑی دور تک نکل چلی گئی، واپس آئی تو شہر پر چنگیز کا قبضہ تھا!

خوارزم شاہ: تو کیا تم چنگیز کی قید میں تھیں، وہاں سے آ رہی ہو؟

فائقہ: سلطان کی روشن ضمیری نے سب کچھ جان لیا، واقعی میں وہیں تھی، اور وہیں سے آرہی ہوں،

اب خوارزم شاہ اپنے خیمے میں پہونچ چکا تھا، اس کے چشم وابرو کا اشارہ دیکھ کر معین الدین کھسک گیا، اب خیمے میں بس یہی دونوں تھے، خوارزم شاہ نے پوچھا

"تمہارا اور چنگیز کا آمنا سامنا ہوا۔

وہ مسکراتی ہوئی بولی،

فائقہ: جی میرا اور اس کا سامنا ہوا، باتیں ہوئیں اور اب اسی کے کام سے

آئی ہوں۔

خوارزم شاہ:۔ (حیرت سے) اسی کے کام سے آئی ہو؟ .... یہ ہم کس طرح باور کرلیں؟ کیا اس نے کوئی پیام دے کر تمہیں بھیجا ہے؟

فائقہ:۔ جی نہیں پیام دے کر تو نہیں بھیجا لیکن بھیجا اسی نے ہے!

خوارزم شاہ:۔ تو کیا جاسوس بنا کر؟

فائقہ:۔ (ہنس کر) جی اسی نے ـــــــ وہ اب کنیز کا بہت اعتماد کرنے لگا ہے!

پھر فائقہ نے اپنی ساری سرگذشت اذاول تا آخر سنا دی! ـ جلال الدین بڑے غور اور توجہ سے سنتا رہا، پھر اس نے زیر لب تبسم کے ساتھ پوچھا

خوارزم شاہ:۔ تو پھر اب کب ارادہ ہے واپس جانے کا؟

فائقہ بھی مسکرا دی۔

فائقہ:۔ جب سلطان والاجاہ کا حکم ہو!

خوارزم شاہ:۔ ہمارے ہی جاسوسی کرو گی اور ہماری ہی رائے لیکر؟

فائقہ:۔ سمجھ گئی کہ خوارزم شاہ دل ہی ہنسی میں یہ بات کہہ رہا ہے، وہ بھی واقعی اس کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ میں چنگیز کی جاسوس بنکر آئی ہوں، وہ کوئی بات نہ کر سکی، البتہ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش ہونے لگی، پھر اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا

فائقہ:۔ کیا واقعی آپ کا یہی خیال ہے؟

خوارزم شاہ ہنسنے لگا پھر اس نے شفقت اور محبت کے ساتھ کہا۔

خوارزم شاہ:۔ تم کیسی نا سمجھی کی باتیں کرتی ہو فائقہ؟ بھلا یہ ممکن ہے کہ ہم تمہیں چنگیز کا جاسوس سمجھیں؟ ـــــ ہم تمہیں جانتے ہیں، تمہاری وفاداری کا ہمارے دل پر گہرا نقش ہے، تمہاری جاں نثاری کے ہم قائل ہیں، تم پر تو ہمیں اتنا اعتماد ہے کہ زہر بھی دو تو ہم یہ سمجھیں گے کہ شربت ہے یہ خیال اپنے دل سے نکال دو، ہم نے ایک بات یوں ہی، ہنسی میں کہہ دی تھی ـــــ لیکن یہ سوال واقعی غور طلب ہے کہ اب تمہیں چنگیز کے لشکر میں واپس جانا چاہئے یا نہیں؟ نہیں جاتی ہو تو اب اگر کبھی اس کے ہاتھ آگئیں تو واقعی وہ زندہ نہیں چھوڑے گا!

فائقہ:۔ (بے پروائی سے) میں ایسی موت سے نہیں ڈرتی!

خوارزم شاہ:۔ لیکن ہم یہ کب چاہ سکتے ہیں کہ خواہ مخواہ تمہیں خطرہ لاحق ہو ـــــ عورتوں کو سپر بنانا ہمارا شیوہ نہیں!

فائقہ:۔ (ہراساں ہو کر) تو کیا آپ واپس کر دیں گے کنیز کو؟

خوارزم شاہ:۔ (مسکرا کر) نہیں ـــــ نہیں کوئی چھیننا چاہے تو ہم سینہ سپر ہو جائیں گے، لیکن اگر تم واپس گئیں تو وہ یہ ضرور سمجھے گا کہ تم نے اسے دھوکا دیا۔

فائقہ:۔ سمجھا کرے ـــــ میں تو اب اپنے آقا کے پاس سے کہیں نہیں جاتی میری زندگی اور موت جو کچھ ہو گا، وہ یہیں ہو گا!

خوارزم شاہ:۔ (لطف آمیز تبسم سے) ہاں ہم جانتے ہیں کہ تم کتنی ضدی ہو، یہ اندازہ ہم نے اسی دن کر لیا تھا جب تم نے معین الدین کی درخواست ٹھکرا دی تھی!

فائقہ نے کوئی جواب نہیں دیا، گردن جھکائی اور مسکرانے لگی!

خوارزم شاہ: کچھ یہ بھی معلوم ہے چنگیز کا اب پروگرام کیا ہے؟

فائقہ: یہ تو میں نہیں جانتی، لیکن اس کے سردار اعظم اور نفس ناطقہ تمن خان نے مجھے یہ بتایا تھا کہ اگر پندرہ دن میں واپس آ گئی تو بدخشاں میں اور مہینہ بھر میں واپسی ہو تو بلخ میں ملنا!

خوارزم شاہ: (کچھ سوچتے ہوئے) ـــ تو یہ ہے پروگرام چنگیز خان کا،

فائقہ: جی ہاں ـــ شاید حملہ کرنا چاہتا ہوگا ان جگہوں پر!

خوارزم شاہ: ہاں ـــ یہی بات ہے اس نے ضرور حملہ ہی کا پروگرام بنایا ہوگا اس کی مثال اس دیوانے ہاتھی کی ہے جو جنگل میں چنگھاڑتا، جھپٹتا درختوں کو اکھاڑتا، پودوں کو روندتا، جانوروں کو کچلتا، پرندوں پر "تلوار کی طرح سونڈ مارتا بھاگا چلا جاتا ہے" وہ نہ مشرق کو دیکھتا ہے نہ مغرب کو، نہ شمال کو، نہ جنوب کو، نہ آبادی کو، نہ جنگل کو، نہ دوست کو، نہ دشمن کو، اسے بس ایک ہی دھن ہوتی ہے، آگے کی سیدھ میں بڑھتا رہے، اور جو سامنے آئے اسے کچل دے!

فائقہ: یہی تو وہ کر رہا ہے کم بخت!

خوارزم شاہ: لیکن کب تک؟ ـــ جب تک خوارزم شاہ موجود ہے، یوں سمجھو اس کے ہاتھ میں تلوار نہیں آنکس ہے ـــ آنکس جو تیز سے تیز ... کی طرح ہاتھی کے سر پر پڑتا ہے اور اس کا سارا کس بل نکال دیتا ہے ہاتھی دنیا میں کسی چیز سے نہیں ڈرتا مگر فیلبان کے آنکس سے۔

فائقہ: خدا سلطان کو سلامت رکھے، وہی ہیں جو اس بپھرے ہوئے دیوانے ہاتھی کا مقابلہ کر رہے ہیں، لیکن پھر بھی مسلمانوں کو اماں نہیں ملتی، یہ جہاں جاتا ہے صفایا کر دیتا ہے۔

خوارزم شاہ: ہاں ـــ اس لیے کہ وہ بزدل ہے!

فائقہ: بزدل ـــ؟ ـــ چنگیز بزدل ہے؟

خوارزم شاہ: بزدل وہ ہوتا ہے جو دوسروں سے ڈرے، ظلم وہ کرتا ہے جسے مظلوم سے کسی قسم کا خوف ہو ـــ لہٰذا سمجھ لو جو جتنا زیادہ ظالم ہوگا، اتنا ہی زیادہ بزدل اور دوں فطرت بھی ہوگا!

یہ فلسفہ فائقہ کی سمجھ میں تو کیا خاک آتا، وہ سنتی رہی اور خاموش اپنی جگہ بیٹھی رہی!

خوارزم شاہ کچھ دیر چپ رہا، پھر اس نے حکم دیا کہ حسین الدین کو طلب کیا جائے، وہ فوراً حاضر ہوا، خوارزم شاہ نے اسے فائقہ کی ضروری گفتگو کا خلاصہ سنایا اور کہا

خوارزم شاہ: ان دونوں مقامات پر ہم پہنچیں گے، اگر ہم کھل کر جنگ نہ کر سکیں گے تو شب خون ماریں گے، یا پھر جنگ مغلوبہ لڑتے ہوئے واپس آ جائیں گے لیکن یہ گوارہ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ بلخ اور بدخشاں کو پامال کر دے، وہاں کے مسلمانوں کو قتل کر ڈالے، وہاں کی عمارتوں کو ڈھا دے، وہاں کی رونق، آبادی، سرسبزی اور شادابی کا خاتمہ کر دے، اور ہم چپ چاپ بیٹھے رہیں، یہ موقع قدرت کی طرف سے عطا ہوا ہے، اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے ـــ کیا تم ہماری رائے سے متفق ہو؟ کیا تم تیار ہو؟

سپہ سالار ہیں، دل و جان سے ــــ غلام کب آپ کے ایک اشارہ پر جان کی بازی لگا دینے میں تامل کیا ہے؟ ہم ضرور بدخشاں اور بلخ تک جائیں گے اور جب تک چنگیز کے منہ پر ایک طمانچہ اور نہ لگالیں واپس نہیں آئیں گے!

بدخشاں!

چنگیز کو اور چنگیز سے زیادہ دشمن خاں کو یقین تھا کہ کامیابی آئے گی اور با مراد ہوگی لیکن چنگیز اپنے پروگرام میں انتظار و تساہل روا رکھنے کا عادی نہیں تھا، اس نے شروع سے کہہ دیا تھا، اگر جلد آ گئے تو ہم بدخشاں لے لیں گے، دیر سے آنا ہوا تو ہمیں بلخ ہی یاد رہے گی!

چنانچہ اپنے پروگرام کے مطابق چنگیز کی فوجیں سب سے پہلے بدخشاں کی طرف بڑھیں۔ بدخشاں کے لوگ امن پسند تھے، دوسرے وہ چنگیز کی ہیبت اور جلالت سے مرعوب بھی تھے۔ ان کے علم میں تھا کہ یہ انسان نما درندہ کس طرح انسانیت کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے پر تلا ہوا ہے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ چنگیز سے لڑنے اس کا مقابلہ کرنے اور اسے شکست دینے کیلئے کتنے اور کیسے سامان کی ضرورت ہے۔ لہٰذا انہوں نے عافیت اسی میں سمجھی کہ دروازہ کھول دیں اور امن و امان کے ساتھ اس کی بالادستی قبول کر لیں تاکہ اس قتل و غارت سے دوچار نہ ہوں جس کا حال وہ سنتے چلے آ رہے تھے۔ اور جسے سن سن کر ان کی روح تحلیل ہوتی جا رہی تھی!

اس قرارداد کے مطابق شہر کے اکابر کا ایک وفد چنگیز کے لشکر میں پہنچا۔ چنگیز

نے خود اس وفد کو شرفِ باریابی عدیم الفرصتی کے باعث نہ کیا۔ تمن خاں نے کہا کہ وہی ان سے مل لے۔

تمن خاں نے ارکانِ وفد سے ملاقات کی، اور نرم لب و لہجہ میں کہا

تمن خاں: شاید آپ لوگوں نے اندازہ لگا لیا ہے کہ ہم سے لڑنا خدا سے لڑنا ہے!

وفد کے ایک رکن نجم الدین نے کہا

ہم نے کافی غور و فکر اور صلاح و مشورہ کے بعد یہ طے کیا ہے کہ شہر کے دروازے کھول دیں، اور آپ اپنے لشکر سمیت تشریف لے آئیں، بشرطیکہ ہماری جان و مال سے تعرض نہ کیا جائے!

تمن خاں نے پرشکن پیشانی کے ساتھ کہا

تمن خاں: ہم شرائط سننے کے عادی نہیں ہیں — ہم لوگ سلاطین سے بھی شرط پر بات چیت نہیں کرتے!

شیخ نجم الدین: اچھا تو میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں، یوں سمجھئے یہ ہماری استدعا ہے، گزارش ہے، التجا ہے، کہ آپ شہر پر قبضہ کر لیں، ہمیں جان کی اماں دیں اور سپاہیوں کو ہدایت فرما دیں کہ وہ ہماری آبرو اور دولت سے نہ کھیلیں۔ (یک بیک تمن خاں کھلکھلا کر ہنس پڑا!)

تمن خاں: ہاں آپ کی یہ استدعا منظور کی جا سکتی ہے!

شیخ نجم الدین: تو ہم جا کر اہلیانِ شہر کو مطلع کر دیں؟ انہیں بتا دیں کہ ہماری استدعا قبول ہوئی؟

تمن خاں: ضرور ضرور — شوق سے بلکہ میں ابھی آپ کو پروانہ (امن شہنشاہِ عالم)

چنگیز کی طرف سے عطا کرتا ہوں۔ اس پروانہ کے بعد ہمارا کوئی سپاہی نہ کسی گھر میں داخل ہوگا، نہ کسی عورت کو ستائیگا، نہ کسی کے مال پر قبضہ کرے گا — بس اتنا ہی نا؟

شیخ نجم الدین: جی ہاں — بس اتنا ہی، ہم یہی چاہتے ہیں، یہ آپ کی بہت بڑی نوازش ہے، جس کا ہم دل کی گہرائی سے شکریہ ادا کرتے ہیں

تمن خاں: نہیں شکریہ کی ضرورت نہیں،

شیخ نجم الدین: یہ شکریہ میں اپنی طرف سے نہیں، اپنے ساتھیوں کی طرف سے بھی ادا ہے گا، اور بے خطا شہریوں کی طرف سے ادا کر رہا ہوں جو آپ کی آمد کی خبر سنکر موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ وہ بے شمار لوگ ایسی کیفیت میں مبتلا ہیں جسے صرف عالم نزع سے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔

تمن خاں: ہم نے آپ کا مطلب سمجھ لیا — ہم ان کے شکریہ کو قبول کرتے ہیں اور آپ کی معرفت ان تک اپنا سلام پہونچاتے ہیں۔

اس رسمی گفتگو کے بعد شیخ نجم الدین اپنا وفد لے کر خوش خوش واپس ہوئے۔ جب وہ جانے لگے تو انھوں نے ایک مرتبہ پھر جھک کر ایک مرتبہ تمن خاں کا اور تمن خاں کے واسطے سے چنگیز کا شکریہ ادا کیا۔ تمن خاں نے انھیں رخصت کرتے ہوئے ملاطفت کے لہجہ میں کہا

تمن خاں: ہمارا لشکر کل علی الصباح شہر میں داخل ہو جائیگا!

شیخ نجم الدین مسکرائے اور فرمایا۔

شیخ نجم الدین: بسر و چشم! — ہم اس کا خیر مقدم کریں گے، اسکے لئے دیدہ و دل

فرش راہ کریں گے۔ بہت اچھا ہوا کہ آپ نے وقت کی تعیین فرما دی! —
میں ابھی جا کر بتاتا ہوں۔ شہر کو مطلع کرتا ہوں، ہم آپ کا اسی
طرح استقبال کریں گے جس طرح ایک معزز مہمان کا استقبال کیا جاتا ہے!

اس آخری گفتگو کے بعد شیخ صاحب اپنے ساتھیوں سمیت شہر واپس پہنچے

شہر والوں پر ایک اضطراب کی کیفیت چھائی ہوئی تھی!

"نہ جانے کیا فیصلہ ہوا؟"

"نہ جانے کیا جواب ملے؟"

"اور اگر چنگیز نے وفد کی بات سننے سے انکار کر دیا تو؟"

لیکن شیخ نجم الدین کے پہونچتے ہی ایک سکون سا پیدا ہو گیا!

شیخ صاحب کا انتظار شہریوں کے نمائندے جامع مسجد میں کر رہے تھے

شیخ صاحب نے اپنی ساری گفتگو انہیں لطف لے لے کر اور مسکرا مسکرا کر سنا دی۔ اس گفتگو سے شہر والے مطمئن ہو گئے۔

ایک صاحب نے کہا

"بہت بڑے خطرے سے نجات ملی!"

ایک دوسرے بزرگ نے کہا:

"خدا کا شکر ہے!"

تیسری طرف سے ایک صاحب کی آواز سنائی دی۔

"بہتر صورت یہ ہے کہ اس خبر کو ہر گلی میں جا کر اعلان کر دیا جائے تاکہ شہر والوں کا ہراس دور ہو اور وہ آرام کی نیند سو سکیں! — کئی آوازیں: اسی طرح

جاگتے ہیں۔ لوگوں کی گذر چکی ہے — آخر کب تک؟

شیخ نجم الدین نے اس تجویز سے اتفاق کیا، اور فوراً شہر میں منادی کرا دی گئی

منادی نے واقعی لوگوں پر سکون کی کیفیت پیدا کر دی اور آرام کی نیند سو گئے! — بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ گھوڑے بیچ کر سو گئے!

شہر پر سناٹا چھایا ہوا تھا!

مرد، عورت، بچے سب بے فکری کی نیند سو رہے تھے!

دفعتاً ایسا معلوم ہوا گویا قیامت صغریٰ برپا ہو گئی!

ہر طرف سے آہ و بکا، فریاد و شیون اور نالہ جانکاہ کی دلدوز صدائیں بلند ہو رہی تھیں!

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی مقتل میں انسانوں کا قتل عام کیا جا رہا ہو

اور یہ واقعی قتل عام ہی تو تھا۔

چنگیز کا لشکر بدخشاں میں داخل ہو چکا تھا۔

اسے قطعاً اس کا پاس نہیں تھا کہ یہاں کے شہریوں کو امان دی جا چکی ہے، گھروں میں، سڑکوں پر، گلیوں اور چوراہوں پر پانی کی طرح انسانی خون بہایا جا رہا تھا۔ ہو گیا انتقام آپ اور ان مسلمانوں کو نیند!

شیخ نجم الدین شور و ہنگامہ کی یہ دلگیر صدائیں سن کر اٹھے کہ کسی طرح پروانہ امن سپاہیوں کو دکھا کر اس قتل و خون اور کشت و غارت سے باز رکھیں، پروانہ امن ان کے ہاتھ میں تھا، اور جس افسر سے وہ گفتگو کر رہے تھے وہ ان سے کہہ رہا تھا

"یہ کاغذ ہمارے پاس کیوں لائے ہو، ہم پڑھنا کب جانتے ہیں!"

شیخ صاحب نے اسے کچھ اور سمجھانے کی کوشش کی لیکن ابھی الفاظ کی زبان تک نہیں آئے تھے کہ دفعتاً ایک چمکتی ہوئی تلوار فضا میں بلند ہوئی، اور شیخ صاحب کا لاشہ بے سر ابکلے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔ اس تاتاری افسر کو یہ منظر کچھ ایسا نا معلوم ہوا یا اتنا اچھا معلوم ہوا کہ وہ اپنے آپ کو روک نہ سکا، وہ دو قدم آگے بڑھا اور شیخ کی لاش پر کھڑا ہو گیا۔ مشعلوں کی روشنی میں وہ اپنے ماتحت سپاہیوں کو مختلف قسم کے ہدایات دے رہا تھا۔ لوگ کٹ رہے تھے، پٹ رہے تھے اور وہ اس منظر کو اور زیادہ باہیبت بنانے کی تدبیریں سوچ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے بچے، بوڑھے، بیمار، تندرست، مرد، عورت سب ہی مولی گاجر کی طرح کاٹے جا رہے تھے!۔۔۔ شیخ نجم الدین کی لاش، اس طرح دبی ہوئی تھی کہ اب دیکھی بھی نہیں جا سکتی تھی ۔۔۔ بے زبان شیخ اور اس کی بے زبان نعش بے کفن!

تقریباً صبح تک بدخشاں کے لوگ قتل ہوتے رہے، یہاں تک کہ پو پھٹنے لگی اندھیرا ابھی چھایا ہوا تھا، مشعلیں اب تک روشن تھیں، لیکن قرینہ یہ بتا رہا تھا کہ اب صبح ہوا چاہتی ہے، اور صبح ہو جانے کے بعد سب سے پہلا کام جو یہ فوج کرے گی وہ ہو گا عمارتوں کو ڈھانا، مکتبوں اور مدرسوں اور خانقاہوں کو زمین کے برابر کرنا، مسجدوں میں آگ لگانا، کھیتوں اور کھلیانوں کو روندنا اور پامال کرنا!

لیکن ابھی صبح نہیں ہوئی تھی!

ہاں صبح کے آثار ظاہر ہو چلے تھے!

دفعتاً برق جہندہ کی طرح جلال الدین خوارزم شاہ چنگیز کے لشکر پر گرا، اور آتے ہی اس نے صفوں کی صفیں الٹ دیں۔ اب چنگیز کے سپاہی خوارزم شاہ کے [illegible]

بھاگ گئے تھے، وہ جان گئے تھے یہ جرأت اور دلیری صرف خوارزم شاہ ہی میں ہے کہ وہ شیروں کا شکار کرتا ہے اور اس وقت کرتا ہے جب شیر خود شکار میں مصروف ہوتا ہے جلال الدین آیا، اور اس کے آتے ہی چنگیز کی صفوں میں تہلکہ پیدا ہو گیا

یہی لوگ جو اب تک بڑے لطف اور دلچسپی سے انسانوں کی گردنیں کاٹ رہے تھے اب خود ذبح ہو رہے تھے اور یہی میدان جنگ میں ان کی گردنیں کاٹی جا رہی تھیں!

اندھیرا چھایا ہوا تھا، ہاتھ کو ہاتھ سجھائی دے رہا تھا، لیکن ابھی اتنی تاریکی تھی کہ منہ کو منہ نہیں دکھائی دیتا تھا، شپاشپ تلواریں چل رہی تھیں، گردنیں کٹ رہی تھیں، لاشیں گر رہی تھیں، لیکن یہ خبر نہ تھی کہ قاتل کون تھا اور کس نے کیا تھا!

جلال الدین بجلی کی طرح گرا اور آندھی کی طرح صاف نکلا چلا گیا، لیکن اس کے جانے کے بہت دیر بعد تک بھی یہ لشکر آپس ہی میں گتھا رہا، ہر تاتاری سپاہی جب سامنے کے تاتاری سپاہی پر تلوار کا وار کرتا تھا، تو یہ سوچ کر کرتا تھا کہ میں خوارزم شاہی سپاہی پر حملہ کر رہا ہوں لیکن جب گردنیں کٹ چکی تھیں، اور گرنے والا گرتے گرتے اپنی زبان میں ایک آدھ لفظ کہتا ہوا اٹھتا تھا کیا ہوا؟ ہم نے تو اپنے بھائی بند کو قتل کر دیا۔

صبح ہو چکی تھی اور چنگیز اپنے خیمہ کے سامنے پیکر ملال بنا کھڑا تھا!

بلخ

اہل بدخشاں کے ساتھ چنگیز نے جو عہد شکنی کی تھی، قدرت کی طرف سے اس کا بدلہ لیا گیا، خوارزم شاہ ٹوٹ کر اچانک اس طرح چنگیز کے لشکر پر گرا کہ اس کے حواس جاتے رہے، بہت کافی نقصان پہنچا کر وہ حسب معمول چلا گیا، لیکن چنگیز کو غم و غصہ میں مبتلا کر گیا۔ چنگیز کا معمول تھا کہ وہ کسی شہر کو تباہ و برباد کرنے کے بعد کچھ روز وہاں ٹھہرتا تھا، وہاں کی عمارتوں کو ڈھاتا تھا، وہاں سے غلاموں اور کنیزوں کی ایک کھیپ تیار کرتا تھا، وہاں کی عمارتوں کو ڈھاتا تھا، باقی ماندہ لوگوں کو قتل کرتا تھا، پھر اپنے مستقر پر واپس چلا جاتا تھا یا کسی دوسرے کا منصوبہ زیر عمل لے آتا تھا!

اس مرتبہ وہ اتنا پریشان ہوا کہ وہ ایک دن بھی قیام پذیر نہیں ہوا، جلدی جلدی جتنی عمارتیں ڈھائی جا سکتی تھیں، انہیں منہدم کیا جتنے لوگ قتل کیے جا سکتے تھے، انہیں موت کے گھاٹ اتارا اور سیدھا بلخ کی طرف بڑھ گیا، وہ چاہتا تھا بدخشاں کا انتقام بھی بلخ سے لے، دو منزلوں کو ایک ایک منزل کرتا ہوا وہ بلخ پہنچا اور شہر پناہ کے سامنے خیمہ زن ہو گیا، بلخ کے لوگ بدخشاں کے مقابلے میں زیادہ امن پسند اور باحوصلہ تھے۔ شہر کے اعیان کی ایک مجلس مشاورت جب اس سلسلے میں منعقد ہوئی تو

تقریباً متفقہ طور پر یہ فیصلہ ہوا کہ چنگیز کا مقابلہ کیا جائے۔ بعض کمزور طبع لوگوں نے چاہا کہ اطاعت و انقیاد اور خراج کے وعدے پر جان کی امان حاصل کر لی جائے۔ لیکن انکی نہ چلی۔ بلکہ شہر کی اکثریت اس خیال پر مضبوطی سے قائم تھی کہ چنگیز سے صلح کی التجا نہیں کرنی چاہیے، اس لیے کہ وہ صلح کا احترام نہیں کرتا، وعدوں کا پاس نہیں کرتا، بے گناہوں کے ساتھ رعایت نہیں کرتا، جب جان دینی ہی ہے تو پھر بہادری سے کیوں نہ موت کا مقابلہ کیا جائے، بزدلوں کی طرح کیوں جان دی جائے!

چنگیز کو امید تھی، یہاں بھی وہی ہوگا، جو بدخشاں میں ہوا تھا یعنی کچھ لوگ آئیں گے اور جان و مال کی امان لے کر واپس جائیں گے، تاتاری سپاہی بغیر لڑے بھڑے شہر میں داخل ہو جائیں گے، لیکن اس کی یہ توقع پوری نہ ہوئی، تین دن گزر گئے مگر شہر والوں کی طرف سے کوئی کسی قسم کی تحریک نہیں ہوئی، لوگ قلعہ بند تھے اور بظاہر اس کا احساس بھی نہیں رکھتے تھے کہ شہر پناہ کے باہر کوئی دشمن خیمہ زن ہے یا نہیں! شہر والوں کی یہ بے نیازی دیکھ کر چنگیز کو بڑا غصہ آیا، اس نے تمن خاں کو بلایا اور اس سے کہا

چنگیز خاں: کیا ہم یہاں سستانے اور آرام کرنے کیلئے آئے ہیں،

تمن خاں: (ڈر کر)

نہیں شہنشاہ عالم ہم یہاں شکار کرنے آئے ہیں شکار کر کے واپس جائیں گے!

چنگیز خاں: تمن خاں میں بیکار باتیں سننا نہیں چاہتا، مجھے کل صبح دم شہر پر خوفناک حملہ پوری شدت کے ساتھ کر دیا جائے!

Rekhta

قتن خان۔ یہی ہوگا والا جاہ!

چنگیز خان۔ اور میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ جنگ طویل ہو، میرے سپاہیوں کو اور افسروں کو مطلع کر دو کہ کل ہی اس جنگ کا خاتمہ ہو جانا چاہیئے!

قتن خان۔ ایسا ہی ہوگا، شہنشاہ عالم پناہ!

اس گفتگو کے بعد قتن خان تو جنگی تیاریوں کے سلسلے میں باہر چلا گیا اور چنگیز خان اپنے خاص خیمے میں بستر استراحت پر دراز ہو گیا!

صبح دم جنگ شروع ہو گئی!

اور یہ جنگ واقعی بڑی ہولناک اور خوفناک تھی!

تاتاری سپاہی اپنے آقا کا حکم بجا لانے پر تلے ہوئے تھے، وہ چاہتے تھے چند گھنٹوں کے اندر بلخ کی اینٹ سے اینٹ بج جائے!

ادھر بلخ کے سرفروش بھی کفن سر سے باندھ کر اٹھے تھے!

یہ جانتے تھے کہ اب ہم زندہ واپس نہیں ہوں گے، موت ہمارے دروازے تک پہونچ چکی ہے اور وہ تنہا واپس نہیں جائے گی!

لیکن یہ جاننے کے باوجود وہ موت سے خائف اور ہراساں نہیں تھے وہ موت کا مقابلہ کرنے نکلے تھے، اپنی آل اولاد، جائیداد جاگیر دولت مال، ہر چیز سے بے نیاز ہو کر وہ لڑ رہے تھے اور اس بہادری سے لڑ رہے تھے کہ تاتاری سپاہیوں کے چھکے چھوٹے جا رہے تھے۔

لڑائی کا پہلا دن ختم ہو گیا!

لیکن اس طرح جنگ کا فیصلہ نہ ہو سکا —— بلخ کے ہزارہا سورما کٹ پڑے تھے، لیکن ان کے پہلو تاتاری سپاہیوں کی لاشیں بھی نظر آ رہی تھیں، اور ان کی تعداد بھی کچھ کم نہ تھی!

سورج غروب ہونے کے بعد طبل آسائش بج گئے — دونوں فوجیں اپنے اپنے مستقر پر واپس گئیں!

چنگیز کا خون کھول رہا تھا اس نے جو چاہا تھا وہ نہ ہوا! اور اس سے بڑھ کر اس کیلئے تکلیف دہ بات کوئی نہیں ہو سکتی تھی کہ اس کی مرضی پوری نہ ہو، مگر دیر میں!

چنگیز اتنا برہم تھا کہ اس نے قتن خان اور دوسرے سرداروں سے کسی قسم کی گفتگو نہیں کی، نہ ملامت کی، نہ تعریف کی، خاموش اپنے خیمے میں بیٹھا رہا، نہ باہر نکلا، نہ کسی میں ہمت تھی کہ وہ باریاب ہونے کی آرزو کرتا!

دوسرا دن شروع ہوا!

آج پھر تاتاری جنگ سر کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے کل کی شرمندگی آج کے کارنامے سے دور کرنا چاہتے تھے، اور یہی حال بلخ کے سرفروشوں کا تھا، وہ کل سے زیادہ جوش و خروش کے ساتھ لڑ رہے تھے، آج ان کی تعداد کل کے مقابلہ میں کم تھی — لیکن مرنے اور کٹ مرنے کا جوش کل کے مقابلہ میں بہت زیادہ تھا، آج شہدا کی تعداد بھی کل کے مقابلہ میں بہت زیادہ تھی، اور یہی تعداد بتا رہی تھی کہ مرنے والے موت سے نہیں ڈرتے، وہ ہنستے کھیلتے میدان جنگ میں آتے ہیں موت سے بغلگیر ہوتے ہیں اور اس دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں

دن ڈھلا جا رہا تھا!

جنگ زور پکڑتی جا رہی تھی، مسلمانوں کی تعداد کم سے کم تر ہوتی جا رہی تھی، صاف معلوم ہو رہا تھا کہ اسلام کے یہ نام لیوا اب زیادہ دیر تک قوی تر دشمن کی مقاومت زیادہ عرصہ تک جاری نہیں رکھ سکیں گے، دن ڈھلنے ؟ جیتے زندہ نہ چھوڑ دینے ؟ دیکھنا ان میں سے کوئی بھی زندہ نہ بچے گا۔

چنگیز اس حقیقت کو سمجھ رہا تھا، اس نے قتن خاں سے کہا

"یہی وقت ہے ایک شدید حملہ دشمن کو پارہ پارہ کر دے گا!"

قتن خاں بھی سوچ رہا تھا چنگیز کی شہ پاکر اس نے بڑے زور سے حملہ کیا، اور یہ سوچ کر کیا کہ بس اب مسلمانوں کا خاتمہ ہے!

یکایک گرد کا بگولا اٹھا!

ذرا دیر میں وہ بگولا چھٹا تو ہزار ڈیڑھ ہزار سواروں کا ایک گروہ اسے چیرتا ہوا نظر آیا، دیکھتے دیکھتے یہ گروہ قریب آ گیا اور جنگ کے میدان میں اس نے اپنا وزن بلخ والوں کے حصے میں ڈال دیا۔

یہ خوارزم شاہ تھا!

یہ خوارزم شاہ کی سپاہ خاصہ تھی!

ان ہزار ڈیڑھ ہزار آدمیوں نے ایسی جی داری سے مقابلہ کیا کہ بڑھتے ہوئے تاتاریوں کے قدم رک گئے، جیتے ہوئے تاتاری ہارنے لگے! ــ جو بازی تقریباً سر ہو چکی تھی، وہ پھر ـــــ

دفعتاً چنگیز چنگھاڑا۔

"خبردار! یہ خوارزم شاہ ہے ـــ زندہ بچے نہ اس کا کوئی سپاہی!"

چنگھاڑ زخمی بجلی کی قوت تھی، جس نے تاتاری سپاہیوں کے رگ و پے میں ایک نئی تڑپ پیدا کر دی، ان کا حملہ اور شدت اختیار کر گیا، لیکن خوارزم شاہ کے عزم کو پامال نہ کر سکا، تاتاری مولی گاجر کی طرح کٹ رہے تھے، یہ ہزار ڈیڑھ ہزار خوارزم شاہی سپاہی جس طرف نکل جاتے تھے پرے کا پرا صاف کر دیتے تھے، جو ان کے سامنے آ جاتا تھا وہ زندگی سے ہاتھ دھونے پر مجبور ہو جاتا تھا!

یہاں تک کہ سورج ڈھل گیا ـــ لیکن جنگ جاری رہی!

رات ہو گئی لیکن جنگ کا خاتمہ نہیں ہوا۔

اب چنگیز خود میدان جنگ میں تھا اور اپنے سپاہیوں کو بڑھاوے دے رہا تھا!

۶

خوب اچھی طرح تاریکی پھیل جانے کے بعد جنگ ختم ہوئی!

اب تھا کون جس سے تاتاری جنگ کرتے جس کا گلا کاٹتے، جو لڑنے کی سکت رکھتے تھے وہ کام آ چکے تھے! چنگیز نے ایک لمحہ بھی انتظار نہ کیا، فوراً اپنی فوج کے ساتھ بلخ میں داخل ہو گیا، اور اس کے داخل ہوتے ہی وہ سب کچھ ہوا جو تاتاریوں کے داخلے کے وقت ہوا کرتا تھا، پہلے بھی بدخشاں کا بدلہ وہ بلخ والوں سے لینے کا فیصلہ کر چکا تھا، اور اب تو اہل بلخ نے مقابلہ کر کے اس کی آتش غضب اور بھڑکا دی تھی! اور پھر بالائے ستم یہ کہ خوارزم شاہ بھی پہنچ گیا!

رات بھر قتل و غارت، انہدام اور تخریب کا سلسلہ پوری سفاکی اور درندگی کے ساتھ جاری رہا، دوسرے دن صبح جب سورج طلوع ہوا تو اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا، کل شام جب وہ غروب ہوا تھا تو بلخ اپنی جگہ پر موجود تھا... حسن کی بلند

وہاں اور شاندار عمارتیں موجود تھیں، اس کے زندہ دل اور خوش باش لوگ موجود تھے۔ اس کی خانقاہ اور مسجدیں موجود تھیں۔ اس کے مکاتب اور مدارس موجود تھے، بازاروں میں چہل پہل تھی، گھروں میں رونق تھی، لوگوں میں زندگی اور زندہ دلی کے آثار موجود تھے ـــــ اور آج جب بارہ گھنٹے کے بعد وہ طلوع ہوا تو کچھ نہ تھا!

سب کچھ ختم ہو چکا تھا ـــــ نہ آبادی تھی، نہ رونق، نہ چہل پہل تھی، نہ زندگی، نہ زندہ دلی تھی، نہ آثارِ حیات، نہ عمارتیں تھیں، نہ مکانات، نہ مسجدیں نظر آ رہی تھیں، نہ خانقاہیں،

یا اللہ یا اللہ۔ یہ کیا ہو گیا؟ ـــــ سورج نے اپنی جہاں دیدہ آنکھوں سے آدم تا ایں دم نہ جانے کتنے اور کیسے کیسے ہوشربا اور دلدوز مناظر دیکھے تھے اور ٹس سے مس بھی نہیں ہوا تھا!

چشمِ ما بیدار ازیں خواب پریشاں دیدہ است!

لیکن آج اس کا جی چاہ رہا تھا کہ رو دے۔ شاید اسی لئے گرد و غبار کی اوٹ میں اس نے پناہ لے رکھی تھی۔ موجود تھا لیکن نظر نہیں آ رہا تھا!

اس گرد و غبار کی اوٹ سے وہ جھانک جھانک کر ان لاشوں کو غور سے دیکھ رہا تھا جنہیں ہر روز وہ دجلہ کے سبزہ زاروں اور مرغزاروں میں چلتے پھرتے دیکھتا تھا، جن کے سرخ و سفید چہروں کو دیکھ کر خود اس میں ایک امنگ پیدا ہو جاتی تھی، ان کی بہادری اور شجاعت کے مناظر دیکھ کر وہ ایسا محسوس کرتا تھا جیسے خود بھی وہ ان کی شان و شوکت کا حصہ دار ہے ـــــ لیکن آج ان کی گردنیں کٹی ہوئی

تھیں، ان کے گھر مٹے ہوئے تھے۔ ان کے اہل و عیال قتل کئے جا رہے تھے یا لونڈی اور غلام بنائے جا رہے تھے! شاید وہ دوبارہ اس وادی میں یہ دریافت کرنے کے لئے کہ ان اسلام پرستوں کی خطا بھی کیا تھی، جس کی یہ سزا ملی۔ وہ قبل از وقت روپوش ہو گیا

آج سورج گرہن تھا!

مکمل گرہن!!!

معراجِ آرزو

جلال الدین خوارزم شاہ کی اس پے بہ پے اور تابڑ توڑ یلغاروں سے چنگیز خاں پریشان ہو گیا! ــــ اس نے خیمۂ خاص میں مجلسِ مشاورت منعقد کی، غضب کے آثار اس کے چہرے سے ہویدا تھے: اس نے تمن خاں سے مخاطب ہو کر کہا۔

چنگیز خاں: اتنے دنوں سے ہم ممالکِ اسلامیہ پر لگاتار یورش کر رہے ہیں، اتنے دنوں سے خوارزم شاہ ہمارے مقابلے میں سینہ سپر ہو کر لڑ رہا ہے، اتنے دنوں سے ہم اس سے برسرِ پیکار ہیں، لیکن آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اس طرح تابڑ توڑ اس نے ہمارے لشکر پر یورشیں کی ہوں، جانتے ہو یہ کس کی حرکت ہے؟

تمن خاں سہم گیا، اس کا چہرہ سفید پڑ گیا، اس کی آواز میں لرزش پیدا ہو گئی

تمن خاں: شہنشاہِ عالم پناہ سے زیادہ کون جان سکتا ہے، وہ روشن ضمیر ہیں۔ وہ سب کچھ جانتے ہیں!

چنگیز خاں: یہ نائلہ کی حرکت ہے ــــ وہ یہاں سے جاسوس بن کر گئی اور وہاں جا کر اس نے ہماری جاسوسی کی، یہ کسی کو معلوم تھا کہ ہم بدخشاں

اور بلخ کو تاخت و تاراج کرنے جا رہے ہیں، وہی جانتی تھی، اسے جیسے کہاں ملنا چاہیے، وہ ملنے نہیں آئی بلکہ خوارزم شاہ کو اس نے بھیج دیا۔

تمن خاں: بے شک یہ اسی کی حرکت ہے!

چنگیز خاں: [illegible]، اسی کی حرکت ہے اور ناقابلِ معافی حرکت ہے!

تمن خاں: بے شک میرے آقا ٹھیک بات ہے ــــ جس طرح خوارزم شاہ اب کسی رحم کا مستحق نہیں اسی طرح یہ عورت بھی اپنے تئیں ہر عقوبت کا سزاوار بنا چکی ہے!

چنگیز: میں اپنا پروگرام ملتوی یا منسوخ کرنے کا عادی نہیں، ہم آج خراسان کی طرف بڑھ رہے ہیں، وہاں سے طالقان جائیں گے، پھر بامیان کا ارادہ ہے۔ اپنے جاسوسوں کو حکم دو کہ ہر قیمت پر نائلہ کو خوارزم شاہ کے لشکر سے پکڑ لائیں، چرا لائیں، بامیان فتح کرنے کے بعد کچھ دن ہم وہاں قیام کا ارادہ رکھتے ہیں، وہیں نائلہ کی قسمت کا فیصلہ ہو گا!

تمن خاں: سرکار والا تبار، میں یقین دلاتا ہوں کہ بامیان پہنچنے سے پہلے ہی ہم نائلہ کو حاصل کر لیں گے، ممکن ہے اس کی قسمت کا فیصلہ خراسان یا طالقان ہی میں کیا جا سکے!

اور جس وقت چنگیز اور تمن خاں میں یہ باتیں ہو رہی تھیں، نائلہ اپنے خیمے کے ایک گوشے میں بیٹھی، دو زانو، گڑگڑا گڑگڑا کر اپنے معبود سے دعائیں مانگ رہی تھی

ـ اے دلوں کا بھید جاننے والے معبود میرا وجود ناکارہ ہے، کوئی قدر نہیں رکھتا، قسمت نہیں رکھتا، میں دنیا سے اٹھ جاؤں تو زمین کا ایک بوجھ کم ہو گا، دنیا میں کوئی

کمی نہیں آئے گی، دنیا کا کوئی نقصان نہیں ہو گا، یارا اپنا سمجھا فضلے، لیکن اپنے مجاہد بندے خوارزم شاہ کو بچالے، اسے زندہ رکھ، وہ چنگیز سے اس لئے نہیں لڑ رہا ہے کہ اپنی بادشاہت بچانا چاہتا ہے، اس لئے لڑ رہا ہے کہ وہ تیرا دشمن ہے، تیرے دین کا دشمن ہے تیرے پرستاروں کا دشمن ہے، تیرے آخری پیغام قرآن کا دشمن ہے، مسجدوں، مدرسوں اور مکتبوں کا دشمن ہے... وہ اسلام کو مٹا دینا چاہتا ہے، مسلمانوں کو نیست و نابود کر دینا چاہتا ہے، کوئی ایسی نشانی اس دنیا میں باقی رہنے دینا نہیں چاہتا، جو تیری اور تیرے دین کی یاد دلانے والی ہو، اور چنگیز بے تحاشے سیل کی طرح سرزمین عالم پر گھوم رہا ہے جس سے نبرد آزما ہوتا ہے وہ گردن جھکا دیتے ہیں جن کی طرف متوجہ نہیں ہوتا، وہ عیش پرستیوں، سرمستیوں اور رنگ رلیوں میں سب کچھ فراموش کئے ہوئے ہیں، دنیائے اسلام میں تمام فرد میں ایک یہ تیرا اچھا بندہ خوارزم شاہ ہے، جو صرف اس لئے زندہ ہے کہ چنگیز کو اور اس کی شیطانی قوت کو نیست و نابود کر دے، تاکہ اسلام قائم رہے مسلمان زندہ رہیں، تیرے آخری پیغام قرآن کی تبلیغ ہوتی رہے۔ اے معبود اگر خوارزم شاہ مر گیا تو چنگیز بے لشکر تیرے مسلمان ممالک پر قابض ہو جائے گا، یہی ایک سنگ گراں ہے جو اس کی راہ میں حائل ہے، اس کے بعد کوئی روک باقی نہ رہے گی، وہ فیل بے زنجیر کی طرح بے روک ٹوک بڑھتا رہے گا اور مسلم حکومتوں کا تختہ الٹتا رہے گا۔ میرے معبود میرے مالک میرے رب رحم فرما، خوارزم شاہ کو اچھا کر دے، وہ بلخ کے معرکوں سے زخمی ہو کر آیا ہے۔ کسی سفاک تاتاری کی تلوار نے اس کے سر اور شانہ کو زخمی کر دیا ہے، خون بہہ کر رستا ہی رہتا ہے، کمزوری ہے کہ بڑھتی ہی جاتی ہے، وہ آفتاب کی طرح روشن اور تابناک چہرہ کملاتا جا رہا ہے، ماند پڑتا جا رہا ہے، اگر وہ نہ رہا تو

کیا ہو گا میرے معبود وہ نہیں نہیں میری جان لے لے، لیکن اسے زندہ رکھ، اسے زندہ رہنا چاہیے!

یہ دعا مانگتے مانگتے نائلہ پھوٹ پھوٹ کر سجدہ ہی میں پڑے پڑے رونے لگی، جب ذرا طبیعت سنبھلی تو وہ خوارزم شاہ کے خیمہ میں پہنچی۔ سر اور شانہ پر سفید پٹیاں بندھی ہوئی تھیں، اور وہ سو رہا تھا۔ جب سے بلخ کے معرکہ سے وہ زخمی ہو کر آیا تھا، نائلہ نے اس کی تیمارداری میں دن رات ایک کر دیئے تھے، صبح شام اس کی پٹی سے لگی بیٹھی رہتی تھی، یوں تو حسین الدین اور دوسرے معتبران بارگاہ بھی ہر وقت اس کے دوا دارو میں لگے رہتے تھے، لیکن نائلہ کی بات ہی اور تھی اس نے تو واقعی اپنے آپ کو ہلکان کر دیا تھا، ان چند دنوں میں اس کی آب چلی جاتی رہی تھی، اس کی رعنائی میں فرق آ گیا تھا، وہ نڈھال ہو گئی تھی اور بیمار معلوم ہو رہی تھی، کبھی کبھی وہ دوسروں کے اصرار سے مجبور ہو کر تھوڑی دیر کے لئے اپنے خیمہ میں چلی جاتی، لیکن یہاں پہنچ کر بھی آرام نہ کر پاتی، مصلے بچھاتی اور سجدہ میں گر پڑتی۔

خوارزم شاہ نے نائلہ کی چاپ سن لی، آنکھیں کھول کر دیکھا پھر آنکھیں بند کر لیں۔ نائلہ اس کے قریب آ کر بیٹھ گئی، ماتھے پر ہاتھ رکھ کر بخار کا اندازہ کیا، ہاتھ ہاتھ میں لیکر نبض دیکھی، پھر اپنی جگہ پر چپ چاپ بیٹھ گئی، تھوڑی دیر کے بعد خوارزم شاہ کے منہ سے آواز نکلی،

پانی ــــ پا ــــ

نائلہ بجلی کی سی تیزی اور سرعت کے ساتھ اٹھی، اس نے جلد پیالہ دھو کر دیا اور پانی لیکر اپنے آقا کی بالیں پر پہنچ گئی۔ خوارزم شاہ کو اس نے سہارا دے

کر پانی پلایا اور پھر اپنی جگہ پر چپ چاپ بیٹھ گئی۔ خوارزم شاہ نے اسے محبت بھری نظروں سے دیکھا اور کہا:

خوارزم شاہ: فائقہ ۔۔۔ یہاں آؤ، قریب، بالکل پاس!

وہ بالکل قریب آ کر بیٹھ گئی!

خوارزم شاہ: بیمار ہم ہیں لیکن چہرہ تمہارا اترا ہوا ہے ۔۔۔ کیا تم بھی کچھ بیمار ہو؟

فائقہ کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ اس نے کیفیت پر بمشکل غالب آتے ہوئے کہا

فائقہ: کنیز کی زندگی آقا کی زندگی سے الگ نہیں ہوتی۔ آقا کی خوشی سے وہ خوش ہوتی ہے، آقا بیمار پڑتا ہے۔ تو وہ بھی اپنے آپ کو بیمار محسوس کرنے لگتی ہے اور پھر آقا بھی کیسا؟ جیسے آپ!

خوارزم شاہ: (مسکرا کر) کیا بات ہے ہم میں؟

فائقہ: جو دوسروں میں نہیں۔

خوارزم شاہ: نہیں فائقہ ہمیں اپنی کمزوریاں معلوم ہیں یہ تمہاری محبت اور شرافت کہ کمزوریاں نہیں دیکھتیں خوبیوں پر ہی ۔۔۔ اگر وہ ہوں ۔۔۔ نظر رکھتی ہو!

فائقہ: لیکن میرے آقا، آپ کی تعریف تو دشمن بھی کرتے ہیں، وہ دشمن بھی جس کی تعریف پر مجبور ہو جائیں، کیا اس میں کمزوریاں ہو سکتی ہیں؟

خوارزم شاہ: ہاں ہو سکتی ہیں، میں جب اپنی کمزوریوں کو یاد کرتا ہوں تو مجھے شرم آنے لگتی ہے اپنے آپ سے!

فائقہ: نہ جانے کس کمزوری کا آپ ذکر فرما رہے ہیں؟

خوارزم شاہ: وہ تمہیں بھی یاد ہوگی۔ بلکہ نقش ہوگی تمہارے قلب نازک پر!

فائقہ: میرے آقا میں اب تک نہیں سمجھی کہ آپ کس کمزوری کو یاد کر رہے ہیں؟

خوارزم شاہ: ہم ایک روز تمہیں معین الدین کو بخشے دے رہے تھے۔ اور شاید اسی روز ہم تمہیں آزاد کرنے پر بھی تل گئے تھے ۔۔۔ یہ ہماری سب سے بڑی کمزوری تھی۔ شاید ناقابل معافی ۔۔۔ سچ کہو فائقہ کیا تم نے معاف کر دیا ہمیں؟

میرے آقا یہ دیکھئے مجھے یہ کچھ نہیں یاد۔ مجھے تو صرف یہ یاد ہے کہ میں نے معین الدین کی کنیز بننے سے آقا کی مرضی کے باوجود صاف انکار کر دیا۔ میں نے آقا کی دی ہوئی آزادی کو گستاخی سے ٹھکرا دیا۔ لیکن میرے آقا نے اس گستاخی، اس بے ادبی کا صلہ مجھے ایک بیگم کی صورت میں عطا فرمایا اور یہ نقش اتنا گہرا بن چکا ہے کہ جتنا جتنا غور کرتی ہوں اتنا ہی اتنا یہ ابھرتا آتا ہے۔ میری حیثیت ایک معمولی کنیز سے زیادہ نہ تھی۔ لیکن میرے آقا نے مجھے جس طرح نوازا، اسی نے میرا رتبہ بلند کر دیا، دنیا میں سرفراز کر دیا، مجھے محسود بنا دیا، لوگ رشک کرتے ہیں مجھ پر کیا میری زندگی کا یہ سرمایہ معمولی ہے؟

خوارزم شاہ: (مسکرا کر) ہاں معمولی، بہت معمولی، بالکل ہیچ!

فائقہ: یہ نہ کہئے یہ میرا سب سے بڑا سرمایہ ہے، یہ میری سب سے قیمتی پونجی ہے یہ ایسی گراں مایہ متاع ہے جس سے میں کبھی دستبردار نہیں ہو سکتی، میرے لئے اتنا ہی بس ہے، اس کے سوا مجھے کچھ نہیں چاہئے!

میں نے انعام پالیا، مجھے صلہ مل گیا۔ وہ صلہ جسے بجا طور پر حاصل حیات
کہہ سکتی ہوں!

خوارزم شاہ: نائلہ تم بڑی اچھی ہو، تمہاری یہ باتیں سنکر تمہاری عالی ظرفی، بلند حوصلگی،
اور شرافت کی یہ باتیں سنکر ہمارے دل میں تمہاری عزت اور بڑھ گئی۔ دعا
کرو خدا ہمیں اچھا کر دے تاکہ ہم حسب دلخواہ تلافی مافات کر سکیں ——
ہم ضرور تمہیں آزاد کر دیں گے —— تاکہ تم سے نکاح کر لیں!

نائلہ کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی۔ اس نے گردن جھکا لی۔
کتنی اچھی لگ رہی تھی وہ اس وقت؟

دردِ سر!

نائلہ کو وہ چیز مل گئی جو اس کی امید اور توقع سے کہیں زیادہ تھی ——
بے شک وہ دل ہی دل میں اپنے آقا کو پوجنے لگی تھی، آقا کی صورت اور سیرت اس کے
دل میں کھب گئی تھی، اس کے بہادرانہ کارنامے، اس کے خلوص، للہیت، جرأت، دلیری
اور دلاوری نے اس کے کنوارے دل کو فتح کر لیا تھا، محبت اور عشق اس کیفیت کو ظاہر نہیں
کر سکتے جو اس کے دل کی تھی، وہ اپنے آقا کے ایک اشارے پر اپنی جان کی بازی لگا سکتی
تھی —— آج اس کی پوشیدہ پرستش رنگ لائی۔ اسے اپنی ریاضت کا پھل مل گیا خوارزم
شاہ نے اعلان کر دیا کہ وہ صحت یاب ہونے کے بعد پہلا کام یہ کرے گا، کہ اسے آزاد کر کے
حبالۂ عقد میں لے آئیگا!

نائلہ اپنے خیمہ میں پہونچی تو سینہ محشرستان جذبات بنا ہوا تھا، نئی نئی تمنائیں
اس کے دل میں مچل رہی تھیں، نئی نئی آرزوئیں —— جو کبھی انہیں خیمہ زن ہو سکی تھی
اب تک —— اس کے نہاں خانۂ قلب سے ابھر کر لاشعور کی دنیا سے نکل کر شعور
کی دنیا میں قدم رکھ رہی تھیں۔ اب تک اس نے کبھی نہ سوچا تھا وہ جالبے

اس سے آگے بھی بڑھ سکتی ہے، وہ اسی کو اپنی معراج سمجھتی تھی کہ آقا کے دامن سے لپٹی رہے اور اسی طرح زندگی کے دن گزار دے لیکن آج اسے معلوم ہوا، وہ احساس کنیزی کا شکار تھی، وہ جو کچھ بھی تھی کم تھا، جو کچھ ہونے والی تھی وہی اس کا اصل استحقاق تھا ـــــ اب تک وہ فائقہ تھی خوارزم شاہ کی کنیز دل میں سے ایک کنیز اب وہ خوارزم شاہ کی حرم سرا میں، بیوی کی حیثیت سے داخل ہوگی، اب تک خوارزم شاہ کے علاوہ بھی، وہ بہتوں کا ادب کرتی تھی، اب خوارزم شاہ کے علاوہ، سب اس کا ادب کریں گے، اب تک اس کی زندگی حسرت و یاس کا ویرانہ تھی، اب اس کی زندگی کی آرزوؤں اور تمناؤں کا آفتاب طلوع ہوگا، اور اس کی جگمگاہٹ سے دل روشن ہوگا، روح منور ہوگی، زندگی کا راستہ تابندہ تر ہو جائے گا!

وہ انہی خیالات میں کھوئی تھی کہ نہ جانے کہاں سے راضیہ ٹپک پڑی، راضیہ اس کی بڑی ہمدرد اور ہمدم و دمساز سہیلی تھی، وہ خود گھنٹوں اور پہروں اس کے پاس بیٹھا کرتی تھی، اور گھنٹوں اور پہروں اسے اپنے ہاں اصرار کر کے بٹھاتی تھی، جس دن نے فائقہ سے نا امید ہونے کے بعد راضیہ سے تجدید الفت کر لی تھی، فائقہ کو نہ پا سکنے کا اسے غم تھا ملال تھا، دکھ تھا، لیکن وہ اس کے کردار اور سیرت سے اتنا متاثر تھا کہ اس غم اور ملال کے باوجود اس کی عزت کو اپنے دل سے دکھ نہ سکا جو فائقہ نے اپنی آن اور خودداری سے [illegible] اب تن من دھن سے راضیہ کا ہو چکا تھا بلکہ اسے چاہتا تھا، [illegible] راضیہ کی دلجوئی کرتا تھا، دلجوئی کرتا تھا، خاطر داشت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتا تھا اس سے بہت زیادہ محبت اور ملاطفت کا برتاؤ کرتا تھا، لیکن فائقہ کی کھٹک اب تک اس کے دل سے گئی نہیں تھی، ایک اندیشہ اسے یہ بھی

تھا کہیں فائقہ راضیہ سے اس کے اظہار عشق کی داستان نہ کہہ بیٹھے، لیکن راضیہ کو کسی وقت یہ شبہ تک نہیں ہوتا تھا کہ وہ اس راز سے واقف ہے۔ اس واقعے سے اس کے دل میں فائقہ کی منزلت اور زیادہ بڑھ گئی تھی، دوسری بات یہ بھی کہ راضیہ سے شادی کے بعد سے فائقہ میں وہ رکاوٹ اور کھنچاوٹ باقی نہیں رہی تھی جو پیدا ہو گئی تھی، بلکہ اب وہ پہلے سے زیادہ اپنائیت اور محبت کے ساتھ اس سے ملتی تھی، اور اس طرح ملتی تھی جیسے ماضی کی کوئی بات بھی اسے یاد نہیں یا اگر یاد ہے تو اس کا کوئی تلخ پہلو اس کے سامنے نہیں، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اگرچہ وہ محسوس کر رہا تھا کہ خوارزم شاہ روز بروز فائقہ کی طرف زیادہ ملتفت ہوتا جا رہا ہے، اور وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ یہ التفات رنگ لائے بغیر نہیں رہے گا، پھر بھی فائقہ میں نہ رعونت پیدا ہوئی نہ تکبر بلکہ فروتنی اور انکسار کا مادہ پہلے سے زیادہ بڑھ گیا تھا، ان سب چیزوں نے مل جل کر اس کے دل میں فائقہ کی وقعت بے حد بڑھا دی تھی اسے اپنی محرومی کا اثر ضرور تھا لیکن فائقہ سے اس محرومی کی کوئی شکایت نہیں تھی!

تم سے بے جا ہے مجھے اپنی تباہی کا گلہ
اس میں کچھ شائبۂ خوبیٔ تقدیر بھی تھا

فائقہ شاید اس کی ندامت آمیز کمزوری کو محسوس کرتی تھی، اسی لئے وہ اس طرح پیش آتی تھی، جس سے کبھی اس کو کسی قسم کی بدگمانی یا غلط فہمی [illegible] پیدا ہی نہیں ہو سکتا تھا، راضیہ اور اس سے بڑی دیر تک فائقہ کے متعلق باتیں ہوتی رہتیں، دونوں جیسے ذکر چھڑ جاتا تو اس میں کھو جاتے، دونوں کی حالت یہ تھی کہ اس کی تعریف و توصیف کے بیان میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتا، جن پہلوؤں پر راضیہ کی نظر تھی

انہیں وہ مزے لے لے کر بیان کرتی، جس پر حسین الدین کی نگاہ تھی جنہیں وہ بیٹا
کرنے کیلئے دیکھتا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ عورت اپنے محبوب یا شوہر کی زبان سے
کسی دوسری عورت کی تعریف، خواہ وہ کتنی ہی اچھی ہو نہیں سن سکتی لیکن اس کیس میں اگر
استثناء تھا تو وہ فائقہ کی ذات تھی۔ حسین الدین کتنی ہی دیر تک فائقہ کی شان میں قصیدہ
پڑھتا رہے لیکن کیا مجال ہے کہ راضیہ کہیں سے بھی بدگمان ہو جائے بلکہ جو کمی حسین الدین
کے بیان سے رہ جاتی تھی، وہ خود راضیہ اپنی باتوں سے اپنے بیان سے پوری کر دیتی
تھی۔ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے راضیہ اور فائقہ دونوں ایک دوسرے کے حسینی جذبے
سے آشنا تھیں۔ اسی لئے دونوں میں جب ملاقات ہوتی تو بہت کھل کر ہوتی تھی۔۔۔
شب فراق کی طرح ان دونوں کی ملاقات طویل سے طویل تر ہوتی چلی جاتی تھی لیکن اس وقت
فائقہ کو راضیہ کا آنا کچھ اچھا نہ لگا وہ دل ہی دل میں زبان حال سے کہہ اٹھی!

آئے تو یاں خدا کرے پر نہ خدا کرے کہ یوں!

اس وقت اپنے خیالات میں گھری ہوئی تھی، اپنی الجھنوں میں گرفتار تھی جن سے وہ جانے
کون کون سے مسائل حل کر رہی تھی اس وقت اسے تخلیہ کی ضرورت تھی یکسوئی کی ضرورت تھی
حضور قلب کی ضرورت تھی اور ان سب چیزوں میں کھنڈت ڈالنے کیلئے راضیہ
آ گئی سوا ادھر ادھر کی باتوں کے اور کچھ نہیں کہے گی لیکن میرے خیال کی دنیا درہم برہم کر دے گی
کیونکہ اسے خلوت چاہئے اس وقت! ـــــ اتنے میں راضیہ بالکل پاس پہنچ گئی
اس نے دیکھا فائقہ لیٹی ہوئی ہے چہرے سے کچھ پریشانی ہو رہی ہے وہ آئی اور
ایکٹنگ کرتے ہوئے اس نے کہا

راضیہ:۔ اے میں قربان دشمنوں کا چہرہ دیکھو اترا ہوا ہے اس وقت؟

فائقہ:۔ (ذرا درد کھاتی ہے) سر میں درد ہے

راضیہ:۔ ہم تو درد دل کی پروا نہیں کرتے، اور تم درد سر سے بے حال ہوئی جاتی
ہو؟ ـــ حوصلے سے کام لو!

فائقہ:۔ تمہارے درد دل کا علاج لب تک ہے، ادھر سے درد سر کا علاج خدا ہی کو!
ـــ خیر حوصلے سے تم کام لو، اور چپ رہو!

راضیہ:۔ میں سمجھ گئی اس وقت عالم بالا کی سیر ہو رہی ہے، یعنی عالم خیال کی!

فائقہ:۔ ہاں ـــ پھر نہیں کیا؟

راضیہ:۔ کچھ نہیں ـــ آج ہم نے اپنے ہاتھ سے ایک بڑے مزے کی چیز پکائی ہے
چیز نہیں کھلائے بغیر تمہیں کھانا حرام ہے ـــ چلو۔

فائقہ:۔ میں نہیں جا سکتی، اس حالت میں بھلا کچھ کھاؤں گی؟ ایسا ہی ہے تو یہیں بھیج دو
جب بھوک لگے گی کھا لوں گی!

راضیہ:۔ جی نہیں یہ نہیں ہوگا آپ کو چلنا پڑے گا ہمارے ساتھ۔

فائقہ:۔ میں نہیں جاتی ـــ بڑے زور سے سر درد کر رہا ہے!

راضیہ:۔ اچھا میں دبا دیتی ہوں ابھی ٹھیک ہو جائے گا!

فائقہ:۔ بخشو ـــ مجھے اپنا سر تڑوانا نہیں ہے!

راضیہ:۔ (مسکرا کر اٹھاتے ہوئے) اٹھو نا ـــ۔۔۔ وہ بھی بڑی دیر سے انتظار کر رہے
ہیں۔ ہمارے حسین الدین صاحب بہادر۔

فائقہ:۔ (مسکرا کر) کیوں ری بدتمیز، شوہر کا مذاق اڑاتی ہے!

۔ وہ بھی تو مجھے چٹکیوں میں اڑاتے تھے ـــــ میں مذاق بھی

نادرہ اماں ــــ ابھی ایسی اعتراض کرنے والی!

راضیہ نے یہ بات کچھ ایسی سادگی اور معصومیت کے ساتھ کی کہ فائقہ کو ہنسی آ گئی اس نے کہا۔

فائقہ: بڑی شریر ہو ــــ خدا کی پناہ!

راضیہ: خدا کی پناہ ــــ کیوں؟ ہم شیطان ہیں؟

فائقہ: اور کیا جواب ــــ شیطان بھی تم سے پناہ مانگتا ہوگا۔

راضیہ: سمجھدار نہیں تو سمجھ دار بنتا ہوگا!

فائقہ کو پھر ہنسی آ گئی۔

فائقہ: سچ کہتی ہوں، سر کا درد اور بڑھ گیا، اس وقت جاؤ راضیہ!

راضیہ: کیسی گئی نہ ہوں، نہیں لے کر جاؤں گی۔ اٹھیے چلیے ابھی واپس چلی آنا!

فائقہ: کیسے چلوں، چکر بھی آ رہے ہیں۔

راضیہ: ان باتوں سے کام نہیں چلے گا، تمہیں چلنا پڑے گا، ورنہ ــــــــ

ــــــ "

فائقہ: دھمکیاں دو گی ــــ اچھا تم چلو میں آتی ہوں۔

راضیہ: جی مجھے انتظار کرنے میں کوئی تکلیف نہیں ہو رہی ہے، میں آرام سے بیٹھی ہوں، آپ جتنی دیر تک ستانا چاہتی ہوں ستا لیجیے! پھر میرے ساتھ چلیے!

فائقہ: کسی کی طبیعت تو سمجھا کرو، ہر وقت ضد، ہر وقت شرارت!

راضیہ: یہی شکایت تو ہمیں تم سے ہے، ہم کس محبت سے تمہیں لینے آتے ہیں اور تم ہو کہ خواہ مخواہ اترا رہی ہو ہمارے نازک سے دل پر ظلم کر رہی ہو، بھلا کوئی کرتا ہے دنیا میں۔

فائقہ: اللہ ری عورت ــــ واقعی تجھ سے جیتنا مشکل ہے!

راضیہ: تو پھر اٹھ کھڑی ہو، خدا کا نام لے کر ــــ جب ایک کام کرنا ہی ہے تو اسے خوش دلی سے کرنا چاہیے۔ پریشان ہو کر اور دوسروں کو پریشان کر کے اسے انجام دینے سے کیا فائدہ!

فائقہ: شکریہ اس بزرگانہ نصیحت کا ــــ چلیے تشریف لے چلیے!

بادل ناخواستہ فائقہ کو راضیہ کے ساتھ جانا پڑا۔ وہاں معین الدین انتظار کرتے کرتے پریشان ہو گیا تھا۔ فائقہ سے تو کچھ کہہ نہ سکا، راضیہ پر برس پڑا

معین الدین: ہر کام میں دیر لگا دیتی ہو ــــ میں سمجھا نہ جانے کیا ہوا، کوئی انتظار کر رہا ہو گا

راضیہ: دھوبی سے جیتے نہیں، گدھے کے کان .... اسی سے کچھ فائقہ خانم سے کبھی دل بیٹھ جیسے دم سے لگتا تھا، کبھی چکر آنے لگتے تھے، کبھی دل گھبرانے لگتا تھا، یہ سب بیماری ہے اتنی ذرا سی دیر میں چنگا کر کے لائی ہوں، بجائے شکریہ کے تو الٹا انہیں کرتے، لڑنے لگے۔

اتنا کہنا تھا کہ وہ خاموش ہو گیا۔

معین الدین نے فائقہ کی طرف دیکھا ــــ وہ مسکرا دی!

فائقہ کی جیت

دنیا کے ایک بہت بڑے حصہ پر پرچم فتح لہرانے کے باوجود چنگیز مغموم تھا!

چنگیز کا دل و دماغ کے تیروں سے چھلنی ہو چکا تھا۔ اور یہ تیر چلانے والا خوارزم شاہ تھا۔ ان تیروں کو کوئی سپر نہیں روک سکتی تھی۔ ان تیروں نے اس کا سینہ چھلنی کر رکھا تھا۔ وہ شہروں کو نیست و نابود کر دیتا تھا۔ خطہ پر خطہ فتح کرتا اور ملک کے ملک تاراجوں کی ڈھیر بنا دیا تھا۔ بستیوں کی بستیاں اجاڑ رہا تھا لیکن وہ ایک مرد ضعیف — ایک شکست خوردہ خوارزم شاہ — کو دبا نہ سکا۔ اس کی تمام قوت و طاقت خوارزم شاہ کو پکڑنے میں ناکام رہی اور اس ناکامی پر وہ اور زیادہ جوش و خروش کے ساتھ کسی نئے شہر کی طرف بڑھتا تھا اور سارا غصہ وہاں کے باشندوں پر اتارتا تھا۔ تاریخ میں جو چوٹ اس نے کھائی تھی، اسے سہلاتا ہوا وہ اپنے عظیم الشان لشکر کے ساتھ خراسان اور طالقان کی طرف بڑھا۔ اسے امید تھی کہ ان دونوں جگہوں پر وہ ایک عفریت بن کر برسے گا کہ ملک الموت کے ہاتھ لوگوں کی روحیں قبض کرتے کرتے تھک جائیں گے وہ ہیبت، دلوں کی تعمیر

جا بجا اپنے لشکر کے ساتھ مجنونانہ آگے بڑھ رہا تھا!

خوارزم شاہ بڑی حد تک تندرست ہو گیا تھا۔ زخموں کی پٹیاں کھل گئی تھیں لیکن جو کھال چڑھی تھی، وہ ابھی تک کمزور تھی۔ عام کمزوری بھی باقی تھی البتہ علالت کی نقاہت اب تک تمام تھی۔ خیال تھا کہ ہفتہ عشرہ میں وہ بالکل تندرست ہو جائے گا!

حسب معمول وہ بستر پر دراز تھا۔ فائقہ اس کے قدموں سے لگی بیٹھی تھی۔ اور وہ اسے محبت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ جلال الدین بھی ابھی تھوڑی دیر ہوئی کسی مہم سے آیا تھا۔ اور بستر کے پاس ہی بیٹھ گیا تھا۔ خوارزم شاہ تندرستی کے پروگرام بنا رہا تھا۔ کس طرح چنگیز کا مقابلہ کرے گا۔ کس طرح مسلمانوں کی شیرازہ بندی کرے گا۔ اس طرح اسلامی ممالک میں ایک جہتی پیدا کر کے ان میں تاتاری یلغار کا ترکی بترکی جواب دینے کا جذبہ پیدا کر دے گا۔

یہ باتیں کافی گہری اور انہماک کے ساتھ ہو رہی تھیں کہ خوارزم شاہ کے جاسوس حاضر ہوئے۔ انہیں حکم تھا کہ جب واپس آئیں تو فوراً شاہی خیمہ میں پہنچ جائیں۔ کسی اجازت کی ضرورت نہیں۔ جب وہ بارگاہ میں حاضر ہوئے خوارزم شاہ انہیں دیکھتے ہی بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے کہا۔

خوارزم شاہ۔ تم کہاں سے آ رہے ہو؟ — کوئی نئی خبر!

ایک جاسوس نے مؤدب ہو کر عرض کیا۔

جاسوس۔ غلام چنگیز کے لشکر سے آ رہا ہے!

خوارزم شاہ۔ چنگیز کے لشکر سے — خوب! — اب وہ کہاں ہے؟

کس طرف بڑھ رہا ہے، کیا ارادہ ہے اس کا؟

جاسوس: سلطان معظم! اب وہ خراسان اور خاقان کی طرف آ رہا ہے اور طوفان کی طرح بڑھ رہا ہے۔

خوارزم شاہ: وہ بڑھ رہا ہے خراسان کی طرف؟ ———— خاقان کی طرف؟

جاسوس: جہاں پناہ! اسی طرف!

خوارزم شاہ: وہ چاہتا ہے کہ ان علاقوں کو برباد کر دے۔ یہاں کے مسلمانوں کو کشتۂ تیغ ستم بنائے!

جاسوس: بے شک سلطان عالم پناہ! اس کا یہی مقصد ہے!

خوارزم شاہ: لیکن جب تک جلال الدین خوارزم شاہ زندہ ہے، اس کی یہ حسرت نہیں پوری ہو سکتی!

جاسوس: وہ دنیا میں کسی سے اتنا خائف نہیں جتنا میرے آقا سے!

خوارزم شاہ: معین الدین! کوچ کا سامان کرو!

عائشہ قدموں سے لپٹ گئی!

عائشہ: میرے آقا ———

خوارزم شاہ: دور ہو، دور ہٹ۔ معین الدین! کوچ کا سامان کرو۔

عائشہ: میرے آقا آپ ابھی کمزور ہیں .... بہت کمزور!

خوارزم شاہ: لیکن میرا دل مضبوط ہے۔ میرے عزم و ارادہ میں ذرا بھی کمزوری

—— دشمن مجھے پکار رہا ہے۔ میں نہیں ٹھہر سکتا۔ میں جاؤں گا ضرور جاؤں گا!

عائشہ: میرے آقا! میرے مالک! خدا آپ کو تندرست کر دے۔ ذرا طاقت آ جائے، یہ کمزوری رفع ہو جائے تب شوق سے جائیے۔ چنگیز کی موت آپ ہی کے ہاتھ سے لکھی ہے۔ آپ ہی اسے قتل کریں گے!

خوارزم شاہ: عائشہ خاموش!

عائشہ سہم کر خاموش ہو گئی!

خوارزم شاہ: معین الدین! تم نے ہمارا حکم نہیں سنا!

معین الدین: سن لیا آقائے عالی مرتبت۔ لیکن عائشہ کے معروضہ پر اگر غور فرمائیں ——— ———

خوارزم شاہ: نہیں، نہیں، نہیں!

معین الدین کے بدن پر لرزہ طاری ہو گیا۔ عائشہ خاموش نہ رہ سکی۔ اس نے وہ تلوار اٹھا کر جو خوارزم شاہ کے سامنے رکھی تھی اپنے آقا کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا:

عائشہ: میں آپ کو نہیں روک سکتی۔ میں اپنے آقا کو نہیں روک سکتی۔ میں جانتی ہوں خوارزم شاہ کا فیصلہ کوئی نہیں بدل سکتا۔ میں اس فیصلہ میں کسی قسم کی ترمیم نہیں چاہتی! ———

م شاہ: (حیرت سے) پھر تم کیا چاہتی ہو؟

: صرف یہ کہ اس تلوار سے میری گردن کاٹ دیجیے! پھر جائیے!

خو

خوارزم شاہ: میں انہیں قتل کر دوں!

نائلہ: میں جیتے جی آپ کو اس طرف جاتا نہیں دیکھ سکتی،

خوارزم شاہ: (ذلت سے) تم چاہتے ہو خوارزم شاہ بزدل کہلائے؟

نائلہ: نہیں میرے آقا ۔۔۔ خوارزم شاہ کو بزدل اس کا بڑے سے بڑا دشمن بھی نہیں کہہ سکتا۔

خوارزم شاہ: تم چاہتی ہو خوارزم شاہ اپنے فرض سے اپنی زندگی کے مقصد سے غافل ہو جائے؟

نائلہ: نہیں میرے آقا میں یہ بھی نہیں چاہتی۔ اس لئے کہ جانتی ہوں خوارزم شاہ اپنی زندگی کے مقصد سے کبھی اور کسی حالت میں غافل نہیں ہو سکتا!

خوارزم شاہ: (مسکرا کر) تم چاہتی ہو خوارزم شاہ تن آسان اور عافیت پسند ہو جائے جب جنگ کا موقع ہو، وہ آرام کرے!

نائلہ: میرے آقا میں یہ بھی نہیں چاہتی مجھے معلوم ہے دنیا کی کوئی طاقت کوئی شخصیت میرے آقا کو تن آسان اور عافیت پسند نہیں بنا سکتی!

خوارزم شاہ: (متبسم ہو کر) پھر آخر کیا چاہتی ہو تم!

نائلہ: صرف یہ کہ جب تک طبیعت اجازت نہ دے، اس وقت تک آرام کیجئے۔ تندرستی بحال کرنے کے بعد پھر میدان جہاد ہے اور آقائے نامدار کی شمشیر خدا داد!

خوارزم شاہ: کیوں معین الدین نائلہ کی باتیں سن رہے ہو؟

معین الدین: سن رہا ہوں آقائے ولی نعمت!

خوارزم شاہ: اور یہ کیوں نہیں کہتے کہ متفق بھی ہو اس کی رائے سے!

معین الدین: غلام کو نائلہ کی رائے سے کامل اتفاق ہے ۔۔۔۔۔۔ لیکن اگر حکم ہو ۔۔۔

خوارزم شاہ: کیا چاہتے ہو تم؟ ۔۔۔!

معین الدین: اگر حکم ہو تو غلام اس مہم پر چلا جائے؟

خوارزم شاہ: نہیں ۔۔۔

معین الدین خاموش ہو گیا ۔۔۔۔۔۔ کچھ دیر خوارزم شاہ نے خاموشی توڑ کر کہا۔

خوارزم شاہ: یہ نہ سمجھنا کہ مجھے تم پر اعتماد نہیں ہے یہ خیال بھی نہ کرنا میں تمہاری شجاعت اور شہامت کا معترف نہیں ہوں ۔۔۔ مجھے تم پر اتنا اعتماد ہے جتنا اپنے اوپر ہے مجھے تمہاری شجاعت اور شہامت پر اتنا ہی ناز ہے جتنا ہونا چاہئے لیکن مجھ میں اور تم میں ایک فرق ہے۔

معین الدین: بہت فرق ہے۔ زمین و آسمان کا فرق ہے، اس فرق کو غلام اچھی طرح جانتا ہے!

خوارزم شاہ: نہیں تم کسی اور طرف چلے گئے ہم دوسری بات کہہ رہے تھے!

معین الدین: ارشاد ۔۔۔ ارشاد ۔۔۔

خوارزم شاہ: وہ فرق یہ ہے کہ تم چنگیز کی جنگی تکنیک سے واقف نہیں ہو، ہم واقف ہیں۔ تم اس سے نپٹ نہیں سکتے، ہم جانتے ہیں اس پر کب اور کس طرح حملہ کرنا چاہئے ۔۔۔ لہٰذا کوئی مضائقہ نہیں ۔۔۔

چند روز انتظار کریں گے پھر ساتھ چلیں گے!

پھر خوارزم شاہ خالدہ کی طرف مخاطب ہوا۔

خوارزم شاہ: دیکھو خالدہ اب خوش ہوگئیں تم، اب تو تمہاری بات مان لی گئی!

خالدہ کی آنکھوں میں مسرت کے آنسو ڈبڈبانے لگے، اس نے کانپتی ہوئی آواز میں بڑے سرور کے ساتھ کہا۔

خالدہ: میں بہت خوش ہوں میرے آقا۔

خوارزم شاہ: لیکن تمہاری آنکھیں پر آب کیوں ہیں! ——— ہنسو، مسکراؤ، خوشی اور مسرت کا اظہار کرو!

وہ مسکرانے لگی۔

خوارزم شاہ نے کہا

تمہارے تبسم سے ہمارے دل کو قوت ملتی ہے!

محی الدین سر جھکائے یہ باتیں سن رہا تھا! حیران، پریشان!

غور کی طرف

اب تک خوارزم شاہ اور چنگیز کی کوئی لڑائی ختم کن نہیں ہوئی تھی بلکہ جب سے خوارزم شاہ نے تاج شہریاری سر پر رکھا تھا ایک لمحہ آرام و سکون کا نہ ملا۔ وہ تھا اور بادِ مخالف کا سامنا۔ ایک جگہ پہونچ کر دم بھی نہ لینے پاتا تھا کہ معلوم ہوتا تھا چنگیز کسی دوسری طرف آندھی بن کر نمودار ہوتا تھا، اور سخت آزمائش کے لئے کھڑی، دوسری جگہ کو مستقر بنا کر وہاں مقیم ہو جاتا تھا۔ سکون، راحت، فراغت، آسائش، رنگینی اور تماشا جسے کہتے ہیں، وہ چیز خوارزم شاہ کو حاصل نہ تھی لیکن ان سب پریشانیوں اور شکست خوردگیوں کے باوجود اس کے عزم و ہمت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ اس کے تیور وہی تھے۔ اس کی آن میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ نئے حالات میں بھی اگر اپنی علالت سے زیادہ کسی چیز کی فکر تھی تو وہ چنگیز کی نقل و حرکت تھی۔ چنگیز بھی اپنی نقل و حرکت سے اتنا باخبر نہیں تھا جتنا خوارزم شاہ۔ اس نظام جاسوسی نے اسے بہت بڑا فائدہ یہ پہونچایا تھا کہ وہ ایک بے سروسامان و گمان بجلی کی طرح چنگیز کے لشکر پر گرتا تھا۔ اور اس کا اُم پیشانگ جاتا تھا۔ چنگیز لاکھ دانت پیسے لیکن سوا کف افسوس ملنے کے کچھ نہ کر سکتا تھا۔

خوارزم شاہ اب بڑی حد تک چنگا ہو چکا تھا۔ کمزوری بھی بڑی حد تک جاتی رہی تھی۔ گھوڑے پر بیٹھ کر وہ چار میل کی سیر بھی کر لیتا تھا لیکن ابھی پورے طور پر توانائی نہیں آئی تھی۔ ایک روز وہ حسب معمول گھوڑے پر سوار ہو کر نکلا اور خلاف معمول دور تک چلا گیا۔ ایک جگہ پہونچ کر جب رکا تو اس نے گرد کا ایک طوفان اٹھتا ہوا دیکھا پہلے تو اسے یہ شبہ ہوا کہ یہ دشمن (چنگیز) کا لشکر ہے اور اسی طرف آ رہا ہے لیکن جب اس نے دیکھا کہ گرد کا طوفان کم ہوتا جا رہا ہے مگر کوئی سوار نہیں نظر آتا تو وہ آگے بڑھا اور اس نے اندازہ کر لیا کہ کوئی لشکر ادھر آ نہیں رہا ہے۔ بلکہ ادھر گیا ہے ——

—— کون ہو سکتا ہے یہ لشکر؟ .... دل میں یہ خیال پیدا ہوا یا پھر دل ہی نے جواب دیا اتنا بڑا لشکر اس طرف سے کسی دوست کا تو نہیں گزر سکتا۔ ہو نہ ہو چنگیز ہی کا ہوگا —— لیکن یہ کہاں گیا ہے؟ ——

کیوں گیا ہے؟ —— دل نے کہا کیوں گیا ہے؟ یہ سوال ہی بیکار ہے قتل و غارت کے سوا اور اس کا مشغلہ ہی کیا ہے؟ —— کہاں گیا ہے؟ —— ہاں یہ سوال ضرور غور طلب ہے!

خوارزم شاہ جہاں کھڑا تھا وہیں کھڑا رہا۔ بار بار اس کے ذہن میں یہی سوال گردش کرتا تھا تھوڑی دیر کے بعد اس نے دوسری طرف گردن گھمائی اور غور سے اسی طرف دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب گرد کا یہ دھواں کم ہوا تو اس نے دیکھا۔ تین چار سوار ایک ہی طرف تیزی سے چلے آ رہے ہیں۔ وہ تن تنہا پورے لشکر سے نہیں ڈرتا تھا۔ تین چار سواروں سے کیا ڈرتا۔ پہاڑ کی طرح اپنی جگہ جما کھڑا رہا کہ دیکھیں یہ کون لوگ ہیں؟ اور کیوں آ رہے ہیں؟ آن کی آن میں وہ لوگ سامنے پہنچ

گئے سامنے پہونچ کر سب گھوڑے سے اترے اور سر جھکا کر اس کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ جلال الدین خوارزم شاہ پہچان گیا —— یہ اس کے جاسوس تھے وہ مسکرایا اور اس نے شفقت بھرے لہجے میں کہا

خوارزم شاہ: تم لوگ ہو؟ —— کہاں سے واپس آ رہے ہو؟

ایک جاسوس: سلطان عالم ہم غلاموں کو اس کے سوا اور کام ہی کیا ہے کہ دشمن پر نگاہ رکھیں۔ اس کی نقل و حرکت کی نگرانی کریں۔ اور جہاں وہ جائے وہاں ہم بھی پہونچ جائیں!

خوارزم شاہ: ہاں اور ہمیں مسرت ہے کہ اپنا فرض تم بخوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیتے ہو —— اس وقت کہاں سے آ رہے ہو؟ کوئی نئی خبر؟

جاسوس: جہاں پناہ ہم چنگیز کا پتہ لگا رہے ہیں۔ بلکہ یوں کہئے اس کے لشکر میں ہو کر آ رہے ہیں اس وقت!

خوارزم شاہ: اچھا اچھا کہاں ہے وہ؟

جاسوس: ابھی ابھی اس کا لشکر اسی طرف سے گزرا ہے۔ سلطان عالم پناہ اگر کچھ دیر پہلے اس طرف آئے ہوتے تو ضرور اسے ملاحظہ فرماتے۔

خوارزم شاہ: ہاں ہم نے گرد کا بہت بڑا طوفان اٹھتے ہوئے آ کر دیکھا تھا۔ غالباً وہ چنگیز ہی کا لشکر تھا جو اس طرف سے گزرا تھا؟

جاسوس: سلطان والا مرتبت کا خیال درست ہوتا ہے —— یہ اسی کا لشکر تھا!

خوارزم شاہ۔ کہاں گیا ہے وہ؟

جاسوس: غزنی طرف .... اسے معلوم ہوا ہے کہ غزنی کے باشندے خوارزم شاہ سے انتہائی عقیدت رکھتے ہیں۔ اس کے معتقد اب تک متاثر نہیں ہوئے ہیں۔ اس نے فیصلہ کر لیا ہے کہ غزنی کی اینٹ سے اینٹ بجا کر آئے گا۔

خوارزم شاہ۔ وہ احمق ہے ــــ وہ ہر مرتبہ بڑے سے بڑا لشکر بھیجتا ہے اور ہر مرتبہ ہم سے پٹ کر واپس جاتا ہے!

جاسوس۔ سلطان والاشان کا ارشاد بالکل صحیح ہے لیکن ایک عرض ہم غلاموں کی بھی ہے!

خوارزم شاہ۔ (مسکراتے ہوئے) کیا؟ ــــ کیا کہنا چاہتے ہو تم؟

جاسوس۔ گو خدائے عزوجل ہمارے سلطان والاشان کا حافظ و نگہبان ہے۔ لیکن تقاضائے احتیاط یہ ہے کہ ــــ

خوارزم شاہ: (مسکرا کر) ہم اکیلے نکل کر آئے! اس وقت اگر چنگیز کے لشکر سے ہماری مڈبھیڑ ہو جاتی تو کیا ہوتا؟ ــــ یہی نا؟

جاسوس۔ جہاں پناہ سلطان عالم!

خوارزم شاہ۔ جو کچھ ہونے والا ہوتا ہے ہو کر رہتا ہے۔ ہم تنہا تھے پھر بھی بچ گئے۔ ہمارے ساتھ دس بیس محافظ ساتھ ہوتے تو وہ راستے میں پڑے لشکر کا کیا کر لیتے؟ ہم خدا پر بھروسہ رکھتے ہیں ــــ جب تک اس کی مرضی نہ ہوگی کوئی ہمارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا! ــــ ہمارے سامنے ہر وقت دنیا کے

سب سے بڑے دلیر اور شجاع انسان حضرت علیؓ کا قول رہتا ہے۔ وہ فرمایا کرتے تھے۔ موت میری زندگی کی محافظ ہے ــــ کتنا صحیح اور مبنی برحقیقت ہے یہ قول! ــــ جب تک زندگی مقدر ہو چکی ہے، موت بھی کچھ نہیں بگاڑ سکتی بلکہ اس کی حفاظت کرتی ہے ــــ

گفتگو جاری تھی کہ معین الدین چند سواروں کے ساتھ ہانپتا کانپتا حاضر ہوا اور اپنے آقا کو صحیح و سلامت دیکھ کر سجدہ شکر بجا لایا۔

معین الدین۔ خدا کا شکر ہے کہ ان آنکھوں سے اپنے آقا کو صحیح سالم دیکھ لیا۔

خوارزم شاہ۔ تم کیا سمجھ رہے تھے؟ ــــ اس قدر جلد پریشان کیوں ہو جاتے ہو تم لوگ یار؟

معین الدین: بڑی دیر سے آپ گئے ہوئے ہیں۔ ملکہ نے تو رو رو کر آنکھیں سجا لی ہیں۔ وہ کہہ رہی تھیں روز سیر کر کے پندرہ بیس منٹ میں واپس آجاتے تھے آج کئی گھنٹے ہو گئے اب تک نہیں تشریف لائے۔ کہیں خدانخواستہ کسی مصیبت سے دوچار نہ ہو گئے ہوں۔ انہوں نے تو ایک جنرل کی طرح سواروں کے دستے چاروں طرف روانہ کیے ہیں۔ میری خوش نصیبی تھی کہ ادھر آیا جہاں آپ موجود تھے!

خوارزم شاہ۔ وہ بے چاری کچھ بھی ہو تاہم ایک عورت ہے اور سب جانتے ہیں عورت کا دل بہت کمزور رہتا ہے۔ لیکن تم تو مرد ہو۔ تم بھی گھبرا گئے؟

معین الدین۔ میرے آقا! میں بھی انسان ہوں اور اپنے سینے میں دل رکھتا ہوں بچپن سے اپنے آقا کے ساتھ رہا ہوں کھیلا ہوں۔ ہر کام میں شریک ہوں،

ہوں جہاں تک ذات ہمایونی کا تعلق ہے، میرا دل بھی دکھا ہے۔ تو
ناخلف کا ہے ———

یہ کہتے کہتے، معین الدین کی آواز گلوگیر ہو گئی اور آنکھیں پرنم ہو گئیں، خوارزم
شاہ نے بڑھ کر اسے گلے سے لگا لیا اور محبت بھرے لہجے میں کہا

خوارزم شاہ: ہم جانتے ہیں تم ہم سے کتنی محبت کرتے ہو، تمہیں بھی یہ اندازہ ہو گا کہ
ہمیں تم سے کتنا انس ہے ہم نے اندازہ کر لیا۔ تمہاری پریشانی بجا تھی، محبت
کی شریعت میں بلند ہمتی اور بے حوصلگی کا ایک ہی مقام ہے ———
اور اب اگر ایک اور خبر ہم تمہیں سنا دیں، تب تو شاید تمہاری پریشانی
کی کوئی انتہا نہ رہے؟

معین الدین: وہ کون سی خبر ہے؟ غلام اسے معلوم کرنا چاہتا ہے۔

خوارزم شاہ نے پھر چنگیز کے لشکر کے ادھر سے گزرنے کی داستان سنا ڈالی
معین الدین سنتا رہا اور پھر کہنے لگا

معین الدین: تو پھر ہم لوگوں کی تشویش اور پریشانی بالکل بجا تھی!

خوارزم شاہ: ہاں، اور اس واقعہ سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ خدا اپنے بندوں کی حفاظت
کرتا ہے، ورنہ اگر چند منٹ پہلے ہم یہاں پہنچ گئے ہوتے تو ضرور چنگیز خانی لشکر سے مڈبھیڑ
ہوتی، اور اس کا انجام جو کچھ ہوتا وہ ظاہر ہے!

معین الدین: بجا ارشاد ہوا!

خوارزم شاہ (جاسوسوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے): ان لوگوں نے خبر دی ہے کہ
چنگیز غزنی کی طرف گیا ہے ———

معین الدین: (تشویش کے ساتھ) غزنی کی طرف؟ ——— آہ بدقسمت غزنی کے
بدقسمت باشندے! ———

خوارزم شاہ: (جھڑک کر) تم خدا پر اعتراض کرتے ہو؟ خاموش، خبردار ایسی بات اب
کبھی تمہارے منہ سے نہ نکلے غزنی کے باشندے خوش قسمت ہیں کہ انہیں
ابتلا اور آزمائش سے گزرنے کا موقع ہے۔ انہیں خدا کی راہ میں سرفروشی اور
جاں نثاری کی سعادت میسر آئی، اسلام کی حرمت پر کٹ مرنے کا انہیں قدرت
کی طرف سے موقع ملا! ——— تم انہیں بدقسمت کہو، ان پر رشک کرو اور
اگر ہمت رکھتے ہو تو ان کی امداد و اعانت کے لئے کمربستہ ہو جاؤ ———
ہم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اپنے جانبازوں کے ساتھ چنگیز کے تعاقب میں
صبح ہوتے ہی روانہ ہو جائیں!

معین الدین نے گردن جھکا لی، گویا وہ کہہ رہا تھا، غلام تیار ہے!

اس گفتگو کے بعد خوارزم شاہ نے اپنے لشکر کی طرف گھوڑے کی باگ موڑ دی
آگے آگے وہ تھا اور پیچھے پیچھے معین الدین اور دوسرے لوگ جب خوارزم شاہ کا خیمہ
نزدیک آیا تو وہ گھوڑے سے اتر پڑا، اندر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ مصلیٰ بچھا ہوا
ہے اور فاطمہ سجدے میں پڑی ہوئی اپنے رب سے گڑگڑا کر اپنے آقا کی صحت و سلامتی
کی دعائیں مانگ رہی تھی!

خوارزم شاہ نے بلند آواز سے کہا

فاطمہ، خدا نے تمہاری دعا سن لی .... ہم
آ گئے!

وہ جلدی سے اٹھی، اور اپنے آقا کے دامن سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر بچوں کی طرح رونے لگی .... خوارزم شاہ کا ہاتھ اس کے سر پر تھا، اور وہ خود بھی بہت زیادہ متاثر نظر آ رہا تھا!

شہرِ خموشاں!

چنگیز ہر مرتبہ قہرِ خدا کا نمونہ بن کر پوری تندخوئی اور سفاکی کے ساتھ آگے بڑھتا تھا، وہ مکانوں کی دیواریں گرو ڈالتا تھا، کھیتیوں کو جلا دیتا تھا، وہ مسجدوں، مدرسوں، مکتبوں اور خانقاہوں کو منہدم کر دیتا تھا، وہ انسانوں اور جانوروں کا خون پی لیتا تھا .... لیکن خوارزم شاہ کا بال بیکا کرنے پر قادر نہیں تھا، یہ خوارزم شاہ ہر مرتبہ ایک نیا چرکہ دے کر چنگیز کے دل پر گھونسہ مار کے اس طرح نکل جاتا تھا جیسے آٹے سے بال۔

چنگیز نے سب کچھ کر لیا لیکن خوارزم شاہ کو پچھاڑ نہ سکا! .... وہ خوارزم شاہ کے نام سے جل اٹھتا، تصور ہی تصور میں نہ جانے کتنی مرتبہ اسے قتل کر چکا تھا، اس کی جان لے چکا تھا، اس کی گردن پر اپنی تلوار چلا چکا تھا لیکن واہ پھر خوارزم شاہ اب تک زندہ تھا۔ نہ صرف زندہ تھا بلکہ اس کے سینے پر مونگ دل رہا تھا!

ممالکِ اسلامیہ کی شکست و ریخت کے سلسلہ میں چنگیز ہر مرتبہ ایک نئی تکنیک استعمال کرتا تھا، عموماً وہ اس طرح حملہ آور ہوا کہ اس نے نہ اصطلاحی جنگ کیا، نہ محاصرہ

کیا، نہ اطاعت کا مطالبہ کیا۔ رات کی تاریکی میں اس کی فوجیں پہنچیں۔ ایک منزل پیچھے ہی انہیں چنگیز نے سستانے اور آرام کرنے کا موقع دے رکھا تھا۔ جہاں تاتاریوں کا ٹڈی دل اس طرح پہنچا کہ بالکل تازہ دم تھا۔ لوگ اطمینان کی نیند سو رہے تھے۔ انہیں چنگیز کی فتوحات کی خبروں سے اندیشہ ضرور تھا۔ مقابلہ اور مزاحمت کی تھوڑی بہت تیاری بھی کر لی تھی لیکن اس کا وہم و گمان بھی نہیں تھا کہ یہ سیل بلا اس قدر جلد اور یوں رات کے سناٹے میں بھی پہنچ سکتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے اور چنگیز کے خونخوار وحشی، مکانوں کے دروازے توڑ رہے تھے۔ سوتے ہوؤں کو اٹھاتے تھے۔ مشعل کی روشنی میں ان کے غلام بنانے یا قتل کرنے کا فیصلہ صورت دیکھ کر کرتے تھے۔ وہ فوراً نافذ بھی ہو جاتا تھا۔ بلخ کی ساری آبادی تقریباً تاتاریوں نے قتل کر ڈالی، یا غلام بنا ڈالا۔ جو لڑنے والے فوج یا پولیس کے سپاہی تھے، وہ بھی اس یورش کی تاب نہ لا سکے۔ قتل ہوئے یا غلام بننے پر مجبور ہو گئے۔ رات بھر میں سارے شہر کا صفایا ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کسی نے جھاڑو پھیر دی ہے۔ نہ زخمیوں کی آہ و فغاں تھی، نہ لڑنے والوں کا زور و شور اور جوش و خروش تھا۔ شہر پر ایک مرگ آسا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کسی حادثہ ارضی یا سماوی نے، بے شہر کی رونق چھین لی۔ اس کی آرائش و زیبائش ختم کر دی۔ اس کے انسانوں، درندوں، پرندوں بلکہ ہر جاندار کو موت کے گھاٹ اتار دیا ـــــ یہ شہر نہیں تھا شہر خموشاں تھا ـــــ قبرستان!

البتہ چنگیز کے لشکر میں خوب چہل پہل موجود تھی۔ بازار کھلے ہوئے تھے۔ آمد و رفت کا سلسلہ جاری تھا۔ لوگ ایک دوسرے سے باتوں میں مشغول اور مذاق میں مصروف تھے۔

بے انتہا خوش۔ شہر کا سارا زر و مال ان کے تصرف میں تھا۔ سونے کا انبار لگا ہوا تھا۔ چاندی کے پہاڑ سامنے کھڑے تھے۔ ہیرے جواہرات کا ڈھیر تھا جو اپنی اونچائی میں اپنی مثال آپ تھا۔ بہترین قسم کی قالینیں، فرش فروش، شیشہ آلات، پارچہ جات اور ملبوسات کی ایک منڈی قائم ہو گئی تھی۔ اور یہ سب تاتاریوں کے لیے تھا۔ انہوں نے یہ سارا سامان مال اپنے لیے لوٹا تھا۔ اور اب وہی تن تنہا اس کے مالک اور مختار تھے! اور ـــ لشکر کے آخری کونے میں بالکل آخری گوشہ میں ایک جماعت تھی جو خوبصورت مردوں اور خوبصورت عورتوں پر مشتمل تھی۔ ان کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ ان کی … یہ غلام تھے، یہ کنیزیں تھیں۔ کل تک یہی لوگ بلخ کے باشندے تھے۔ آج اپنے بزرگوں اور بچوں کا ماتم کرنے، ان کی بے بسی کی موت پر آنسو بہانے اور ساری زندگی غلامی میں بسر کرنے پر مجبور تھے جن کے دستر خوان پر طرح طرح کے کھانے ہوتے تھے۔ اور آج ـــــ ان کے سامنے چند سوکھی روٹیاں تھیں اور یہ انہیں بھی بھوکی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ جب تک یہ آزاد تھے اس وقت تک ان کو یہ معلوم تھا کہ شاندار مکانات میں رہتے تھے۔ شاندار اور پر تکلف … اچھے سے اچھے کپڑے پہنتے تھے۔ سردی اور گرمی سے بچنے کے انتظامات اور اہتمامات تھے۔ شاندار اور پر تکلف مسہریاں تھیں، ان پر شاندار اور پر تکلف بستر تھے۔ بستروں پر دبیز … اور آرام دہ تکیے تھے۔ پھر یہ عیش فراواں کے باعث کچھ گرمی محسوس کرتے تھے۔ اور آج؟ آج یہ کھردری زمین پر تپتی ہوئی دھوپ میں ایک دوسرے سے ملے ہوئے اور بھنچے ہوئے بیٹھے تھے اس طرح جیسے بھیڑوں کا گلہ۔ یہ مجبور تھے کہ دھوپ کی تمازت سہیں، یہ مجبور تھے کہ زمین کو فرش زمرد قرار دیں، یہ مجبور تھے کہ …

نکے جائیں اور اسی کو سر کے نیچے رکھ لیں، یہ مجبور تھے کہ موسم کی سختیاں سہیں، اور اف نہ کریں، اور اگر اف کرنے کی جرأت بھی کریں تو انکی ہمت بھی پیدا کریں کہ دھڑا دھڑ اور بے سکان کوڑے کھائیں! —— غلام کو نہ فریاد کی اجازت ہوتی ہے، نہ سہولت کی، اس کا کام صرف یہ ہے کہ اطاعت کرے اور یہ لوگ اطاعت کیلئے ہی پیدا کیے گئے تھے، جو کام بھی ان سے کہا جائے یہ مجبور تھے کہ بے چوں وچرا اس کی تعمیل کریں۔

اور چنگیز کے لشکری سب جشن منا رہے تھے، قہقہے لگا رہے تھے، سرمستیوں کے مظاہرے کر رہے تھے، انہوں نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی تھی، انہوں نے ایک بہت بڑے شہر کو تباہ کر دیا تھا، اس کی تہذیب و تمدن کے ثقافت و حضارت اور مال و دولت کو ختم کر دیا تھا، شہر کا ڈھیر بنا دیا تھا، جہاں اب ان گنت لاشوں کے سوا کچھ نہیں تھا، نہ مکانات، نہ عمارتیں، نہ چہل پہل، نہ زندگی، نہ رونق!

اور خود چنگیز کا کیا حال تھا؟ وہ بہت خوش تھا! .... بات بات پر مسکرا رہا تھا، عنایات اور نوازشات کی بارش کر رہا تھا، سرداروں اور سپہ سالاروں کو نہیں معمولی معمولی سپاہیوں کو بڑے بڑے انعامات دے رہا تھا، رقص و نغمہ سے اسے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی، لیکن اہل لشکر کی خوشنودی کے لئے آج وہ رقص و نغمہ کی محفل میں بھی شریک تھا، رقاصاؤں اور مغنیوں پر بھی سونے چاندی کی بارش کر رہا تھا!

اس کی خوشنودی حد بیان سے باہر تھی، اس کی مسرت کا آج کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا، یہ ساری کامیابی اسے بغیر مزاحمت کے حاصل ہوئی تھی، اس کے سپاہی و کمک کو تو کیا ذکر چشم زخم تک سے محفوظ رہے تھے، یہ عظیم فتح تھی، اگرچہ وہ خدا

کو تو مانتا نہیں تھا لیکن اگر وہ خدا کا قائل ہوتا تو آج ضرور اس کے سامنے سر نیاز خم کر دیتا، اس فتح و کامرانی کو وہ اپنی عظیم شخصیت کی کارفرمائی سمجھ رہا تھا اور اس پر نازاں تھا!

آدھی رات رقص و نغمہ کے طوفان میں گزر گئی

چنگیز نے جمائی لیتے ہوئے قتلغ خان سے التفات کے لہجہ میں کہا

— اب سپاہی کافی خوش ہو چکے، مسرور ہو لئے، انہوں نے غور کی اینٹ سے اینٹ بجا دی، دن کا بڑا حصہ بھی اسی کام میں صرف ہوا، اب بڑی دیر سے نغمہ و رقص سے لطف اندوز ہو رہے ہیں لیکن اب بس، انہیں آرام کرنا چاہئے، سونا چاہئے، ہم یہاں زیادہ نہیں ٹھہریں گے، ابھی ہمارا کام ختم نہیں ہوا ہے، ہم آگے بڑھیں گے، نہ جانے کس طرف، نہ جانے کہاں! ——

یہ کہتے کہتے چنگیز اٹھ کھڑا ہوا، سامنے اس کا زرنگار اور زرتار خیمہ تھا، وہ وہاں پہنچا اور اس کے اٹھتے ہی یہ جشن طرب بھی برخاست ہو گیا، رقص و نغمہ کی محفل بھی برخاست ہو گئی، لوگ اپنے اپنے خیموں میں چلے گئے کہ آرام کریں اور تھکن دور کریں، تھوڑی ہی دیر میں چہل پہل اور رونق ختم ہو گئی جو جاگ رہے تھے وہ سو گئے، جہاں ہاؤ ہو کے شور سے کان پڑی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی وہاں اب اگر کوئی آواز تھی تو نفیر خواب کی —— ہاں طلایہ گرد سپاہیوں کا دستہ بھی تھا جو اس لئے جاگ رہا تھا کہ لشکر کے گرد گشت کرتا رہے، اور حسب دستور لشکر میں کسی ناپسندیدہ عنصر کو داخل نہ ہونے دے!

رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی کہ یک بیک چنگیز کا لشکر ایک خوفناک

طوفان سے دوچار ہوا ...... یہ طوفان تھا جلال الدین خوارزم شاہ
وہ اپنے مٹھی بھر دلاوروں کے ساتھ چنگیز کے لشکر میں رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر داخل ہوا اور اس سرے سے اس سرے تک موت اور ہلاکت کی بارش کرتا ہوا طوفان باد و باراں کی طرح آیا۔ اور طوفان باد و باراں کی طرح چلا گیا۔ جب تک چنگیز ہوشیار ہو، لشکر کی صورت حال کو سمجھیں، لشکر میں افراتفری ہو، مشعلیں جلیں اور لوگ دشمن کو پہچانیں، وہ ہوا نے کتنوں کو موت کے گھاٹ اتار کر نظروں سے اوجھل ہو گیا —— کھلی ہوا کو بھی کوئی پکڑ سکتا ہے۔ گرفتار کر سکتا ہے۔ پھر خوارزم شاہ کس طرح گرفتار ہو جاتا!

چنگیز آنکھیں ملتا ہوا اٹھا اور جب تک وہ سنبھلے سنبھلے، خوارزم شاہ اپنا کام کر کے جا چکا تھا۔ لشکر کا ایک سردار چنگیز سے کچھ عرض کرنے حاضر ہوا، لیکن وہ اتنا برہم تھا کہ اس کی بات سنے بغیر تلوار کا ایک وار کر کے صاف اس کی گردن اڑا دی ...... گویا یہ خوارزم شاہ تھا ...... حالانکہ سامنے جو لاش تڑپ رہی تھی وہ ناکامی، حسرت و ندامت کی تھی! ...... ناکامی کا غصہ اسی طرح کے کرتب دکھاتا ہے۔

غزنی

غزنی کوئی معمولی شہر نہیں تھا۔ یہ عروس البلاد تھا ......

ہاں پہلے یہ ایک معمولی سی بستی تھی لیکن محمود غزنوی نے جب یہاں تخت پر قدم رنجہ فرمایا تو غزنی کی قسمت بدل گئی۔ یہاں کے بام و در میں انقلاب آ گیا، یہاں کی فضا اور ماحول میں تبدیلی ہو گئی، دیکھتے ہی دیکھتے یہ معمولی سی بستی جو کسی گنتی میں نہیں تھی اپنی رفعت اور جلالت میں رشک ثریا بن گئی ...... یہ وہ غزنی تھا جسے سلطان محمود غزنوی نے حیات نو بخشی تھی۔ اسے سنوارا تھا۔ اس کے در و دیوار کو، صحن چمن کو، باغ و خیاباں کو رشک فردوس بنا دیا تھا، یہاں سنگی عمارتیں تھیں جن کا شمار خوبصورت نگاروں میں ہوتا تھا۔ ان کی ساخت، ان کا طرز تعمیر ہر چیز میں ایک رعنائی تھی۔ ایک غزنی کی مسجد جامع تو اپنی نظیر نہیں رکھتی تھی۔ اس کی وسعت، اس کا انداز تعمیر، اس کی محرابیں اس کے گنبد، اس کے دالان، ہر چیز میں ایک خصوصی قسم کی انفرادیت تھی۔ اس کا فرش فرش جناں کا ہمسر تھا۔ یہاں کے جھاڑ، فانوس، دیوار و در کی منبت کاریاں، چھت اور ستونوں کی جواہر ریزیاں اور آئینہ بندیاں اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں۔ ان سب چیزوں کو

دیکھ کر آدمی پر رعب اور دہشت طاری ہو جاتی تھی!

پھر محمود رہتا بھی تو یہاں تھا! ...... اس کے رہنے کے محلات، قصور و ایوان .... ان سب کی تعمیر و تاسیس میں انسانی ہنرمندی کے تمام جوہر صرف ہو گئے تھے ان معماروں کیلئے ان محلات کے لئے ضرورت کی بہت سی چیزیں راجگان ہند نے عنایت کی تھیں، وہ محمود کو خوش رکھنا چاہتے، اگرچہ اس کے حملات سے بیگانہ نہ تھے، ان محلوں میں آ کر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ہم گلگشت فردوس میں مصروف ہیں! یہیں سلطان ذی شان کا دربار لگتا تھا: جہاں بڑے بڑے سفراء لرزتے اور کانپتے حاضر ہوتے تھے، اسی دربار میں فردوسی طوسی اور دوسرے جلیل القدر شاعر سلطان کی مدح میں قصیدے پڑھتے تھے یہاں کی ایک ایک اینٹ پر عظمت و جلال کی مہر تھی! مورخوں نے ان درباروں کی تصویر اپنے موقلم سے کھینچی ہے، جو یہاں منعقد ہوا کرتے تھے، جن میں وقت کے بڑے بڑے علماء شعراء ادبا و حکما موجود رہا کرتے تھے، یہیں دوسرے ممالک کی قسمت کے فیصلے ہوتے تھے یہاں دوسری قوموں اور ملتوں کے مستقبل کا فیصلہ ہوتا تھا، یہاں کے فیصلے خدائی فیصلے بن جاتے تھے، جو صرف اس لئے ہوتا تھا کہ نافذ ہوں، عملی جامہ پہنیں!

پھر اس شہر میں بڑے بڑے مدرسے تھے، جن میں دور دور سے طالبانِ علم کھنچ کھنچ کر آتے تھے، اور علمائے عصر اپنی تحقیق کے اور علم کے جواہر دکھاتے تھے۔

یہاں بڑی بڑی خانقاہیں بھی تھیں، جہاں صوفیا اور مشائخ خدا کو یاد کرتے تھے، وعظ و تلقین کے دفتر کھولتے تھے، عبادت اور ریاضت کرتے تھے، ان کی کشش دور دراز ممالک سے طالبانِ حق و معرفت کو لاتی تھی، وہ آتے تھے اپنی روحانی ماندگیوں کا علاج کر کے واپس جاتے تھے!

یہاں ان کے امرا کی حویلیاں تھیں، جو محمود کے رفیق رزم و بزم تھے، یہ حویلیاں بجائے خود محلے تھے، ان کا استحکام، ان کی وسعت، ان کا ساز و سامان، ان کی زیبائش و آرائش ان کا جاہ و جلال، وقت کے ملوک و سلاطین کے ایوان و قصور سے بڑھ کر تھا!

اور ہاں ـــــ یہ کوئی غریب شہر بھی نہ تھا!

یہاں انتخاب عالم کی دولت موجود تھی۔ محمود نے اپنے فتوحات سے جو کچھ حاصل کیا تھا، وہ سب یہاں موجود تھے ...... یہاں بعید ترین مقامات سے تاجروں کے قافلے آتے تھے، اور یہاں سے اپنی جھولیاں بھر کر واپس جاتے تھے!

یہاں کیا نہیں تھا؟

یہ محمود کا غزنی تھا، جس کی جلالت و شان کا ڈنکا صرف غزنی میں نہیں، صرف خراسان میں نہیں، صرف بھارت میں نہیں بغداد تک میں بجتا تھا، خلیفۃ المسلمین جسے خطاب ”سلطان“ مرحمت فرماتے تھے، جس کے فتوحات اور کارناموں پر بغداد میں جو اعلان کیا جاتا تھا، یہ غزنی تھا ..... دیار محمود! دیار مشہور، دیار پر نور!

راستے دشوار گزار تھے، خطرناک تھے، ڈاکوؤں سے لبریز تھے، مصائب سے بھر پور تھے، لیکن من چلے لوگ ان سب کا مقابلہ کرتے ہوئے صرف اس لئے غزنی آتے تھے کہ اس کی جھلک دیکھ لیں، محلات و قصور کا دور سے نظارہ کر لیں، وہاں کی مسجد جامع میں دو رکعت نماز پڑھ لیں اور پھر واپس جا کر معاصرین میں اپنی خوش قسمتی پر ناز کریں کہ ہم غزنی گئے تھے ـــ ہم نے غزنی کو دیکھ لیا ... محمود کی غزنی کی جی بھر کے زیارت کر لی۔

محمود اس جہان سے رخصت ہو چکا تھا، مگر آل سبکتگین کا تختہ الٹ چکا تھا۔

لیکن غزنی باقی تھا، اپنی پوری آب و تاب اور شان و شکوہ کے ساتھ ...... انسان کی عمر بہت کم ہوتی ہے، لیکن مٹی اینٹ اور پتھروں کی بنی ہوئی عمارتیں قائم رہتی ہیں ان پر موت اگر طاری بھی ہوتی ہے تو بہت دیر میں، صدیوں کے بعد، قرنوں کے بعد!

اور اب یہ غزنی تاتاریوں کی زد میں تھا۔

تاتاری بار بار منڈلا کر آتے تھے کہ اس خوبصورت شہر کو بھی مٹی کا ڈھیر کر دیں، لیکن دوسرے بہت سے معرکوں میں اپنے ارادے کو ملتوی کر دیتے تھے اور ایک دن جبکہ صبح مؤذن الصلوٰۃ خیر من النوم کا اعلان کر رہا تھا اور حی علی الفلاح حی علی الفلاح کی دعوت دے رہا تھا، نیند کے مارے بستروں پر کروٹیں بدل رہے تھے اور خدا سے ڈرنے والے اسے یاد کرنے والے اس کے حضور میں سر عبودیت خم کرنے والے نیند کی لذت سے منہ موڑ کر بستر کے آرام سے قطع تعلق کر کے خدائے واحد کے سامنے سربسجود ہونے کے لئے اٹھ رہے تھے ایک بہت بڑا زلزلہ آیا!

نہیں یہ زلزلہ نہیں اس سے بھی زیادہ بھیانک ہلاکت خیز، مرگ آفریں اور ہوش ربا چیز تھی۔

یہ وہ چیز تھی جس نے آن کی آن میں اس زندہ و تابندہ اور پر رونق شہر کو گورِ غریباں بنا دیا، یہاں کی زندگی موت کے سناٹے سے بدل گئی، بچے بوڑھے جوان مرد عورت سب ہی فنا کے گھاٹ اتر گئے،

یہ چنگیزی لشکر تھا

یہ تاتاریوں کا خونی سیلاب تھا جو ہر اصول اور قاعدہ سے بے نیاز تھا! لوگوں نے فریادیں کیں، اطاعت کے وعدے کئے، گڑگڑائے، روئے، مال و زر کا ڈھیر

لگا دیا، لیکن چنگیز کو تسلی نہ ہوئی تاتاری مطمئن نہ ہوئے، انھوں نے ہر چیز لوٹ لی، ہر شخص کو موت کے گھاٹ اتار دیا، ہر عمارت کو ڈھا دیا، مسمار کر دیا، سفاکی اور شقاوت کا یہ کارنامہ وہ جشن منا کر، قہقہے لگا لگا کر، مسکرا مسکرا کر انجام دے رہے تھے، اسی طرح اس وقت غزنی کی گلیوں، سڑکوں اور کوچوں میں انسانوں کا شکار کیا جا رہا تھا وہ ہلاک ہو رہے تھے اور موت انہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر موت کے گھاٹ اتار رہی تھی چنگیز اپنے سفید براق گھوڑے پر سوار ہو کر سارے شہر کا گشت لگا رہا تھا، دیکھ رہا تھا کہ کام اس کی مرضی کے مطابق ہو رہا ہے یا نہیں؟

اس کام کو انجام پاتے پاتے رات ہو گئی، تاتاری سورما بھی اپنے فرائض انجام دیتے دیتے تھک گئے!

چنگیز نے اپنے بیٹے چغتائی سے جو اس معرکہ میں اس کا ہم رکاب تھا، کہا۔

چنگیز خاں: غزنی کی اینٹ سے اینٹ بج گئی؟ ...... محمود شاہ کی آخری پناہ گاہ اور امید گاہ برباد ہو گئی؟

چغتائی: بے شک سلطان عالم بے شک!

چنگیز خاں: یہاں کے لوگ موت کے گھاٹ اتر گئے؟

چغتائی: اتر گئے والد محترم ...... صرف وہ لوگ بچ رہے ہیں جنہیں ہم نے زندہ رکھنا چاہا۔

چنگیز خاں: انہیں کیا (غلامی کے لئے)؟

چغتائی: جی ...... یہ اب ہمارے غلام ہیں اور ان کی عورتیں ہماری کنیزیں!

چنگیز خاں: ہم نے ابھی سارے شہر کا گشت لگایا ہے، میں محسوس کرتا ہوں ابھی کافی
لوگ اِدھر اُدھر چھپے ہوئے ہیں! .... کیا یہ اسی طرح چھپے رہیں گے؟
کیا یہ موت سے بچ جائیں گے؟

چغتائی: ہمارے سپاہیوں نے کسی ایسے آدمی کو زندہ نہیں چھوڑا جو نظر آگیا
ممکن کچھ لوگ جانیں بچانے کیلئے اِدھر اُدھر دبک گئے ہوں۔

چنگیز خاں: ہمارا یہی مطلب ہے ــــ لیکن انہیں نکلنا چاہیئے "تاکہ قتل ہوں"
تو میرا بیٹا ہے، میں چاہتا ہوں، تو میرا انداز شہریاری سیکھ لے!

چغتائی سر جھکائے کھڑا رہا!

چنگیز خاں: ہمارے لشکر اپنے خیموں میں واپس جا چکے ہیں؟

چغتائی: جی .... صرف تھوڑے سے رہ گئے ہیں۔ وہ بھی اب
جا رہے ہیں!

چنگیز خاں: یہ لوگ بھی جب خیمہ میں پہنچ جائیں، تو گرفتار شدہ مسلمانوں میں سے چند
مسلمانوں کو پکڑ کر اندرونِ شہر لاؤ! ان کے ساتھ ساتھ کافی سپاہی بھی ہونے
چاہئیں، رات کی تاریکی شروع ہو چکی ہے، ان سپاہیوں کو حکم دو کہ مسجدوں
کے اندر چھپ جائیں اور مسلمانوں کو حکم دو کہ اپنی ٹوٹی ہوئی مسجدوں کے دروازے
پر کھڑے ہو کر اذانیں دیں...... اس طرح بہت سے لوگ جو اِدھر اُدھر چھپے
ہوئے ہیں برآمد ہو جائیں گے، اور پھر مسجدوں کے اندر سے ہمارے سپاہی
نکل کر ان کی زندگی کا خاتمہ کر دیں گے ــــ کیوں بیٹے کیسی ہے یہ
تدبیر؟ ــــ کارگر ہے کہ نہیں؟

چغتائی: (خوش ہو کر) بہت کارگر ترکیب ہے، میں ابھی اس پر عمل کرتا ہوں۔
واقعی بہت سے لوگ تاتاریوں کی زد سے بچ کر اِدھر اُدھر روپوش ہو گئے
تھے اور منتظر تھے کہ یہ طوفان تھمے تو پھر اپنے مٹے ہوئے کھنڈروں میں واپس آکر جسم و جان کا
رشتہ پھر سے قائم کریں۔ چنگیز کے حسب الحکم بہت سے تاتاری سپاہی تلواریں سونت
سونت کر مسجدوں میں چھپ رہے، گرفتار شدہ مسلمانوں نے مسجدوں کے سامنے
کھڑے ہو کر اذانیں دیں، یہ سمجھے کہ تاتاری طوفان ٹل گیا، اپنی اپنی پناہ گاہوں سے
نکل آئے اور آتے ہی نذرِ اجل ہوئے![1]

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

---

[1] ملخصاً ہولیب کی کتاب "چنگیز"

انتقام کا فیصلہ

جلال الدین خوارزم شاہ اپنے خیمۂ زرنگار و اطلس پوش میں بیٹھا تھا۔ اس وقت وہ بہت خوش تھا۔ نائلہ اس کے پہلو میں بیٹھی تھی۔ جلال الدین نے وعدہ پورا کیا تھا اور اسے حرم میں داخل کر لیا تھا۔ اسے زندگی کی سب سے بڑی خوشی مل گئی تھی۔ وہ دولت اس نے پائی تھی جس کا وہ تصور کرنا بھی ناممکن سمجھتی تھی۔ خوارزم شاہ کا برتاؤ پہلے بھی شفقت کا تھا جب سے وہ داخلِ حرم ہوئی تھی خوارزم شاہ کی نوازش اور عنایت میں بدرجہا اضافہ ہو گیا تھا وہ نائلہ کی دلداری کرتا تھا۔ اس کی بات مانتا تھا۔ اس مسافرت کے عالم میں بھی اس کی راحت و آسائش کا پورا پورا خیال رکھتا تھا۔ یوں بھی نائلہ خوارزم شاہی لشکر میں عزت اور منزلت کی نظر سے دیکھی جاتی تھی لیکن جب سے وہ داخلِ حرم ہوئی تھی اس کی عظمت اور وقعت میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا تھا۔ اب وہ ایک کنیز نہیں تھی۔ حرم شاہی کی ایک معزز خاتون تھی۔ اس کے منہ سے نکلا ہوا ہر بول فرمان سمجھا جاتا تھا۔ خوارزم شاہ کی کئی بیویاں تھیں۔ اور یہ اس زمانے کا عام دستور تھا۔ لوگ سلاطین کے سوا امرا اور جاگیردار بھی کئی کئی شادیاں کرتے تھے۔ یہ اس زمانے کا چلتا پھرتا فیشن بن گیا تھا جس

کے خلاف کہیں اور کسی طرف سے صدائے احتجاج بلند نہیں ہوتی تھی۔ یہ بیویاں اپنے محلوں اور سپاہیوں کے ساتھ مختلف شہروں میں رہتی تھیں۔ بعض مستثنیٰ حالات بے اطمینانی اور طوائف الملوکی کے اس دور میں مناسب تھا کہ سب الگ الگ رہیں تاکہ کوئی وقت آئے تو جہاں کچھ پھنس جائیں، وہاں کچھ بچ بھی جائیں۔ خوارزم شاہ نے نائلہ کو بھی کسی محفوظ مقام پر منتقل کرنے کی کوشش کی لیکن وہ راضی نہ ہوئی۔ وہ خوارزم شاہ کی دل سے داسی تھی۔ لیکن جدا ہونے سے کسی طرح اور کسی قیمت پر رضامند نہیں ہوتی تھی۔ اسے وہ ایک لمحہ کیلئے بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی کہ خوارزم شاہ سے الگ ہو کر زندگی بسر کرے۔ وہ کہتی تھی مجھے خطرات اور آفت کی زندگی ہزار گنا اس اطمینان و عافیت کی زندگی سے پسند ہے جو مجھے آپ سے جدا کر دے۔ دور کر دے۔ خوارزم شاہ اصرار کرتا تھا لیکن نائلہ کی ضد کے سامنے بے بس ہو جاتا تھا۔ آج بھی کچھ اسی طرح کی باتیں ہو رہی تھیں۔ خوارزم شاہ نے کہا

خوارزم شاہ: نائلہ اب تمہیں کسی محفوظ مقام پر جانا ہی پڑے گا!

نائلہ کی جان نکل گئی۔ رنگ اس کا سرخ و سفید چہرہ زرد پڑ گیا

نائلہ: کیوں ——؟

خوارزم شاہ: تم سن چکی ہو غزنی پر چنگیز خان نے کیسی آفت ڈھائی۔ کیا کیا ستم توڑے ہیں۔ انتقام لوں گا۔ میں چنگیز کا تعاقب کروں گا۔ میں اسے سزا دوں گا۔ اس حالت میں تمہارا میرے ہمرکاب چلنا یا میرے ساتھ رہنا خطرہ سے خالی نہیں!

نائلہ: لیکن آپ جانتے ہیں یہ خطرہ مجھے زندگی سے زیادہ عزیز ہے!"

خوارزم شاہ: میں واقف ہوں، مانتا ہوں لیکن تمہیں اپنی خوشی پر ایک معصوم اور مقدس جان کی بھینٹ نہیں چڑھانا چاہئے۔ مسکرا کر، تم اب ماں بننے والی ہو۔ ایک

ماں کی حیثیت سے غور کرو، اس عالم کسمپرسی میں اگر ذرا سی بھی بے احتیاطی
ہو گئی تو کیا ہوگا؟ ...

فائقہ: ہاں یہ خیال تو کبھی کبھی میرے دل میں بھی آتا ہے!

خوارزم شاہ: تو پھر اب ایک محفوظ مقام میری نظر میں ہے، وہاں چلی جاؤ،
کم از کم اس وقت کے لئے جب تک میں غزنی کا انتظام کر کے واپس
نہیں آ جاتا... وعدہ کرتا ہوں اس کے بعد پھر حسب سابق تم وہیں ہو گی جہاں
میں ہوں گا۔

فائقہ: خوش ہو کر! آپ وعدہ کرتے ہیں؟

خوارزم شاہ: ہاں وعدہ کرتا ہوں اور تمہیں میرے وعدے پر اعتماد کرنا چاہیے!

فائقہ: تو یہ مجھے منظور ہے۔ جہاں چاہیے بھیج دیجئے۔ گزارش صرف اتنی ہے کہ
غزنی کی مہم سے واپس آ کر آنے کے بعد کنیز کو ——

خوارزم شاہ: ہاں ہاں مطمئن رہو۔ غزنی سے مراجعت کے بعد تو تمہیں بلا لوں گا۔ اس وقت
تک امید ہے کہ تم ایک بچے کی ماں بن چکی ہو گی۔ اور پھر شاید تمہیں مجھ سے وہ
تعلق خاطر رہے گا جو اب ہے!

فائقہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے!

فائقہ: یہ رائے کس طرح قائم کر لی آپ نے؟

خوارزم شاہ (متبسم ہو کر اور جام توڑتے ہوئے): بات بات میں رونا بہادروں کا شیوہ نہیں
ہوتا، یہ عورتوں کی عادت ہوتی ہے۔ تم تو بہادر ہو، تمہاری بہادری کا اس سے بڑھ
کر کیا ثبوت ہوگا کہ تم نے خوارزم شاہ کو فتح کر لیا۔

فائقہ مسکرا دی!

خوارزم شاہ: تم اس قدر زود حس کیوں ہو ——؟

فائقہ: نہ جانے کیوں؟ ...... مجھے خود اپنی اس کمزوری پر شرمندگی ہوتی ہے!

خوارزم شاہ ہنسنے لگا

فائقہ: آپ کب تشریف لے جا رہے ہیں غزنی کی مہم پر؟

خوارزم شاہ: زیادہ سے زیادہ دو تین دن میں۔ اس مرتبہ زیادہ تیاری کر کے جا رہا ہوں۔
چاہتا ہوں چنگیز کو ایسا سبق دوں کہ وہ یاد کرے عمر بھر!

فائقہ: خدا کرے ایسا ہی ہو، خدا سب کو چشم زخم سے محفوظ رکھے!

خوارزم شاہ: آمین ... اور کچھ؟ دیکھو ہم نے تمہاری تائید کر دی!

فائقہ: میں یہ دریافت کرنا چاہتی ہوں کہ حضور اقبال کی واپسی کب ہوگی؟

خوارزم شاہ: اس کے بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے۔ دور دراز سفر پر جا رہا ہوں۔ نہایت طاقتور
اور جنگ فطرت دشمن سے مقابلہ ہے۔ حالات نہ جانے کیا صورت اختیار کریں۔
جلد سے جلد واپسی ہوگی تب بھی دو تین مہینے تو لگ ہی جائیں گے!

فائقہ: دو تین مہینے ... یہ تو بہت مدت ہوئی۔ بڑی دیر لگ جائے گی اس طرح تو؟

خوارزم شاہ: ہاں —— لیکن یہ بھی تو سوچو مہم کتنی سخت ہے۔ نہ جانے کتنی دور ہے!
لیکن تم گھبراتی کیوں ہو۔ اطمینان رکھو۔ ان شاءاللہ پلک جھپکتے میں یہ دن گزر جائیں گے۔
بس تم ایک کام کرو۔ دعاگو رہو کہ خدا مظفر و منصور واپس لائے۔
چنگیز نے غزنی کو تاراج کر دیا ہے۔ میں اس کے عزائم کی دنیا تاراج کر دینا چاہتا ہوں۔

فائقہ: ان شاءاللہ ایسا ہی ہوگا۔ آپ خدا کے لئے جنگ کر رہے ہیں۔ وہ ضرور مدد کرے گا!

خوارزم شاہ:۔ بس تم اب جلدی سے اپنا سامان سفر درست کرو۔ میں چاہتا ہوں کل صبح سویرے سویرے روانہ ہو جاؤ۔

خالقہ:۔ کل ہی کیوں؟..... جب آپ تشریف لے جائیں گے میں بھی چلی جاؤں گی۔

خوارزم شاہ:۔ نہیں..... میں چاہتا ہوں، تم میرے سامنے چلی جاؤ، اور جب تمہاری بخیریت پہنچ جانے کی اطلاع مل جائے، تب میں یہاں سے آگے قدم بڑھاؤں۔

خالقہ:۔ تو کل ہی چلی جاؤں گی..... کیا رحیمہ بھی میرے ساتھ جائے گی۔

خوارزم شاہ:۔ اگر معین الدین کو انکار نہ ہو تو اسے ضرور جانا چاہیے۔ اس کا بھی اس سفر میں ساتھ رہنا مناسب نہیں۔ تمہارے ساتھ محفوظ مقام پر چلی جائے تو اچھا ہے۔

خالقہ:۔ میں نے اس سے عرض کیا کہ اس کی بھی وہی کیفیت ہے جو میری ہے

خوارزم شاہ:۔ (مسکرا کر) اچھی.........

خالقہ:۔ جی..... وہ بھی ایک پل کی جدائی بھی روز میں نہیں سہنے والی ہے؟

خوارزم شاہ:۔ تعجب ہے معین الدین نے ہمیں نہیں بتایا..... بہرحال اگر یہ بات ہے تو ہمارا حکم ہے کہ وہ بھی تمہارے ساتھ جائے۔

خالقہ مسکرانے لگی، اتنے میں خوارزم شاہ نے معین الدین کو طلب کیا وہ حاضر ہوا تو خوارزم شاہ نے پوچھا

خوارزم شاہ:۔ غزنی کی مہم پر ہم کب روانہ ہو رہے ہیں؟

معین الدین:۔ جب جہاں پناہ چاہیں۔ سارے انتظامات مکمل ہو چکے ہیں۔

خوارزم شاہ:۔ شاباش، جزاک اللہ۔ لیکن ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ خالقہ کو کسی محفوظ مقام پر بھیج دیں، اس لیے کہ اس حالت میں کہ ایک دوسری زندگی بھی ان کی جان سے وابستہ

ہے ہمارے ساتھ سفر میں رہنا ٹھیک نہیں۔

معین الدین:۔ بجا ارشاد ہوا عالم پناہ!

خوارزم شاہ:۔ کیا رحیمہ سفر میں رہے گی؟..... ہم نے سنا ہے وہ بھی امید سے ہے کیا یہ سچ ہے؟

معین الدین:۔ (گردن جھکا کر) آپ کے لبِ مبارک تک جو خبر پہنچ چکی ہے وہ بالکل سچ ہے!

خوارزم شاہ:۔ پھر کیوں نہ تم اسے بھی خالقہ کے ساتھ بھیج دو، اس طرح ہم مطمئن اور یکسو ہو کر غزنی کی طرف کوچ کر سکیں گے۔

معین الدین:۔ غلام کو کب انکار ہو سکتا ہے۔ لیکن غزنی کی مہم تو کوئی دنوں تک جاری رہے گی۔ بندوبست ایسا ہونا چاہیے کہ یہاں کے حالات کی اطلاع وقتاً فوقتاً ملتی رہے۔

خوارزم شاہ:۔ تم ٹھیک کہہ رہے ہو، یہ تمہارا کام ہے جس طرح چاہو انجام دو۔ اور ہاں ہم نے جو جاسوس چنگیز کے تعاقب میں بھیجے ہوئے تھے وہ اب تک نہیں آئے۔ سمت متعین کیے بغیر ہم کس طرح آگے بڑھ سکیں گے۔

معین الدین:۔ ہمارے بھیجے ہوئے جاسوسوں میں سے دو واپس آ گئے ہیں اور یہ خبر لائے ہیں کہ چنگیز کا لشکر طالقان اور بامیان کی طرف بڑھ رہا ہے۔

خوارزم شاہ:۔ طالقان اور بامیان کی طرف ـــــ یہ کم بخت تاتاری کوئی جگہ بھی نہیں چھوڑیں گے۔

معین الدین:۔ لیکن جب انہیں معلوم ہو گا کہ ہم کہیں بھی ہوں ان کے تعاقب میں ہم ہمیشہ ان کے سر پر سوار رہیں گے۔ غزنی میں انھوں نے جو کچھ کیا ہے اس کا بدلہ انہیں چکانا ہو گا۔

خوارزم شاہ:۔ شاباش..... انشاء اللہ!

کٹی ہوئی گردنوں کا مینار

تالقان اور اور اطراف کو ایک نسبتاً محفوظ مقام پر بھیج کر خوارزم شاہ اپنی مختصر سی جمعیت کے ساتھ جو کبھی سو، دو سو اور کبھی ہزار سواروں پر مشتمل تھی چنگیز کے تعاقب میں رہا، جب تک صورت حال یہ تھی کہ وہ چھاپے مارتا تھا۔ اور چھاپے مار کر واپس آجاتا تھا لیکن غزنی کی ناکامی نے اس کے دل و دماغ پر ایسا اثر کیا تھا کہ اس نے فوج تک کی، ساز و سامان جنگ کی، ناہموار حالات کی نامساعدت اور ناکامی کے پے در پے خدشات کے باوجود یہ طے کر لیا تھا کہ اس مرتبہ چھاپہ مار جنگ نہیں کرے گا۔ لڑے گا.... اس وقت تک لڑے گا جب تک اس کے بازو شل نہ ہو جائیں!

اور ادھر چنگیز یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ مسلمانوں کو صفحۂ ہستی پر زندہ نہیں رہنے دیگا۔ ان کے ایک ایک شہر کو کھنڈر بنا دے گا۔ ان کی ایک ایک بستی کو اجاڑ دے گا، ان کے ایک ایک گھر کو زمین کے برابر کر دے گا۔ ان کی کھیتیاں جلا دے گا۔ ان کے باغوں میں آگ لگا دیگا۔ ان کی جانیں، ان کی شاندار اور بے نظیر عمارتوں کو مٹی کا ڈھیر بنا دے گا۔ ان کے بچوں، بوڑھوں، عورتوں تک پر رحم نہیں کرے گا۔ جو سامنے آئیگا موت کے گھاٹ اتار دیگا

وابستہ تھا اور وہ بھی منصوبہ تیار کرتا رہا، یہاں تک کہ اس کی فوجیں طالقان میں داخل ہو گئیں۔ یہ ایک ایسی جگہ تھی جہاں کے باشندوں میں نہ لڑنے کی سکت تھی نہ ساز و سامان ہی تھا کہ لڑ جاتے اور دل کا حوصلہ نکال کر رہ جاتے۔ انھوں نے حسن صاحبت کی اطاعت اور انقیاد کا دم بھرا، چنگیز نے اس شہر کے دولت مندوں، رئیسوں اور تاجروں کو پائزہ[1] مرحمت فرمایا اور کہہ دیا کہ جن لوگوں کے پاس یہ پائزہ ہے وہ ہر طرح محفوظ رہیں گے باقی کسی اور کے بارے میں وعدہ نہیں کیا جا سکتا، لوگوں نے یہ آدھی موت بھی گوارا کر لی، لیکن ابھی یہ پہنچے بھی نہ پائے تھے کہ عقب سے تاتاری فوجیں پہنچ گئیں۔ اور انھوں نے کشت و خون، لوٹ مار، اور قتل و نہب کا سلسلہ شروع کر دیا۔ جن لوگوں کے پاس پائزے تھے وہ مطمئن تھے وہ دولت مندوں پر بھروسے سمجھتے تھے کہ تاتاری سپاہی اگر ادھر کا رخ کریں گے، تو یہ تمغہ دکھا کر جان و مال بچا لیں گے۔ لیکن جب تاتاری سوار پہنچے اور یہ پائزے انھیں دکھائے گئے تو تاتاری سپاہیوں نے یہ پائزے چھین لئے اور گھروں میں گھس کر لوگوں کا قتل عام شروع کر دیا، کسی بچہ کو چھوڑا نہ عورت کو، نہ مرد کو، نہ بوڑھے کو، گھر میں کوئی چیز سلامت نہیں چھوڑی ہر ہر چیز لوٹ لی، اور اچھی طرح لوٹ چکنے کے بعد گھر کو ڈھا کر مسمار کر دیا، اور اسی طرح آن کی آن میں وہ جگہ جہاں طالقان آباد تھا، ایک ویرانہ اور کھنڈر بن گئی چنگیز اس جگہ ایک لمحہ کے لئے بھی نہ ٹھہرا۔ اس نے طالقان کو تباہ و برباد کرنے کے بعد فوراً فوج کو حکم دیا کہ بامیان کی طرف بڑھے

[1] پائزہ، خاقانی تاتاری زبان کا لفظ ہے۔ یہ ایسا سرکاری نشان تھا، جسے دیکھنے کے بعد تاتاری صاحبِ نشان کو لوٹتے مارتے نہیں تھے۔

بامیان ایک آباد اور پر رونق شہر تھا۔ یہاں کی عمارتیں، یہاں کے باغات، یہاں کی نہریں ایک خاص امتیازی شان کی حامل تھیں۔ آبادی بھی کافی تھی۔ کاروبار بھی خوب چمکا ہوا تھا۔ مال و دولت اور ثروت مندوں کی بھی کمی نہیں تھی اور مسلمان اور اہل علم بڑی تعداد میں موجود تھے۔ بامیان ایک مہذب شہر تھا۔ یہاں کی تہذیب اور یہاں کی آسودہ تہذیب نے اس کی زندگی نے لوگوں کی شائستگی میں ایک اضافہ کیا۔ اگر دی تو چنگیز کو واقعتہً بہت دنوں سے اسی شہر پر تھا۔ وہ مختلف الجھنوں میں پھنسا رہا اور اس طرف توجہ نہ کر سکا۔ اب افغان کا مورچہ سر کرنے کے بعد وہ سیدھا بامیان آیا تھا اور آتے ہی چنگیز کی فوجوں نے حملہ کر دیا اور ایسا خونریز اور پر جوش حملہ کہ اپنی ساری قوت اسی حملہ پر صرف کر دی۔ یہاں کے لوگ حوصلہ مند تھے اور جانتے تھے کہ ذلت کی موت مرنا ہے یا عزت کی؟ تو پھر بہادروں کی موت کیوں نہ مرا جائے؛ بزدلوں کی موت کیوں قبول کی جائے۔ اگرچہ وہ لڑائی کیلئے تیار نہیں تھے لیکن اس سیلاب بے پناہ کے مقابلہ پر ڈٹ گئے۔ تعداد اور اسلحہ کے لحاظ سے وہ تاتاری لشکر کے مقابلہ میں بالکل ہیچ اور کمزور تھے لیکن عزم و ہمت اور جوش و جذبہ کے اعتبار سے گرے پڑے ہوئے نہیں تھے۔ تو فرق وہی نہیں تھے۔ چنگیز کو اتنی سخت مزاحمت اور مقاومت کی توقع نہیں تھی۔ وہ سمجھا تھا کہ جس طرح خالق ان میں بھیڑ بکریوں کی طرح انسانی گردنیں کٹوانی تھیں، اسی طرح بامیان جیسے مرکزی مقام اور گنجان آبادی میں بھی اسکو نہ اور گیہوں پانی کی طرح انسانوں کا خون بہایا جائیگا اور وحشت و بربریت کا بازار گرم کیا جائیگا لیکن ایسا نہ ہوا۔ وہ ضعیف سے ضعیف مسلمان کی ہمت تھی لیکن وہ ایسی چیونٹی ثابت ہوئے جو ہاتھی کی ناک میں گھس کر اسکی زندگی اجیرن کر دیتی ہے۔ چنگیز کو پہلی مرتبہ ایسی سخت مقاومت سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ وہ بار بار اپنے دلاوروں کو اکساتا تھا، بڑھاتا تھا، بڑھاوے دیتا تھا اور ایک نئے جذبہ

اور جوش کے ساتھ آگے بڑھتے تھے، پیش قدمی کرتے تھے، پورے ہلے دوڑتے اور سفاکی کے ساتھ مسلمانوں کی گردنیں کاٹتے تھے لیکن جتنی گردنیں کٹی تھیں ان سے کہیں زیادہ سر کٹنے کیلئے پھر آموجود ہوتے تھے۔ اس جنگ میں مسلمان بری طرح قتل کئے گئے لیکن قتل ہوتے ہوتے بہت سے تاتاریوں کو بھی انہوں نے قتل کر دیا۔ میدان جنگ اگر مسلمانوں کی لاشوں سے پٹا پڑا تھا تو جا بجا تاتاریوں کی لاشیں بھی نظر آ رہی تھیں۔ یہ منظر دیکھ دیکھ کر چنگیز کا خون کھول رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کس طرح اس جنگ کو اس طرح ختم کرے کہ مسلمان کوئی بھی زندہ نہ بچے، اور تاتاری جتنے قتل ہو چکے ہیں، وہ سب کے سب زندہ اور تندرست ہو جائیں۔ دوبارہ اٹھ کھڑے ہوں!

وہ شبانہ روز جنگ ہوئی۔ خونریز جنگ جاری رہی۔ ہمیشہ جنگ کے بعد مسلمان غلام بنا لئے جاتے تھے، آج جب جنگ ختم ہوئی تو اس طرح کہ کوئی نہ تھا جس کی گردن میں غلامی کی رسی ڈالی جاتی..... سب لڑتے لڑتے شہید ہو چکے تھے۔ ان بچے تھے، بیمار تھے، عورتیں تھیں بوڑھے تھے، لیکن ان کی قسمت میں بھی غلامی نہیں لکھی تھی۔ چنگیز کے سامنے جب یہ ستم رسیدہ لوگ لائے گئے تو اس نے چیخ کر کہا

- میں ان میں سے کسی کو زندہ دیکھنا نہیں چاہتا۔ اسی شہر میں میرا پوتا قتل ہوا ہے۔ یہاں دشمن کا ایک آدمی بھی زندہ نہیں رہنا چاہیے!

حکم کی دیر تھی کہ تعمیل حکم ہو، خون پیچوں سلسلہ شروع ہو گیا!

بہ روتے ہوئے بچے، بیمار، ضعیف ہوتی عورتیں، بے چارے نحیف و نزار بوڑھے پکڑ پکڑ کر ضعیف ایک صف میں بٹھائے گئے اور ان کی گردنیں کاٹ دی گئیں۔ ان کی فریاد، التجائیں کی آوازیں بلند ہوئیں۔ لیکن چنگیز کے کانوں تک نہ پہنچ سکیں، اگر پہنچ بھی سکیں تو بے اثر ہو گئیں۔

اس کار رجم کو انجام دینے کے بعد چنگیز مسکرا دیا۔ اب تک اس کے الجھے نہیں

پڑی ہوئی تھیں۔ لیکن تیمور کی جاں نثاری نے سمرقند کے اس حصے کو بچا لیا تھا۔ چنگیز نے قتن خاں سے کہا۔

۔ آج بے اندازہ لوگ قتل ہوئے ..... یہ جا بجا جو ان کے کٹے ہوئے سروں کا مینار ہے، اسے دیکھو کہ ہماری تلوار کی تیزی کہاں تک پہونچ چکی ہے ..... اس مینار سے کہیں اسی طرح پیغام پہنچا دو تاکہ اگر کبھی خوارزم شاہ کا اس طرف گزر ہو تو وہ دیکھ لے کہ ہم اس کے لئے کیسی نادر اور نایاب فرحت بخش چیز چھوڑ گئے ہیں۔

قتن خاں کے ہونٹوں پر بھی تبسم کھیلنے لگا۔ اس نے آن کی آن میں مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کے سروں پر مشتمل ایک مینار بنا کر کھڑا کر دیا۔ یہ مینار اونچی بلندی میں یکتا تھا۔ اس مینار کو دیکھ کر چنگیز ہنس پڑا۔ اس نے قتن خاں سے کہا۔

۔ اچھی چیز ہے ..... میں خوش ہوا ہے دیکھ کر!

اس سے قبل بھی میں نے گردنیں کاٹی ہیں، اور لگاتار کئی گاؤں کے مینار بنے بھی ہیں لیکن جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے یہ مینار اب تک کے میناروں میں سب سے اونچا ہے!

قتن خاں ابھی جواب نہیں دے پایا کہ خوارزم شاہ اتفاق سے ادھر وہ غضبناک تا میدان آیا۔ یہاں اس نے یہ جگر شگاف منظر دیکھا تو آتش زیر پا کی طرح غضبناک ہو کر ٹوٹ پڑا۔ تاتاری سپاہی گھوڑوں سے اترے تھے اور مطمئن تھے کہ اب صرف آرام ہی کرنا ہے۔ اس اتفاقی اور ناگہانی حملے سے جب تک ..... سینکڑوں ہزاروں کی گردنیں کٹ چکی تھیں۔ چنگیز نے اپنے بیٹے چغتائی کو آگے بڑھایا اور خود بچے ہوئے سپاہیوں کو لے کر آگے بڑھا۔ اتفاق سے اس کی اور خوارزم شاہ کی مڈبھیڑ ہو گئی۔ خوارزم شاہ نے تلوار کا ایسا ہاتھ مارا تھا کہ اگر وہ بہت چست نہ ہوتا تو ختم ہو گیا ہوتا۔ پھر بھی اس کا شانہ اور گردن بری طرح زخمی ہو گئے۔ چغتائی کے زخمی

لہ بعض مورخین نے چغتائی کے بجائے پوتے کو زخمی ہونا بیان کیا ہے بیٹے کا نہیں۔

ہونے کی اطلاع جب چنگیز کو ملی۔ تو وہ برق رفتاری کرتا اٹھا۔ اب اس کا لشکر بھی کل طور پر تیار ہو چکا تھا۔ لیکن خوارزم شاہ کو اب ٹھہرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس نے چند گھنٹوں کی اس مختصر سی مدت میں چھ ہزار تاتاریوں کو ہمیشہ کے لئے نیست کر دیا تھا۔ جب وہ طوفان کی طرح چغتائی کو زخمی کر کے اور چنگیز کے دل پر بھی داغ لگا کر واپس چلا گیا۔ تاتاری تعاقب کر پڑے لیکن اس کی گرد کو بھی نہ پا سکے!

چغتائی کا زخم گہرا تو نہ تھا مگر اس قدر تھا کہ چنگیز غصے سے بے قابو ہو گیا۔ اس نے ہاتھی کی طرح چنگھاڑ کر قتن خاں سے کہا۔

۔ چغتائی زخمی ہو گیا۔ خوارزم شاہ کی یہ جرأت کہ میرے بیٹے کو زخمی کر دے۔ پھر وہ زندہ بچ کر بھی نکل گیا۔ یہ ان لوگوں کو سزا دینے کا نتیجہ ہے جنہوں نے اسے نکل جانے دیا۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ سزا پائیں۔ یہ بیابان میں پھر جانداروں کا وجود ختم کر دو۔ یہاں کے پرندوں کو ہلاک کر دو۔ یہاں کے جانوروں کو ختم کر دو۔ یہاں کے چرندوں کو موت کے گھاٹ اتار دو۔ ہوا میں کوئی چڑیا، زمین پر کوئی جانور نظر نہ آئے۔ جب تک یہ نہیں ہو جاتا میرے دل کو قرار نہیں آئے گا۔

چنگیز کے دل کو اس وقت قرار آگیا۔ جب اس نے اپنی آنکھ سے کبوتروں، چڑیوں، مرغیوں، بھینسوں، بکریوں، بھیڑوں، گھوڑوں، اور گدھوں کی لاتعداد کٹی ہوئی گردنیں دیکھ لیں!

چنگیز کا انتقام کتنا ہولناک تھا۔ لیکن یہی انتقام خوارزم شاہ کے سامنے کتنا بے بس تھا

لہ یہ تاریخی واقعہ ہے کہ اپنے بیٹے یا پوتے کے زخمی ہونے کے بعد چنگیز نے حکم نافذ کیا تھا کہ چرند پرند سب ہلاک کر دیئے جائیں!

احساس کمتری

چنگیز خان خوارزم شاہ کے ان پے بہ پے حملوں سے عاجز آ گیا تھا۔ ادھا سیان میں اس کے بیٹے چغتائی کے ساتھ جو حادثہ پیش آیا تھا اس نے اسے اور زیادہ مشتعل کر دیا تھا۔ غیظ و غضب سے اسکا چہرہ تمتایا ہوا تھا اور وہ اپنی بوٹیاں نوچ رہا تھا۔ کوئی صورت ذہن میں ایسی نہیں آ رہی تھی کہ وہ خوارزم شاہ اور اس کے عزم و ہمت کو کچل دیتا۔ درحقیقت اب وہ ان پے بہ پے یلغاروں اور ترکتازیوں سے عاجز آ چکا تھا۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ دل ہی دل میں خائف ہو چکا تھا تو زیادہ مبالغہ نہ ہو گا۔ حشمت کا مارا تمن خان اس کے پیچھے پہنچ گیا۔ اس نے چاہا کہ اس وقت چنگیز کو برہم اور غضبناک دیکھ کر واپس چلا جائے۔ الٹے پاؤں واپس ہو رہا تھا کہ چنگیز کی نظر پڑ گئی۔ اس نے گرجدار آواز میں اسے پکارا۔

۔ تمن خان ادھر آؤ۔

تمن خان وہیں رک گیا۔ ذرا سے ٹھٹکا اور پھر اپنے آقائے نعمت کے سامنے کھڑا ہو گیا!

چنگیز نے کہا

"دربار۔۔۔!"

جب وہ دربار کا لفظ استعمال کرتا تھا تو اس کے معنی یہ ہوتے تھے کہ کوئی بڑا اہم مہم درپیش ہے۔ اور وہ اصحاب فکر و رائے کو جمع کر کے ان سے صلاح مشورہ کرنا چاہتا ہے وہ فوراً واپس گیا۔ اس نے سرداران لشکر اور اکابر و اعیان کو جمع کیا۔ تھوڑی ہی دیر میں چنگیز کا خیمہ فوج کے سرداروں، امیروں، سپہ گروں اور اس کے لڑکوں سے بھر گیا۔ مجلس پر موت کا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ چنگیز کی دہشت سب پر مسلط تھی۔ کسی میں یارا نہیں تھا کہ بات شروع کرے۔ سب حیران، ششدر، خاموش و مضطرب بیٹھے ہوئے تھے۔ آنکھیں زمین پر گڑی تھیں۔ سر جھکے ہوئے تھے خیالات پریشان دل و دماغ پر چھائے ہوئے تھے!

اتنے میں فیل مست کی طرح چنگیز چنگھاڑا۔ سب دہل اٹھے۔

چنگیز: میں آج تک شکست سے دوچار نہیں ہوا میں نے کسی سے ہار نہیں مانی۔ میں دنیا کی کسی شخصیت سے مرعوب و متاثر نہیں ہوا۔ میں کسی بڑی سے بڑی طاقت سے ذرا نہیں سہما۔ بتاؤ میں غلط تو نہیں کہتا؟

ملی جلی آوازوں سے خیمہ گونج اٹھا!

"نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ ہمارا بادشاہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ وہ بہادروں میں یکتا ہے ساری دنیا اس کے نام سے کانپتی ہے۔ وہ دنیا کا سب سے بڑا فاتح اور کشور کشا ہے۔ وہ اس دنیا پر ابر رحمت کی طرح چھایا ہوا ہے۔ دنیا کے لوگ اسلئے ہیں کہ اس سے ڈریں، اس کے سامنے سرِ عبودیت خم کر دیں اور وہ صرف اس لئے ہے کہ سب پر حکومت کرے۔ اسے کوئی نہیں ڈرا سکتا، وہ کسی سے مرعوب و متاثر نہیں ہو سکتا۔"

چنگیز: ہاں ساری دنیا مجھ سے میرے نام سے لرزتی ہے کانپتی ہے — لیکن کیا
جلال الدین خوارزم شاہ بھی؟
تالیاں آوازیں پھر بلند ہوئیں۔
وہ بھی — وہ بھی!

چنگیز: اگر سچ پوچھو! نہیں، جھوٹ نہ بولو، وہ مجھ سے ذرا بھی نہیں ڈرتا!
سب لوگ خاموش ہو گئے!
اور چنگیز نے ایک مرتبہ پھر سب کو مخاطب کر کے کہا۔
خوارزم شاہ مجھ سے نہیں ڈرتا، ذرا بھی نہیں ڈرتا، وہ میرا مذاق اڑاتا ہے
میں نے بلند و بالا عمارتوں کو کھنڈر بنا دیا، میں نے بڑے بڑے تاریخی شہروں کو
خاک کا ڈھیر بنا دیا، میں نے جنگلوں باغوں اور کھیتوں کو جلا کر خاکستر کر دیا، میں نے بہادر و
سپہ گردن سرداروں اور جوانوں کی گردنیں کاٹ لیں،
میں نے خون کی ندیاں نہیں سمندر بہا لئے
میں نے [illegible] تک کو فتح کیا۔ اور انہیں تہ تیغ کر دیا، میرے سامنے آنے کے
بعد کوئی بھی اپنی جان سلامت نہ لے جا سکا۔
تالیاں اور آوازیں پھر بے ساختگی کے ساتھ بلند ہوئیں۔
بے شک — بے شک!

چنگیز: لیکن میں جلال الدین خوارزم شاہ کو شکست نہ دے سکا۔ میں اس کے عزم و ہمت
کو مجروح نہ کر سکا، میں اس کی خودداری اور عزت نفس کو کچلنے میں کامیاب نہ ہو سکا
بتاؤ میرے دوستو، ساتھیو، رفیقو، میں غلط تو نہیں کہتا؟

یہ کہتے کہتے اپنی تقریر کا رد عمل دیکھنے کے لئے ذرا سا رکا!
سب خاموش تھے سب پر سناٹا چھایا ہوا تھا!

چنگیز: مجھے اپنے وجود سے شرم آنے لگی ہے.... میں نے ہر معرکے میں زیادہ سے
زیادہ تازہ دم فوجیں جھونکیں، اور معرکے سے زندہ و لی، اور شرارت کے ساتھ
خوارزم شاہ نکل کر نکل گیا...... مجھے نقصان پہنچا کر میرے سپاہیوں
اور وفاداروں کی گردن کاٹ کر میرا سینہ چیر کر، وہ موج دریا کی طرح نکل گیا
اور میں کچھ نہ کر سکا!
ایک سردار نے کہا
لیکن کب تک — آخر ایک نہ ایک دن وہ ہمارے ہاتھ آئے گا!
دوسرے نے کہا
اور اس کا بھی وہی حشر ہوگا جو اس کے لاکھوں ہم قوموں کا ہو چکا ہے!

چنگیز: ہاں — لیکن وہ دن کب آئے گا.......... کیا میری
زندگی میں؟

تلی خاں: حضور، حضور آپ کی زندگی ہی میں وہ دن آئے گا، وہ گرفتار ہو کر، ہمارے شاہ
والا جاہ کے سامنے پیش ہو گا اور اپنے کیفر کردار کو پہنچے گا!

چنگیز: یہ طفل تسلیاں ہیں...... مجھے ان باتوں پر یقین نہیں آتا!
میں کبھی مایوس نہیں ہوا، لیکن اب مایوسی مجھ پر غالب آتی جا رہی ہے!
وہ جہاں بھی ملے میں اس سے فیصلہ کن جنگ کا تہیہ کر چکا ہوں، اس مرتبہ اسے
بچ کر نہیں نکلنے دوں گا، وہ میرے پنجے سے بچ کر نہیں نکل سکے گا! —

اور دریا کی تہ میں بھی ہوگا، تو میں اس کا تعاقب کروں گا، اور وہاں سے اسے
پکڑ لاؤں گا .... تم پتہ چلاؤ، وہ کہاں ہے؟ اور کس طرف
جا رہا ہے؟

تمن خاں: سردار عالم پناہ! آپ کے غلام اس کا پتہ لگا چکے ہیں:

چنگیز: تو تم اس کو پہنچ گئے ہو ... بتاؤ وہ کہاں ہے؟

تمن خاں: وہ یہاں سے نکل گیا

چنگیز: [illegible] ...... وہاں کے [illegible] زیادتی کر کے وہ
کیا کرے گا، کیا پائے گا؟

تمن خاں: لیکن وہاں بھی وہ ٹھہرا نہیں۔

چنگیز: پھر کہاں گیا؟

تمن خاں: میرے آقا، وہ ہندوستان جا رہا ہے ...

چنگیز خاں: متعجب ہوکر، ہندوستان جا کر کیا کرے گا؟

تمن خاں: ہندوستان پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہے اور وہ ان مسلمان بادشاہوں کی
قوت و طاقت سے واقف ہے، ہندوستان ایک وسیع ملک ہے۔ اس کے ذرائع
و وسائل لامحدود ہیں، اس کی جنگی قوت بہت بڑھی ہوئی ہے، وہ سونے کی کان ہے
وہاں دنیا کی ہر چیز موجود ہے!

چنگیز: تو خوارزم شاہ کو امید ہے کہ وہ ان مسلمان بادشاہوں کی مدد حاصل کرے گا؟ اور
اور پھر وہ لے کر ہم پر چڑھائی کرے گا؟

تمن خاں: بیشک میرے آقا اس کا یہی مقصد ہے، وہ اسی مقصد کو لے کر بھارت کی طرف

آندھی کی طرح بڑھ رہا ہے!

چنگیز خاں: تو کیا وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگا؟ .. نہیں ہم اس کو بھارت کی سرزمین
تک نہیں پہونچنے دیں گے۔

تمن خاں: بے شک یہی ہونا چاہئے

چنگیز خاں: اگر یہ سچ ہے کہ وہ بھارت کی طرف بڑھ رہا ہے تو ہمیں فوراً تعاقب پر روانہ
ہو جانا چاہئے، فوراً یہاں سے کوچ کر دینا چاہئے۔
ابھی، اسی وقت ———!
جلال الدین اگر دریا کی تہ میں پہونچے گا تو میں وہاں بھی اس کا تعاقب کرتا ہوا
پہونچ جاؤں گا — کوچ ... کوچ ... کوچ ... کوچ ..... کوچ!
چنگیز کے منہ سے یہ الفاظ نکلے اور تاتاری لشکر نے کوچ کر دیا۔

!.............................!

کون جیتا ؟

جلال الدین خوارزم شاہ نے محسوس کر لیا تھا کہ چنگیز کا خاتمہ اس جنگ جیاولی گوریلا لڑائی سے نہیں ہو سکتا، خلافت عباسیہ سے جو امیدیں تھیں وہ منقطع ہو چکی تھیں عزیزوں اور حبابیوں نے پہلے ہی آنکھیں پھیر لی تھیں، دوسرے ملوک و سلاطین سے بھی کوئی امید باقی نہیں رہ گئی تھی۔ سب چنگیز کے نام سے کانپتے اور لرزتے تھے۔ بار بار اس کی نظریں ہندوستان پر گئیں یہاں بھی مسلمان حکمراں تھے اور ان کی قوت و شوکت ہیبت و عظمت اور جاہ و اقتدار کا ڈنکا بج رہا تھا۔ ان کے محیر العقول کارناموں اور غیرت ملی کے افسانوں سے بھی خوارزم شاہ اچھی طرح واقف تھا سندھ میں سلطان شہاب الدین غوری کا نامور غلام تاج الدین یلدز حکمرانی کر رہا تھا۔ سندھ ہی کو خوارزم شاہ نے تاکا اور اسی طرف گھوڑے کی باگ موڑ دی چونکہ اب وہ ایک ملک سے دوسرے ملک میں جا رہا تھا اس لئے اپنی والدہ ترکان خاتون، بیگمات اور بچوں کو بھی اس نے جمع کر لیا تھا، یہ سب بھی ساتھ جا رہے تھے۔ اس کا ارادہ تھا کہ سندھ میں کچھ آرام کرے گا پھر اگر جی نے مدد کی تو غیر روک دلی تک پہنچے گا اور وہاں سے ایک لشکر جرار لے کر چنگیز کا مقابلہ کرے گا اور جب تک اسے صحرائے گوبی میں واپس نہیں بھیج دیگا

چین سے نہیں بیٹھے گا!

ادھر چنگیز بھی خوارزم شاہ کی گوریلا لڑائی سے تنگ آچکا تھا، اس نے بڑے بڑے ملک ویران کر دیئے، بڑی بڑی حکومتوں کو غارت کر دیا۔ بڑی بڑی بادشاہتوں کا تخت الٹ دیا لیکن ایک مشت خاک خوارزم شاہ اور اس کے مٹھی بھر جانبازوں کو فنا نہ کر سکا۔ یہ اس کی سب سے بڑی ناکامی تھی، یہ اس کی بے پناہ قوت و شوکت کیلئے سب سے بڑا چیلنج تھا، یہ اس کی عالمگیری کشور کشائی اور شان و جلال پر کھلا ہوا طنز تھا، اسے وہ کسی طرح برداشت نہیں کر سکتا تھا! ..... وہ ہر قیمت پر یہ بازی جیت لینے کے لئے بیقرار تھا! ——

وہ اس آخری داؤ پر سب کچھ بھینٹ چڑھا دینے کے لئے تیار تھا جونہی جیسے ہی جاسوسوں نے اطلاع دی کہ خوارزم شاہ ہندوستان کی طرف بڑھ رہا ہے وہ جیتا باز خیمہ سے نکلا اور گھوڑے پر اچک کر بیٹھا اور کوچ کوچ کا نقارہ لگاتا ہوا آندھی کی طرح اچھا اور وہ ایک منٹ کی تاخیر بھی گوارا نہیں کر رہا تھا۔ اسے ڈر تھا کہیں ایسا نہ ہو خوارزم شاہ ہاتھ سے نکل جائے، وہ چاہتا تھا ہندوستان کی سرزمین تک پہنچنے سے پہلے اسے گرفتار کر لے اور پھر قرار واقعی سزا دے!

چنگیز کی فوجیں سندھ کی طرف بڑھتے گئیں .... یہ فوجیں اتنی ہوشیاری اور سبک روی کے ساتھ بڑھیں کہ انھوں نے عین دریائے سندھ کے دہانے پر خوارزم اور اس کے لشکر کو تین طرف سے گھیر لیا... چوتھی طرف بحر ناپیدا کنار کی طوفانی لہریں اور پرشور موجیں تھیں،

جلال الدین خوارزم شاہ جواب تک مغلوب نہ ہو سکا اس کی وجہ بہادری اور شجاعت کے ساتھ ساتھ یہ بھی تھی کہ وہ بیحد زیادہ سبک پا تھا، برق کی طرح آتا تھا، اور بجلی کی طرح

اپنی چمک دکھا کر غائب ہو جاتا تھا۔ لیکن اب وہ گھر گیا تھا۔ اب اس کے سامنے دو ہی راستے تھے،

غلامی کی زندگی ...... یا موت!

وہ غلامی کی زندگی پر موت کو ترجیح دیتا تھا۔ وہ مرنے کیلئے اپنے مٹھی بھر جانبازوں کے ساتھ تلوار سونت کر میدان میں کود پڑا۔ وہ بھاگ سکتا تھا، بھاگ کر اپنے بال بچوں اور ان تھوڑے سے سپاہیوں کی جان بچا سکتا تھا۔ لیکن وہ ایک باغیرت اور خوددار شخص تھا۔ مرجانا آسان تھا۔ لیکن زندہ رہ کر ذلت کی زندگی بسر کرنا بہت مشکل تھا!

کم از کم اس کے لئے ناممکن تھا۔

وہ موت سے بے پروا ہو کر لڑ رہا تھا۔ زخمی ہو رہا تھا اور قتل کر رہا تھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ مر جائے گا مگر جب تک دم میں دم ہے تلوار نہیں پھینکے گا۔ یہی حال اس کے جری اور جانباز ساتھیوں کا تھا!

چنگیز کا گھیرا تنگ ہوتا جا رہا تھا۔ اس جنگ کا سربراہ اس کا بیٹا تولی تھا جسے چغتائی بھی کہتے تھے۔ اس کے بیٹے کو باپ نے حکم دیا تھا کہ ہر قیمت پر جنگ جلد از جلد جیتی جائے اور تولی خان چغتائی، باپ کے سعادت مند بیٹے کی حیثیت سے اس حکم کو عملی جامہ پہنانے کی سرتوڑ کوشش کر رہا تھا!

گھیرا اور تنگ ہو گیا

اور اس مرتبہ جلال الدین خوارزم شاہ کا خاص خیمہ جس میں اس کی بیگمات، اور مال اور بچے تھے۔ قبضہ میں آ گیا۔ تولی خان دوڑا دوڑا باپ کے پاس گیا۔ اس نے یہ خوشخبری سنائی۔ چنگیز نے یہ خوشخبری سن کر تولی خان کو گلے سے لگا لیا۔ اس کی پیٹھ تھپکی

شاباش۔ لب پیشانی کو بوسہ دیا۔ اور حکم دیا کہ سب کو گرفتار کر کے حاضر خدمت کیا جائے فوراً ہی حکم کی تعمیل ہوئی۔ خوارزم شاہی خواتین گرفتار ہو کر آ گئیں۔ ان گرفتار شدگان میں خوارزم شاہ کے چار نوعمر لڑکے بھی تھے بڑے لڑکے رن میں باپ کے ساتھ داد شجاعت دے رہے تھے اور یہ شیرخوار بچے چنگیز کے قبضہ میں تھے اتنے میں ایک ننھا سا بچہ رونے لگا چنگیز نے کہا۔ یہ کون رو رہا ہے؟

چنگیز: یہ خوارزم شاہ کا ننھا سا بچہ ہے؟

تولی خان: سانپ کا بچہ سپنولا۔ ہمارے سامنے لاؤ ...... یہ آج بچہ ہے،

چنگیز: بڑا ہو کر خوارزم شاہ بنے گا۔ نہیں میں اسے خوارزم شاہ نہیں بننے دوں گا۔ یہ خوارزم شاہ نہیں بن سکتا! ...... یہ زندہ رہنے کا حق نہیں رکھتا!

... ادھر لاؤ اسے!

ایک سپاہی بچے کو گود میں اٹھا کر لایا اور چنگیز کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ بچے نے رونا بند کر دیا اور حیرت سے چنگیز کی صورت دیکھنے لگا۔ پھر وہ مسکرایا۔ اور پھر اس نے ایک ہاتھ سے چنگیز کی ڈاڑھی جھک کر پکڑ لی اور دوسرے ہاتھ سے اس کے گال پر طمانچہ لگایا

چنگیز چیخا۔

قتل کر دو اسے!

فوراً تلوار چلی۔ اور بچے کی گردن زمین پر دھم سے گر پڑی۔

٭ جلال الدین خوارزم شاہ کے بچوں کے قتل کی دردناک لرزہ خیز داستان تمام تاریخوں میں مذکور ہے۔ یہ سفاکی کی انتہا تھی لیکن چنگیز سے توقع بھی یہی تھی!

چنگیز: ایک خوارزم شاہ میدانِ جنگ میں لڑ رہا ہے، دوسرے کی گردن میرے سامنے کٹی ہوئی پڑی ہے!

پھر اس نے قہقہہ لگایا اور کہا

چنگیز: کچھ اور لڑکے بھی خوارزم شاہ کے گرفتار ہوئے ہیں؟

قولی خان: جی ۔۔۔ تین اور ہیں!

چنگیز: انہیں بھی لاؤ!

فوراً ہی تین نوعمر معصوم بچے لا کر سامنے کھڑے کر دیئے گئے، جو بڑی بے بسی سے اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے۔ اور نمناک آنکھوں سے پوچھ رہے تھے۔

ہم نے کیا خطا کی ہے؟

چنگیز نے ان معصوموں پر ایک نظر ڈالی اور گرجتے ہوئے کہا

چنگیز: ان سب کی گردن اڑا دو!

کٹ کٹ تین تلواریں چلیں، اور آن کی آن میں تین چھوٹی چھوٹی لاشیں تڑپنے لگیں۔

چنگیز: کوئی اور بھی باقی ہے؟

قولی خان: جی ۔۔۔ ایک چند ماہ کا بچہ اور ہے۔ سو رہا ہے ماں کی گود میں!

چنگیز: اسے بھی لاؤ!

قولی خان: اس کی ماں کسی طرح اسے نہیں چھوڑتی۔

چنگیز: دونوں کو لاؤ۔

فوراً ہی ایک خاتون چند سپاہیوں کے جلو میں گود میں ایک بچہ لئے ہوئے حاضر ہوئی۔ چنگیز اسے دیکھ کر حیرت اور بے ساختگی کے ساتھ چیخ پڑا۔

چنگیز: تو ۔۔۔ تو ۔۔۔؟

یہ نائلہ تھی

چنگیز: اب تو بچ کر کہاں جائے گی؟ ۔۔۔ لیکن میں ایک شرط پر تیری اور تیرے بچے کی جان بخشی کر سکتا ہوں!

نائلہ: زندگی کا مالک خدا ہے، میری اور تیری زندگی اسی کے ہاتھ میں ہے!

چنگیز: (اپنی تلوار کی طرف اشارہ کرکے) ساری دنیا کی زندگی میری اس تلوار کی نوک میں ہے ۔۔۔ دیکھ خوارزم شاہ کا کس بل نکل گیا۔ اب وہ ہمارے ہاتھ میں ہے اس کے بچوں کو میں نے قتل کر دیا۔ تجھے اور تیرے بچوں کو بھی قتل کر سکتا ہوں اگر تو چاہے تو۔

نائلہ: میں نہیں چاہتی!

چنگیز: بڑی حیرت ہے! تو زندہ رہنا نہیں چاہتی یا اپنے بچے کی لاش دیکھ کر مرنا چاہتی ہے؟

نائلہ: ہاں ۔۔۔!

چنگیز: حیرت ہے ۔۔۔ کیوں؟

نائلہ: جب میرا آقا موت کے دھانے پر پہنچ چکا ہے اور میں دیکھ رہی ہوں کہ وہ نہیں بچ سکتا تو میں زندہ رہ کر کیا کروں گی؟ ۔۔۔ یہ بچہ زندہ رہ کر کیا کرے گا؟ ہم سب کو مر جانا چاہئے!

چنگیز: زندگی سب کو پیاری ہوتی ہے خاص طور پر اولاد کی، میں تجھے ایک موقع اور دیتا ہوں، میری شرط ۔۔۔

خالقہ: تو دنیا کا کتا ہے، جو صرف ہڈی کھا کے مارتا اور خون چوستا جاتا ہے،
تجھ سے جو زندگی ملے وہ موت سے بدتر ہے۔ ننگ زندگی ہے وہ زندگی۔

چنگیز یہ الفاظ سنکر بپھر گیا

چنگیز: اس گستاخ کی زبان کاٹ لو، ذبح کر دو اسے — لیکن نہیں پہلے اس کے
بچہ کو چھڑا لے —!

خالقہ: نہیں اس معصوم بچہ کی مقدس زندگی تیری تلوار کے حوالے نہیں کی جا سکتی
میں اسے زہر دے چکی ہوں، یہ مر چکا ہے — لے!

یہ کہہ کر گود سے بچہ کو اٹھا کر خالقہ نے پھینکا۔ وہ چنگیز کے سامنے آ گرا
اور صدمے سے زمین پر گر پڑا۔

چنگیز: مار دو — قتل کر دو اسے!

خالقہ: میں ... بھی — زہر — پی — چکی — ....

اور یہ کہتے کہتے لڑکھڑائی اور تیورا کر گر پڑی، پتلیاں اوپر چڑھ گئیں، اور ایک
مرتبہ تشنجی کیفیت اس پر طاری ہوئی اور پھر وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سو گئی۔

ان دونوں حادثوں نے چنگیز کو بھی جکڑ دیا اور حاضرین کی تو یہ حالت تھی کہ
ان پر مرگ کا سا سکوت چھایا ہوا تھا!

کئی منٹ تک یہی کیفیت طاری رہی!

پھر چنگیز چنگھاڑا۔

چنگیز: کہاں ہے میرا بیٹا چغتائی۔

چغتائی: (آگے بڑھ کر) میں حاضر ہوں۔

چنگیز: میرے بعد تجھے بادشاہت سنبھالنی ہے، میں تجھی کو اپنا ولی عہد بنانا چاہتا ہوں
کہ اس خوارزم شاہ کا سر تو قلم کرے، وہ ابھی اب تک وہ جیداری کے ساتھ لڑ رہا
ہے، وہ اپنے مٹھی بھر سپاہیوں کے ساتھ جدھر نکل جاتا ہے، صفوں کی صفیں
الٹ دیتا ہے، یہ میرے لئے، تیرے لئے، سارے تاتاریوں کے لئے باعث
ننگ و عار ہے!

چغتائی: وہ اب ہمارے نرغے سے بچ کر نہیں نکل سکتا، اس کی ہلاکت کا شرف
میں اکیلا نہیں حاصل کرنا چاہتا، اس شرف میں ہماری ساری فوج شریک ہوگی[1]

چنگیز: ہاں وہ کس طرح میرے بیٹے؟

چغتائی: ایک طرف بحر خزر کی طرح دریائے سندھ ٹھاٹھیں مار رہا ہے، دوسری طرف
باقی ماندہ ہراساں افواج بے کمان کی طرح تاتاریوں نے اسے اپنے گھیرے میں لے
لیا ہے، ہمارے حصار کا دائرہ آہستہ آہستہ تنگ تر ہوتا چلا جا رہا ہے، وہ
زندہ گرفتار ہوگا۔ پھر مارا جائے گا۔

چنگیز: بہت اچھی تجویز ہے، ہر قیمت پر اسے گرفتار کرو۔ گرفتار کرنے کے بعد میرے
سامنے پیش کرو، ہم اس سے کچھ باتیں کریں پھر اسے قتل کر دیا جائے

چغتائی: یہی ہوگا والد محترم!

چنگیز اپنے خیمے کے دروازہ پر کھڑا ہوا جنگ کا سماں دیکھ رہا ہے چغتائی اسکے

---

[1] ہیرولڈ لیمب نے اپنی کتاب "چنگیز" میں لکھا ہے:
"چنگیز خاں نے حکم دیا تھا کہ جلال الدین خوارزم شاہ کو زندہ گرفتار کیا جائے"

"ہر باپ کے بیٹے کو اتنا ہی دلیر اور ایسا ہی بہادر ہونا چاہیے!" ؂۱

چغتائی گردن جھکا کر یہ باتیں سنتا رہا پھر چنگیز نے کہا۔

چنگیز:۔ اب تعاقب بیکار ہے، چلو واپس چلو۔ اس نے شکست نہیں مانی وہ فاتح ہے ؂۲

؂۱ چنگیز خاں اس جانباز کو دیکھ رہا تھا جو گھوڑے سمیت دریا میں کود پڑا تھا۔ تھوڑی دیر تک بالکل خاموش کھڑا حیرت سے خوارزم شاہ کو دیکھتا رہا، پھر انگشت بدنداں ہو کر اس کی تعریف میں بے اختیار یہ کہا: "بڑا خوش نصیب تھا وہ باپ جس کا یہ فرزند ہے!" چنگیز خاں پر لڑائی کا اثر تھا۔ اس کی تصدیق فارسی تاریخ سے ہوتی ہے

"چوں ایں حال مشاہدہ چنگیز خاں گشت، انگشت حیرت بدنداں گرفت،

بر او آفریں کرد و گفت از پسر — جنانش نزاید بگیتی پسر

بکردار شیر است در روز جنگ — بہ دریا درون است همچو نہنگ

و روئے بفرزنداں آورد و گفت: از جہاں بہ پسر چنیں باید! (روضۃ الصفا جلد ۵ صفحہ ۲۲)

؂۲ شہروں کو تباہ و غارت کر کے جب آخری ویران شہر سے چنگیز خاں آگے بڑھنے لگا تو حسب معمول حکم دیا، جس قدر اسیران جنگ لشکر کے ساتھ ہیں ان سب کو قتل کر دیا جائے۔ لشکر کے ساتھ منسوب بادشاہوں کی بیگمات بھی تھیں، وہ مغل ان کو گرفتار کئے جا رہے تھے ایک جگہ ان عورتوں کو حکم ہوا کہ دریا کے کنارے بیٹھ کر اپنے وطن پر آخری نگاہ ڈال کر نوحہ کر لیں ۔۔۔ ہیرلڈ لیمب: چنگیز خاں

فارسی تاریخوں میں زیادہ وضاحت ہے۔ شاید اس لئے کہ چشم دید واقعات ہیں!

۔ چنگیز خاں از معبر بگذشت بصوب مغولستان رواں شد و حرم و نامزدگان خاقان و والدہ سلطان محمد خوارزم شاہ و حرم ہائے آں بادشاہ و مال ہا و جواہر پیش لشکر روانہ گرداند و بعد ...

پھر اس نے چغتائی کے شانے پر ہاتھ رکھا اور اپنے خنجر کی طرف اس کا اشارہ کر کے کہا، وہ واقعی اس وقت شکست خوردہ معلوم ہو رہا تھا! .... اس کی ساری محنت اکارت گئی تھی! اور جلال الدین خوارزم شاہ زبان حال سے چنگیز کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا! ؎

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ

مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

بر ایوان و سلطان ... اسیر بہ وقت نوحہ کناں و نفیر!

در کنار خاتون ...

... بہ آب در ... کنند سوئے

جہانے از آں قوم گشت دگرگون

(حبیب السیر جزو اول جلد سوم ص ۲۴)

ختم شد

(داستان)